٦٥٦٣ح
٤٢١

سراج المبین

(حصہ دوم)

(للألف - اردو)

سراج المبین حصہ دوم — عہ
جلد — 9
محصول ڈاک — ۲

عہ
11

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نصلے علےٰ رسولہ وآلہ الکریم

عرضداشت ضروری

امید چشم توجہ ز اہلِ چشم مراست | کہ راست راست بیاں می کنیم ز کم و کاست

حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات اور واقعات کا لکھنا یا جمع کرنا میرا کام نہیں تھا بلکہ حضرات علمائے کرام ادام اللہ بقاہم کا۔ اور اگر اُن حضرات مقدسین کی تخصیص اس مسئلہ میں ضروری خیال نہ کیجائے اور اُسکو بھی تعمیم کا خلعت پہنا کر عام طور پر تحصیلِ سعادت کا باعث سمجھا جائے تاہم یہ امر اور یہ مبارک خدمت بزرگانِ قوم وملت میں سے اُن چیدہ اور برگزیدہ حضرات کی خوش قسمتی اور عالی ہمتی کا حصہ ہونا چاہئے تھی جو اپنی اعلیٰ قابلیت اور یکتا استعداد و جامعیت کی اعتبار سے مشہور روزگار اور معروفِ دیار و امصار ہیں۔ جن کی نظریں غائر طبیعتیں حاضر تحقیقات وسیع اور درجات رفیع ہیں۔ نہ کہ مجھ سا کور سواد اور کم استعداد جسکو نہ سوادِ علمی سے کوئی واسطہ اور نہ مقاصد تالیفی سے سروکار۔ وہ اپنی موجودہ بے بضاعتی اور کم استطاعتی کی حالت میں کبھی اس امر دشوار گذار کے تحمل کے لئے شایاں و سزاوار نہیں بتلا یا جاسکتا۔ مگر ایک مقدس بزرگ کے فرمانے اور ہمت بڑہانے نے جنکی متابعت اور مطابقت کو میں اپنی عین مفاخرت سمجھتا ہوں مجھ کو ایسے امرِ اہم اور کارِ دشوار کے انجام دینے اور تمام کرنے پر بالاستقلال آمادہ و تیار کر دیا۔ وہ کیسی مبارک ساعت تھی اور مسعود روز اس مبارک خدمت کا آغاز ہوا اور کامل سولہ برس کے عرصہ میں۔

اسمال حضرات ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم من رب الجن والبشر کے حالات و واقعات میں بارہ جداگانہ کتابیں جن میں سے کسی کی ضخامت دو سو اور پونے دو سو صفحوں سے کم نہیں ہے لکھکر میں نے مرتب اور مکمل کر دیں۔ فَہُوَ الْمَقْصُوْدُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَعْبُوْدُ۔ جن میں سے پہلا نمبر سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین علیہ السلام ۱۳۲۷ھ میں چھپکر بزرگان قوم وملت کی خدمات میں پیش ہو چکی ہے اور اُسی کا یہ دوسرا حصہ اسوقت پیشکش ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

اب یہ کتابیں مضامین کی مجموعی حالتوں کے اعتبار سے ضرورتِ زمانہ کی پوری کرنے والی قوم وملت کے مفید ہیں یا غیر مفید۔ اسکا تصفیہ اور اسکی تنقیح میرا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ بالغ نظرانِ زمانہ اور قدردانانِ قوم وملت کے خاص فرائض ہیں مگر اتنا عرض کر دینا میری خود غرضی اور خود ستائی پر محمول نہیں کیا جاسکتا کہ اس سلسلہ کے پہلی ہی نمبر سراج المبین حصہ اول کو شیعہ پبلک میں عام قبولیت کا ایسا خاص اعزاز اور امتیاز حاصل ہوا کہ مؤلف سے اُسکو انگریزی زبان میں ترجمہ کرنیکی خاص طور پر اجازت طلب کی گئی۔

ایسی کامل قدردانی اور کافی قبولیت سے یہ اعتبار کرنا سہل ہوگا کہ اس کے مضامین اور مقاصد و مطالب تالیفی ضرورتِ زمانہ اور مذاقِ حالیہ اور روشِ موجودہ کے بالکل مطابق واقع ہوئے تھے جسکی وجہ سے اس کتاب کو جنابِ امیر المومنین علیہ السلام کے حالات میں اور دوسری کتابوں پر جو اس سے سالہا سال پیشتر سے تمام ممالک میں شایع اور ذائع تھیں ترجیح اور عام قبولیت کا شرف بخشا گیا۔

اب یہ دریافت کرنا ضروری ہے کہ آخر اس میں وہ کون سی خصوصیت ہے جو اور دوسری کتابوں میں نہونے کی وجہ سے

اِسکی عام شہرت اور قبولیت کا باعث ہوئی۔ اِسکے ثبوت میں میری موجودہ کتاب سراج المبین حصّۂ دوم کافی ہو جسمیں جناب امیر المؤمنینؑ کی سیاست۔ تعلیم و ہدایت اور اخلاقی محاسن پوری تفصیل اور تصریح سے لکھے گئے ہیں اور اُنکے متعلق آپکے حالات و واقعات کا پوشیدہ اور سربستہ خزانہ آئینہ کی طرح منظرِ عام میں لاکر رکھدیا گیا ہو جسمیں اُس مدبّرِ الٰہی اور حکیمِ ربّانی اور فرمانروائے لاثانی کی بے نظیر اور بے عدیل لیاقتوں کی اعلیٰ اور یکتا جوہر نہایت آسانی سے دکھلائی دیتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ جوہر ایک مدّت سے کتابوں کی خزانہ میں پوشیدہ تھے۔ اور ناتوجّہی زمانہ کی وجہ سے فضائل و مناقب کے مقابل نقل و تحریر کے مقابل نہیں سمجھے جاتے تھے جنکی نارسائی اسلامی پبلک میں سیاستِ مرتضوی کے متعلق نئے نئے اقسام کی غلط فہمی شکوک اور شبہے پیدا کر رہی تھی۔ اُنکو عربی اور فارسی کے اصلی ماخذوں سے نکالکر منظرِ عام میں لانا نہایت ضروری اور لازم تھا۔ اور اُسی کے ساتھ اُنکی معقول ترتیب اور مناسب ترکیب بھی موجودہ طرزِ تالیف کی مطابق مؤلف کا خاص فرض تھا۔ الحمد للہ فالحمد للہ کہ اِن تمام حدود اور قیود کے ساتھ سراج المبین فی تاریخ امیر المؤمنین علیہ السّلام حصّۂ دوم کی تالیف کو انجام اور تمام کرکے یہ حصّہ بھی قوم و ملّت کی سرمایۂ ناز اور باعثِ اعزاز بزرگوں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور امید کیجاتی ہو کہ اسکے تمام مضامین اور ضروری مقامات پر توجہ اور غور کی نظر فرمائینگے اور اسکے ضرورتِ زمانہ کے مطابق ہونے یا مفید و غیر مفید ہونیکا آپ تصفیہ کرلینگے۔

مگر با اینہمہ اتنا عرض کردینا بھی میرے لیے خاص طور پر ضروری ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے نظامِ سیاست۔ احکامِ تعلیم۔ ہدایت اور اخلاقی محاسن کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہو اُسکو آپ کے اُن محامد و اوصاف کا خاتمہ یا تکملہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ ابھی اس بحرِ ذخّار اور دریائے ناپیدا کنار کے مبارک بطن میں ایسے ایسے بیشمار دُرہائے شہوار اور لآلی آبدار بھرے پڑے ہیں جن تک نہ میری کوتاہ دستی کی رسائی ہوسکتی تھی اور نہ میری موجودہ کم بینی اور بے بصیرتی اُنکی معرفت اور جوہر شناسی کا کمال پیدا کرسکتی تھی۔ میں نے اس کے متعلق جو خدمات اس وقت تک انجام دیں وہ اتنی ہی خیال کیجائینگی کہ ایک ہموار سطح پر ایک عالیشان عمارت کے بنیادی خطوط ڈالدیے گئے ہیں۔ میرے بعد۔ مجھ سے قابل ذی لیاقت اور عالی حوصلہ حضرات اپنی اپنی ذی استعدادی اور کمالِ علمی کے اظہار کی غرض سے اِن خطوط پر عمدہ اور خوشنما عمارتیں اپنی تحقیقات۔ فکر۔ تدبیر اور تجویز سے وقتاً فوقتاً مرتّب اور تیّار فرماتے رہینگے جو تمام قوم و ملّت کی منفعت اور عام ممنونیت کا باعث ہوگا۔

کوآتھ ضلع آرہ

۱۶ر صفر المظفر ۱۳۲۹ہجری

المؤلف حقیر

سید اولاد حیدر بلگرامی

عفاہ اللہ الجامی

کتبخانہ وقف مدینہ میرٹھ

اللہ اکبر

بحر المبین فی تاریخ امیر المومنین ع

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین

ہم نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی مقدس سیرت کے متعلق تمام و کمال حالات روز ولادت سے لیکر یوم وفات تک لکھدیے ہیں۔ مگر با اینہمہ ہمکو اور ہمارے ناظرین کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری یہ مختصر تالیف ایسے معمولی شخص کی لائف نہیں ہے جسکے واقعات اور حالات لکھکر فوراً یہ تصفیہ کر دیا جائے کہ اُسکے تمام و کمال حالات یہی ہیں۔ اور اتنے ہی ہیں جو لکھے گئے۔

65642

حقیقت امر تو یہ ہے کہ اتنی طول و طویل تشریح کے ساتھ لکھکر بھی ہم اِس مقدس اور متبرک سیرت کے متعلق کچھ اعتقاد نہیں بلکہ یقیناً اسکی پوری تکمیل کا دعوےٰ نہیں کر سکتے ؎

ہفتاد و دو سال صرف کردم ۔ آخر
معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد

اس جامع الصفات بزرگ کے صرف اُن خطبات کی تشریح جو چار سالہ خلافت کے قلیل عرصہ میں ارشاد فرمائے گئے تھے فاضل معتزلی کے ایسے قابل شخص نے بیس۲۰ کامل جلدوں میں کی ہے تو اُسکے ذاتی حالات اور واقعات کی پوری تشریح اور کامل تفصیل کے لیے کتنی جلدیں کافی ہونگی۔

ہم اپنے موجودہ تمہیدی مضامین کو زیادہ طول نہیں دینگے اور ناظرین کتاب کو فوراً اطلاع دینگے کہ ہم اس کتاب کے موجودہ حصہ میں کیا بیان کرینگے ۔ وہ حالات اور واقعات جو زمانہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر جناب امیر المومنین علیہ السلام کے روز وفات تک آپکی سیرت سے متعلق تھے پہلے حصہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم آپکی چار سالہ حکومت کے تمام جزوی اور کلی واقعات اور حالات اپنے سلسلۂ بیان میں مندرج کرتے

ہیں۔ اور اِس کے ضمن میں جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے نظامِ حکومت۔ احکامِ سیاست اور آئینِ جہانداری کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں جو کافی طور سے تمدّن و سیاستِ مُلکی کے متعلق خلافتِ مرتضوی کی تمام خوبیوں کو آئینہ کی طرح ظاہر کر دینگے۔

چونکہ ہمارے اس حصّہ کی اغراضِ تالیف خاصکر آپ کے نظامِ ملکی ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اِس لئے ہمنے اِس کے ہر ہر صیغہ کو اُس کی پوری ماہیت اور کیفیت کے ساتھ علیٰحدہ علیٰحدہ اور جُدا جُدا لکھا ہے اور اِن امور کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ہم نے کافی شہادتوں کے معتبر اور مستند ذریعوں سے یہ امر اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی چار سالہ حکومت اُن آسمانی سلطنتوں کی پوری پوری نمونہ تھی جنکی بشارت تمام آسمانی کتابوں میں نہایت کثرت اور خصوصیت کے ساتھ درج ہے۔ زمانہ کے ناشنوا اور نابینا طبیعت داروں نے نہ آپ سے پہلے اِس کی متابعت اور پیروی پر اتفاق کیا تھا اور اِس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ نہ خاص آپ کے زمانہ میں۔

نظامِ حکومت کے بعد ہم نے آپ کے احکامِ ہدایت۔ تعلیم و ارشاد کے حالات تحریر کئے ہیں۔ اِسکے ضمن میں ہم نے آپکے وہ ارشاد و خطبات درج کئے ہیں اور وہ اقوالِ عدیم المثال ضبطِ تحریر میں لائے ہیں جن کے حرف حرف اور لفظ لفظ سے آپکی حکمت۔ علمیّت اور جامعیّت کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔ اور اِس کے علاوہ یہ امر بھی تحقیق ہو جاتا ہے کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے ایّام کو باوجود قلّتِ وقت اور خوفناک پراشوبی کے بھی نہ صرف نظامِ مُلکی کی تدبیروں میں صرف کیا ہے۔ بلکہ اِس ضیق النفسی کی حالتوں میں بھی آپنے عام طور سے تمام اہلِ اسلام کو جمیع علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اُن کو کافی تعلیم دینے کی پوری کوشش کی ہے۔

احکام کے بعد ہم نے آپ کے محاسنِ اخلاق۔ طرزِ معاشرت اور محامد عادات کو پوری تفصیل سے لکھا ہے اور تاریخ کے معتبر اور مستند مشاہد سے اِن کے پورے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔

ہماری موجودہ جلد کی اجمالی فہرست یہی ہے جسکو ہم نے اپنے اصل مدّعا سے پہلے بیان کر دیا۔ اب ہم تمہیدی مضامین کو ختم کر کے کتاب کے اصل مدّعا کی طرف توجّہ کرتے ہیں۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی خاص خلافت کا زمانہ۔ آپکے مُلکی اور مالی انتظامات فوج اور لشکر کے متعلق احکام۔ خراج اور صدقات اور دیگر پولیٹیکل تعلقات کے مفصّل بیانات

عرب میں قدیم سے دستورِ حکومت کیا تھا؟ قبل اِس کے کہ ہم خلافتِ مرتضوی کے حالات بیان کریں ہمارے لئے ضرور ہے کہ ہم اپنے سلسلۂ بیان میں پہلے یہ امر دکھلا دیں کہ جزیرہ نمائے عرب میں قدیم سے

سلطنت کرنے کا کیا دستور اور کیا طریقہ قائم تھا۔

اِس میں شک نہیں کہ اسلام کے پہلے عرب میں شخصی سلطنت کا رواج تھا۔ اور یہ اختیار اسقدر رواج پا گیا تھا کہ اسکا اثر ملک کے ہر قوم اور قبیلے پر پورے طور سے پڑ چکا تھا اور ہر شخصِ واحد اپنے قبیلے اور اپنی قوم پر پوری قوت رکھتا تھا اور اُس کا حکمراں کہلاتا جاتا تھا۔ عرب میں عموماً شخصی قوت و اقتدار تسلیم کئے جاتے تھے اور ہر شخص اسی کا مطیع و منقاد تھا۔

عرب میں جمہوری انتظام ۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات تک شخصی اقتدار قائم تھا۔ مگر آپ کے بعد خلافت کے جدید مدبروں نے نظام مُلکی کی صورت بدل ڈالی۔ خلافتِ اولیٰ کے انعقاد کے وقت جمہور یا اجماع جو کچھ ہو۔ اُسکی تھوڑی بہت ہیئت ضرور قائم ہوئی۔ مگر ڈھائی برس کے بعد ہی خود خلیفۂ اوّل نے اپنا قائم مقام تجویز کرنے کے مسئلہ میں اجماع کی قیود کو توڑ ڈالا۔ اور اپنے شخصی اختیار سے حضرت عمر کو اپنا قائمُ مقام تجویز فرمایا۔ خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں اِس اجماعِ عامّہ کا اختصار چھ مخصوص شخصوں کے انحصار پر محدود کر دیا گیا۔ خلافتِ ثالثہ میں خلیفۂ عصر نے اسکی طرف توجہ نہیں کی۔ یا اُن کو اس کی مہلت ہی نہ ملی۔ اُن کے زمانۂ سلطنت میں مروان ابن الحکم کے شخصی اختیار نے جمہور کی آزادی کو چھین لیا۔ اُن کے خود غرض نظامِ ملکی نے شخصی اور جمہوری دونوں صورتوں کو بگاڑ کر طائف الملوکی کی نازیبا بنیاد حدودِ خلافت میں قائم کر دی۔

سلطنتِ علیؑ کے وقت مُلک کا حال ۔ بدامنی اور پُر آشوبی کی خاص حالتوں میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کو خلافت ملی۔ آپ کی تخت نشینی عین اُسوقت واقع ہوئی جب ممالکِ اسلامی میں عموماً غدر مچا ہوا تھا۔ دارالخلافت تو کئی مہینے پہلے سے باغیوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ یہ غدر ایسا نہیں تھا کہ آپ کی تخت نشینی کی وجہ سے واقع ہوا ہو۔ بلکہ یہ غدر وہی غدر تھا جو پانچ برس پہلے سے تمام ممالکِ محروسہ میں عالمگیر ہو رہا تھا۔

اس غدر کے لئے امیرالمؤمنین جوابدہ نہیں ہوسکتے ۔ خلافتِ ثالثہ میں مروان کے ہاتھوں نظام مُلکی کی کیفیت بالکل دگرگوں ہو گئی تھی۔ اُن کی وزارت کے اخیر زمانہ میں تو ملک کے ہر ہر گوشہ سے عموماً غدر اور فتنہ و فساد کی صدائیں آنے لگی تھیں۔ چاروں طرف سے فتنہ و فساد کے سر بفلک طوفان اُٹھ رہے تھے۔ خلافت کے تمام امور ضعیف ہو چکے تھے۔ یہ تمام امور مروان کی خود غرضی۔ کج فہمی اور ناعاقبت اندیشی کر رہی تھی۔ عین اسی حالت میں خلافت مرتضویؑ کا انعقاد ہوا۔ یہ تمامی امور ایسے کے ایسے ہی تھے۔ ایسا نہیں ہوا کہ خلافتِ رابعہ کے قائم ہونے کے وقت اِن امور میں کوئی اصلاح قائم ہو چکی ہو۔ پھر بار دیگر آپ کے زمانہ سے اِن ہنگاموں کی شورش ہوئی۔

ہماری کتاب کے ناظرین سمجھ چکے ہیں کہ اِن سے پہلے دو خلافتوں کو وقت خلیفہ کے انتخاب یا انعقاد کے موقعوں پر تمام اسلامی دنیا میں امن قائم تھا۔ کہیں سے بھی بغاوت اور سرکشی کی آواز نہیں آتی تھی مگر جب حضرت علیؑ خلیفہ بنائے گئے اور ظاہری طور پر آپ کی خلافت تسلیم کی گئی تو تمام ملک میں بغاوت سرکشی اور پُر آشوبی کی بلا پھیلی ہوئی تھی اور قیامت میں قیامت یہ تھی کہ اِس وقت ہر شخص اپنے آپ کو ممالک اسلامی کا خلیفہ سمجھ رہا تھا اور اپنے استحقاق

عرب میں جمہوری انتظام

سلطنت علیؑ کے وقت ملک کا حال

اس غدر کے لئے امیرالمومنینؑ جوابدہ نہیں ہوسکتے

دکھلا رہا تھا۔ اور اُسکی تاک میں لگا تھا۔ غرض ایک خلافت تھی اور متعدد خواستگار۔ طلحہ اگر کوفہ کے خواہاں تھے تو زبیر بصرہ کے۔ عبداللہ ابنِ ابی سرح کو اگر مصر کی تلاش تھی تو معاویہ ابن ابوسفیان کو ملک شام کی فکر۔ اگر اِس زمانہ کی پُرآشوب حالتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جنابِ امیر علیہ السّلام کی کُل چار سالہ خلافت کا زمانہ صرف اِس فتنہ اور اِس فساد کے فرو کرنیکے لیے بھی کافی نہیں تھا، دوسرے ملکی امور کی طرف توجہ کی جاتی تو کیسے؟

جنابِ امیر علیہ السّلام نے خلافت کیسے قبول کی:۔ یہ تو معلوم ہے کہ اِسی غدر اور فساد کے ہاتھوں خلیفہ ثالث کی وفات واقع ہوئی۔ اِنکے مرنے سے تین روز بعد جب خلافت کا مسئلہ پھر تازہ کیا گیا تو مشورے ہوئے اور اِس امر پر اتفاق کیا گیا کہ اِس وقت جمعیتِ اسلام میں جنابِ علی مرتضٰے علیہ السّلام کے سوا کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جو امرِ خلافت کے قابل سمجھا جائے۔ اِسکے بعد تمام اہلِ شورٰے آپکے پاس جمع ہو گئے اور قبولِ خلافت کے لیے آپ سے استدعا کی۔ اِن میں اور امیر المؤمنین میں جو گفتگو پیش آئی۔ اُن کا اصرار اور آپکا انکار۔ غرض جو کچھ واقع ہوا اُسکو ہم نہایت تفصیل کے ساتھ پہلی جلد میں لکھ چکے ہیں۔ اتنا سمجھ لینے کے لیے کافی ہے کہ جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام نے اُس وقت تک امرِ خلافت کو قبول نہیں فرمایا۔ جبتک عمائد اور اکابرِ اسلام۔ خصوصًا وہ حضرات جو اِس منصب کے مستحق ہونیکا خیال رکھتے تھے۔ آپ کی بیعت میں شریک نہ ہو لیے۔

اس امر کے طے ہو جانیکے بعد امیر المؤمنین علیہ السّلام نے زمانہ کی موجودہ رفتار پر غور کی نظر ڈالکر تمام حاضرین کے سامنے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ دیکھو میں تمہارا حاکم تو بن گیا مگر اُسی وقت تک جب تک تم میرے محکوم رہوگے اور میرا حکم مانوگے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ میں تمہارا حکم مانوں۔ مگر ہاں میں تمہارے ساتھ سوائے منفعت اور اصلاح کے کوئی مضرت یا بُرائی نہیں کرنیوالا۔ جب تک تم میری اطاعت میں سرگرم اور مستعد رہوگے میں تمہارا حاکم بھی رہونگا اور امیر بھی۔ لیکن جس وقت تم مجھ سے اختلاف اختیار کروگے اور میری اطاعت سے نکل جاؤگے تو میں بھی تم سے دست بردار ہو جاؤنگا۔[1]

خلافتِ علیؑ میں مخالفوں کی شورشیں:۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو خلافت ملتے ہی عراق اور شام کی مخالفتوں نے یکے بعد دیگرے گھیر لیا۔ اور ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ہی سے عراق کی بغاوت کے دروازے کھُل گئے۔ ہم ان بغاوتوں پر کوئی تفصیلی رائے زنی نہیں کرینگے۔ صرف اپنے سلسلۂ بیان کے قائم رکھنے کی ضرورت سے عراق اور شام کی موجودہ بغاوتوں کی اجمالی کیفیت نہایت اختصار سے درج کرینگے۔

بہرحال۔ امارتِ کوفہ و بصرہ نہ ملنے کی وجہ سے حضراتِ طلحہ و زبیر مدینہ سے اُٹھکر مکہ پہنچے۔ ان کا مکہ پہنچنا تھا کہ کوفہ بصرہ اور یمن میں سازشیں شروع ہو گئیں۔ عبداللہ بن عامر۔ طلحہ ابن عبداللہ۔ زبیر ابن العوام۔ حضرت عائشہ۔ عبداللہ مخزومی۔ سعید ابن العاص۔ مغیرہ ابن شعبہ اور مروان الحکم۔ یہ سب کے سب ایک بار خود مختار ہو گئے۔ یہ معلوم ہوا کہ شاید انکا تختِ خلافت پر بیٹھنا اِن لوگوں کو ایسا ناگوار گزرا کہ وہ ان کو ایک ساعت بھی ٹھنڈی آنکھوں سے

---

[1] ابو الفدا۔ طبری جلد چہارم ۱۲

دیکھنا گوارا نہ کرسکے۔

جنگ جمل میں امیر المؤمنین کی کیا غرض تھی؟

ان لوگوں نے ایک مہینہ میں تیرہ ہزار کی جمعیّت تیار کرلی اور بصرہ پہنچتے پہنچتے اُنکی جماعت تیس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے یہ خبر پاکر خاموش رہجانا۔ اپنی مدبّرانہ بیدار مغزی کے خلاف سمجھا اور چھ سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ عراق کا رُخ کیا۔ واقعات کافی طور سے بتلارہے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کا قصد اِن خانہ جنگیوں سے یہ نہیں تھا کہ مسلمان مارے جائیں اور آپس میں کشت وخون کا دریا موجزن ہو۔ آپکی غرض صرف اُنکی فہمائش تھی۔ وہ نہ مانے اور مقابلہ کی نوبت آہی گئی تو آپ کے لیے انکی مدافعت ضروری ہوگئی۔ اِن مجبوریوں نے حریف کا جواب دلوایا۔ ورنہ امیر المؤمنین کی نیت کبھی نہیں تھی کہ آپس میں دست بقبضہ ہونے کی نوبت آئے۔

جنگ جمل میں خونریزی سے انتہائی احتیاط

اب یہ بھی دیکھ لینا ضروری ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے کس حالت میں اُنپر ہاتھ اُٹھایا جب اُن کے مُنہ پر تلواریں کھینچی گئیں تو اُنکے معاملات کہاں تک پہنچ چکے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے جیسا کہ تاریخی واقعات سے بکمال وضاحت ثابت ہورہا ہے پہلے خود خط لکھ لکھ کر اُنکو سمجھانا اور اُنکو راہِ راست پر لانا چاہا جو مفید کار نہ ہوا پھر اپنے معتمدین کو سفارت کے طور پر بھیجا۔ کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ انکے بعد بیواسطہ اور غیر سرکاری لوگ جیسے قعقاع وغیرہ۔ فیمابین مصالحت کرادینے پر مستعد ہوئے۔ مگر بیکار اور ناکامیاب رہے۔ اِن سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عراق کی طرف سے امیر المؤمنین کی جمعیّت پر حملہ ہو ہی گیا۔ اب آپ نے سمجھ لیا کہ یہ امر ہاتھ سے باہر ہوگیا اور اِس میں ہماری آیندہ خاموشی اور سکوت ہمارے رفقا کی غریب جانوں کے ضائع ہونیکی اصلی باعث قائم ہوں گے بصرہ میں فساد ہوچکے۔ حکیم۔ اِسکے بیٹے اور بھائی کا قتلِ عام ہوچکا۔ تمام قبیلہ خزاعی تباہ وبرباد کرڈالا گیا دارالخلافت اور بیت المال بصرہ کا لُٹ چکا۔ عثمان ابنِ حنیف انصاری موجودہ عاملِ بصرہ کی دُرگت بن چکی مگر ابھی تک امیر المؤمنین خاموش بیٹھے رہے۔ عین مقابلہ کے وقت بھی جب مسلم ابنِ عبداللہ بدیل ابنِ ورقہ خزاعی اور اُنکے بھائیوں کا خون ہوچکا۔ تب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے ان کی مدافعت میں دست بہ قبضہ ہونیکا حکم دیا۔

اہل شام کی بد سلوکیاں

شام کی بغاوت:۔ یہ تو جمل کے واقعات تھے صفین کے حالات یہ ہیں۔ امیر المؤمنین نے اہلِ شام کے موعظت اور ہدایت کی کوششوں میں بھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ خط پر خط لکھے اور وفد پر وفد بھیجے مگر سب بیکار اور بے سود۔ اہلِ کمیشن یا وفد والوں کی آخر یہ نوبت پہنچی کہ یہ لوگ نہایت ذلّت اور حقارت کے ساتھ دربار شام سے نکلوا دیے گئے۔ دریاے فرات پر قبضہ کرنیکے لیے فیمابین جو کچھ واقع ہوا اُس سے بھی اہل شام کی کمظرفی۔ بیدردی اور کج خلقی کے پورے ثبوت ہوتے ہیں۔ جب اِن امور کی حالت بھی دست اختیار سے باہر ہوتے دیکھ لی تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے اِن کے مقابلے کا قصد فرمایا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

ان مخالفتوں کا سلسلہ آپ کی شروعِ سلطنت سے قائم ہوا اور آخر سلطنت تک برابر قائم رہا۔ معاملاتِ تحکیم کے بعد بھی ۳۹ھ سے ۴۰ھ تک معاویہ کی تحریک سے۔ عراق۔ حجاز۔ یمن۔ غرض چاروں طرف ملک میں مختلف لوگوں کے ذریعہ سے تاخت ہوتی رہی، مگر جیساکہ ہم اسکی پہلی جلد میں لکھ چکے ہیں امیر المومنین علیہ السّلام نے ان تمام شورشوں کا نہایت استقلال اور پاداری سے جواب دے دیا۔ اور ان میں سے کسی ایک میں اپنے مخالف کو کامیابی کا موقع نہ ملنے دیا۔

امیر المومنین ع کا استقلال

بلکہ مخالفین کی اُمید کے خلاف ان تمام فسادات کا معقول انتظام فرمایا اور ہر مقام کی پوری خبر لی اور کبھی ان لُٹیروں اور باغیوں کو کسی علاقہ پر متصرف نہ ہونے دیا۔ جہاں وہ پہنچے اُن کی وہیں خبر لے لی گئی اور پھر ایسی کہ آیندہ وہاں ٹھیرنا کیسا دم لینا دشوار ہو گیا۔ حقیقت میں یہ جنابِ امیر ع کا استقلال تھا اور آپ ہی کا کام کہ مخالفین کا انسداد بھی فرمایا اور ملک کو آباد بھی رکھا نہ رعایا کو ایذا ہوئی نہ پریشانی

امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کی اجمالی صورت یہی تھی جو بیان کی گئی اور تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی روزِ اوّل سے لیکر آخر دن تک آپ کو جن جن مصیبتوں اور دشواریوں سے برابر سامنا ہوتا گیا وہ یہی تھیں۔ جن کا خلاصہ نہایت اختصار کے ساتھ اوپر درج کیا گیا۔ جن کا آپ کے نظامِ ملکی سے پہلے لکھدینا ہمارے لئے اس وجہ سے ضروری تھا کہ اِن مضامین اور حالات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السّلام کس حالت مین ممالکِ اسلامی کے خلیفہ تسلیم کئے گئے۔ اُسوقت مُلک کی عموماً اندرونی کیفیت کیا تھی اور مُلکی رعایا مین اپنے فرمانروا کی متابعت اور فرمانبرداری کے کتنے مادّے موجود تھے۔

ایسے انتشار اور افکار مین ہمہ دم گرفتار رہنے والے کو اِن مخالفتوں کی اصلاح کے بعد اتنی فرصت کہاں تھی جو مُلک کے زوائد انتظامات کی طرف متوجہ ہوتا۔ امیر المومنین علیہ السلام کو ان امور کے قائم کرنے کا تو کجا انکی نسبت غور کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔

حضرت عمر کی خلافت کا مقابلہ:۔ ایسی حالت مین خلافتِ علیؑ پر پولیٹکل نظر ڈالنے والے اس مین بھی وہی امور ڈھونڈھیں جو حضرت عمر کی خلافت مین واقع ہوئے تو کہاں سے ملینگے۔ اِس تلاش سے پہلے اگر واقعی وہ تاریخی مضامین سے کوئی دلچسپی رکھتے ہین تو اُن کو لازم ہے کہ پہلے دونوں خلافتون کے تمام حالات مین مساوات قائم ہونا ثابت کرلیں جب دونوں خلافتوں کے جزوی اور کُلّی۔ اندرونی اور بیرونی حالات کی مساوات ثابت کرلین گے تو اُن کا یہ تجسس اور تفحص ضرور جائز ہو سکتا ہے۔ اور جب حالتین ایک دوسری سے برعکس۔ مخالف اور دگرگوں ثابت ہوتی ہیں تو ایک کی حالت کو دوسرے کی حالت سے خواہ مخواہ مساوی کہنا۔ اور ایک ہی انداز دونون مین تلاش کرنا شعارِ عقل اور قرینِ انصاف نہیں کہا جاسکتا۔

خلافت ثانیہ اور خلافت رابعہ کا مقابلہ

ہم نے اِن دونوں خلافتوں کے احوال پر جہانتک غور اور تلاش کی نظر ڈالی ہے ہم کو پورے طور سے یہ امر ثابت ہوا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ کی مُلکی توسیعات اور فتوحاتی اضافات اُن کے تدبر اور سیاستون کو اعلیٰ پیمانوں پر

ظاہر کرتی ہیں۔ مگر اُنکے مُلکی اضافات کے مقابلہ میں جناب علی علیہ السّلام کے استقلال اور اثبات اور چاروں طرف سے غدر اور پُرآشوبی کی ایسی حالتوں میں آپکی استقامت اور پاداری اور مُلکی رعایا کی حفاظت اور نگہداری مدبرّانِ زمانہ کی نگاہوں میں اُن مُلکی اضافات اور فتوحاتی توسیعات سے وقعت اور قدر میں کسی طرح کم نہیں سمجھی جاسکتی۔

امیرالمومنینؑ کا بنظر استقلال

خلافت علیؑ میں سب سے بڑی اور ضروری بات جو عموماً غور کرنیکے قابل ہے وہ یہ ہی کہ جس زمانہ میں خلافت کے انتظام حضرت علی مرتضےٰ علیہ السّلام کو سپرد کیے گئے تھے۔ وہ فساد۔ فتنہ۔ سرکشی اور غدر سے بھرا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں اِس خلافت سے اضافات یا توسیعات کی امید رکھنا تو سراسر جہالت اور خلاف عدالت ہے شاید کوئی مدبّرِ مُلکی کبھی سوتے جاگتے بھی ایسی امیدوں کا خیال نہیں کرتا ہوگا اور حقیقت میں یہ اضافات و توسیعات۔ اِس وقت خلافتِ مرتضوی کے منصبی خدمات بھی نہیں بتلائے جاسکتے اور نہ کوئی صاحب تدبر آپکی خلافت کو اِن امور کی تعمیل پر مجبور کہہ سکتا ہے۔ اِس خلافت کے جو فرائض و خدمات۔ ضرورتِ مُلکی اور تحفّظِ رعایا کے اعتبار سے ضروری اور لازمی تھے وہ نہایت استقلال اور بیدار مغزی سے تمام و کمال ادا کیے گئے۔

خلافت مرتضوی کا فرض

ایسی عام پُرآشوبی اور فتنہ و فساد کے زمانے میں فتوحاتی اضافات کی خدمات۔ خلافتِ مرتضوی کے فرائض نہیں تھے۔ اُس کے لئے خدمات ملک اور رعایا کے منافع اور فوائد کے لیے ضروری اور مفید تھیں۔ وہ عام شورشوں کا کامل استیصال متمرّد و باغیون۔ خودسر سرکشوں کے مخالفانہ اور باغیانہ حملات کی مدافعت اور حتی الامکان ملک اور رعایا کے تحفّظ اور اطمینان کے سوا اور کچھ نہیں تھیں جسکو اِس خلافت نے اپنے عدیم المثال استقلال سے تعمیل کی تکمیل تک ایسا پہنچایا کہ آج اسکی مثال دنیا کے کارناموں میں بہت کم پائی جاتی ہے ؎

حضرت عمرؓ کے زمانہ کا اطمینان اور حضرت علیؑ کے زمانہ کا انتشار

اب خلافتِ مرتضویؑ کے پُرآشوب زمانہ کو حضرت عمر کے مطمئن اور خاموش ایام حکومت سے مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ جو دقتیں مصیبتیں اور مشکلیں حضرت علیؑ کو اپنے ہی مُلک میں اپنی ہی رعایا سے دن رات پیش تھیں اُن میں سے ایک بھی حضرت عمر کے پیشِ نظر نہیں تھی۔ حضرت علیؑ کے زمانہ میں تمام غدر تھا اور فساد۔ حضرت عمر کے وقت میں تمام امن تھا اور اطمینان۔ اُن کے زمانہ میں عمائد سے لیکر عوام تک تمام رعایا کا طبقہ خلافت کا مطیع تھا اور جاں نثار۔ انکے وقت میں رعایا میں قوم کی قوم۔ قبیلہ کا قبیلہ۔ بلکہ ان کا ہر ہر بچّہ باغی تھا اور سرکش۔ آمادۂ پیکار۔ اور خلافت سے مقابلہ پر تیاّر۔ خلیفۂ ثانی کے عہد میں عمائد اور تمام اکابر اپنے آپ کو خلافت کا خیرخواہ اور جاں نثار رعایا سمجھتے تھے۔ خلیفۂ چہارم کے وقت میں تمام مہاجرین و انصار جو ارکین اور خلافت کے بازوئے یمین تھے خلافت کی اطاعت اور اُسکے تمام حقوق سے دست بردار ہو کر خود مختار ہو رہے تھے اور نہ اِس دست برداری اور خود مُختاری ہی پر موقوف نہیں تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو امرِ خلافت کے لیے پورے طور سے مستحق اور سزاوار سمجھکر اُس کی کھُلے کھُلے امیدوار تھے۔ خلافتِ ثانیہ میں رعایا خلیفہ کی انتہاے متابعت کے اظہار کے لیے اُسکے حکم کی منتظر رہتی تھی خلافتِ رابعہ میں حکم کا انتظار کیسا اور اُسکے فرمان کی تعمیل اور اپنی متابعت کے اظہار کہاں۔ جو تھا وہ خود

خلیفہ کی جان لینے کی گھات میں تھا۔ اور خلافت کی تاک میں۔

ان معاملات کو پڑھکر اور دریافت کرکے ہر شخص دونوں خلافتوں کی ضروریات اور اُنکی منصبی خدمات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے مگر ہم اسکے ساتھہی اتنا ضروری بیان کرنیکے لیے کبھی ملزم نہیں ہوسکتے کہ حضرت عمر کی فتوحاتی توسیعات سے حضرت علی علیہ السلام کے استقلال اور مردانہ پائداری آپ کی رعایا کی حفاظت اور نگہداری اور تمام حفاظتِ خود اختیاری کی کوششیں دشوارتر۔ زیادہ گرانقدر اور زیادہ قابل اور وقعت کے لائق ہیں۔

جن لوگوں کے دستِ اختیار میں مُلکی کاروبار رہتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ملکی معاملات کی پیچیدگیوں میں کسی بیرونی اُلجھاوے کا تصفیہ ایسا دشوار نہیں ہوتا جیسے اندرونی مخالفات اور خانگی معاملات کا۔ باہر کا وار پردہ کی چوٹ سے کہیں آسان ہوتا ہے اور سامنے کا نشانہ پہلو کے وار سے کہیں سہل سمجھا جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے جمل و صفین یا اِسکے ایسی دوسری تمام شورشوں کی مدافعت میں جو حقیقتاً پردہ کی چوٹیں اور پہلو کے وار تھے۔ جو کوششیں جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئیں وہ حضرت عمر کی فرستادہ فوج کی اُن جانفشانیوں سے عزت اور وقعت میں ضرور بڑھی ہوئی تھیں جنکو اُنہوں نے عراق۔ فارس اور روم کے مختلف معرکوں میں دکھلایا تھا۔

جس طرح زمانہ بدلتا رہتا ہے اُسی طرح اسکی ضرورتیں بھی متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ ہمکو روزانہ تجربہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ جس شے کی ضرورت ہمکو کل درپیش تھی آج اُسکی جگہ ہم کو ایک نئی چیز کی ایسی حاجت محسوس ہو رہی ہے جسکے ضروری ہونیکا کل تک ہمکو ذرا خیال بھی نہ تھا۔ انہی روزانہ تغیر و تبدل سے ہم بڑے بڑے مُلکی تغیرات اور اُن کی ضروریات بھی معلوم کرسکتے ہیں ہم کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب ہمارے ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں میں اور تھوڑی تھوڑی ضرورتوں میں روزانہ تغیر ہوتا رہتا ہے تو بڑی بڑی سلطنتوں اور عظیم الشان مملکتوں میں روزانہ کتنے کتنے اور کیسے کیسے تغیر ہوتے رہتے ہونگے۔

خلافتِ مرتضوی کے تغیر و تبدل اِس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتے تھے کہ ملک کی اندرونی مخالفات کی شورشوں اور خانگی مناقشات کی گرم جوشیوں سے بیخبر اور بے پرواہوکر بیرونی معاملات کی طرف توجہ کیجائے۔ اِن امور کی سعی اُس وقت میں بالکل بیکار تھی۔ اِس سے ملک کو ہرگز فائدہ نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اور سخت نقصان پہنچنے کا پورا یقین تھا۔ کیونکہ اگر یہی فوجیں جو مُلکی بغاوتوں اور شورشوں کی روک تھام کر رہی تھیں اور مختلف مقامات پر فتنہ و فساد کو رفع کرکے امن و امان قائم کر رہی تھیں۔ فتوحاتِ مُلکی کی غرض سے دور دور ملکوں میں بھیجدی جاتیں تو اُن مقامات کے فتح کرنے سے پہلے اپنا ہی ملک ہاتھ سے جاتا رہتا اور اپنے پہلو کے دشمن اور گھر کے باغی اور برہمزن جو پہلے سے اِسی تاک میں تھے میدان خالی پاکر نکل پڑتے تو اُس وقت کیا ہوتا۔ فوج تو باہر تھی۔ مقابلہ ہوتا تو کیسے بنتی نتیجہ یہ ہوتا کہ غنیم جی بھر بھر کر لوٹتا۔ مارتا اور کھڑے کھڑے مُلک خالی کرالیتا۔

خلافتِ چہارم کے لیے اِس وقت میں خانگی مخالفت کی مدافعت اور عام فتنہ و فساد کا انسداد ہی ضروری تھا۔ اور اِن میں جو کوششیں کی گئیں اور جیسی جیسی جانفشانیاں عمل میں لائی گئیں وہ وقعت۔ عزت اور قدر میں کبھی

بیرونی فتوحات کے بجائے اندرونی دفعیات خلافت مرتضوی کیلئے نہایت ضروری تھے

فتوحاتی خدمات سے کم نہیں ہو سکتیں۔ خلافتِ مرتضویؑ میں بڑی بڑی فتوحات کا نہ ہونا۔ اُسکی فروگزاشت اور سہل انگاری اور بے پروائی یا غفلت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ضرورتِ زمانہ کے اعتبار سے فتوحاتی خدمات اِس خلافت کے لیے خصوصًا اُس وقت ایسی ضرور نہیں تھیں۔ ہم خلافتِ علیؑ پر غفلت اور بیخبری کا اُس وقت الزام لگاتے جب ہم دیکھ لیتے کہ فتوحات کا زمانہ آ گیا۔ اِسکی ضرورتیں محسوس ہونے لگیں۔ ملک میں امن ہے۔ رعایا مطیع۔ فرمانبردار اور لشکر جاں نثاری پر مستعد اور تیار ہے۔ اِن تمام آسانی اور اطمینان کے سامان فراہم ہونے پر بھی فرمانروائے خلافت ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموش بیٹھا ہے اور حدودِ سلطنت کو ایک اِنچ آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ تو ایسی حالت میں ضرور اُسکو غافل اور لاپروا بھی کہتے۔ اور اُسپر غفلت اور لاپروائی کا الزام بھی لگاتے۔

مگر یہاں تو زمانہ کا زمانہ اُلٹا تھا۔ خلافت کا اصل مجسّمہ اپنے ضعف اور اضمحلال کی وجہ سے بالکل کمزور اور بیکار ہو جانیکے قریب پہنچا ہوا تھا۔ اُس کے تمام اندرونی اور بیرونی اعضا قابو سے بے قابو اور اختیار سے بے اختیار ہو رہے تھے۔ اپنا آپ سنبھالنا دشوار تھا۔ گھر سے ایک قدم باہر رکھنے کی صلاحیت تو باقی ہی نہیں تھی۔ دور و دراز ملکوں میں یلغار کرنے کی رفتار کہاں سے پیدا کیجا سکتی تھی۔ اندرونی کمزوریوں نے ضعیف سے ضعیف حریف کو قوی سے قوی دشمن بنا رکھا تھا۔ اور پھر ایسا لاگو جو ہر وقت پیچھے لگا ہے۔ ممکن نہیں کہ اُسکے ہر وقت کے حملات سے ایک لمحہ کے لیے بھی اطمینان ملے۔ آنکھ جھپکی اور وہ سر پر موجود۔ نظر چوکی اور وہ جان لینے اور گردن کاٹنے پر تیار۔ جب عام طور سے تمام ملک کی یہ صورت ہو اور مُلکی فرمانروا کی جان اس کشمکش میں پھنسی ہو تو پھر اُسکو اتنی فرصت کہاں سے ہو سکتی ہے جو وہ بیرونی معاملات اور دوسرے کاروبار کی طرف کوئی خاص توجہ کر سکتا ہو۔

اب اِن دشواریوں کے بالکل برعکس۔ خلافتِ مرتضویؑ کے محاسن اور خوبیوں پر انصاف اور تحقیق کی گہری نظر ڈالی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ باوجود ہر دم کے انتشار۔ ہر وقت کے اضطرار اور شبانہ روز کے فکر و افکار کے بھی۔ اِس خلافت نے اپنے کمال استقلال اور پاداری سے۔ جہانبانی اور ملکداری کے تمام فرائض ادا کیے اور حسن و خوبی اور خوش اسلوبی سے پُر آشوبی اور عام فتنہ و فساد کی مدافعت۔ رعایا کی نگہداری۔ اُنکے مال و متاع کی محافظت کی ضروری خدمات انجام دیں وہ اپنی آپ مثال ثابت ہوتے ہیں اور دنیا کے تمام کارناموں میں استقلال اور پاداری کی لاجواب اور عدیم النظیر واقعات قائم کر کے آیندہ فرمانروایانِ مُلکی کے لیے ایک نہایت گرانبہا اور مفید دستور العمل یادگار چھوڑتے ہیں۔

اسلامی تاریخوں کی دیکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی ایسی ضیق النفسی کے عالم میں بھی نظامِ ملکی کے متعلق تمام جزوی اور کُلّی فرائض اُسی اطمینان اور استقلال سے ادا کیے جس طرح ایک مطمئن اور فارغ البال فرمانروا اپنے پورے اطمینان اور فراغت کے زمانہ میں انجام کرتا ہے جیسا کہ بہت جلد آپ کے نظامِ مُلکی کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی عدیم الفرصتی کے زمانہ میں بھی جیسا کہ تاریخی مشاہدے ثابت کر رہے ہیں۔ امیر المومنین ع نے مُلکی انتظام کی طرف پوری توجہ کی۔ یہ نہیں ہوا کہ کسی مقام کی رعایا نے کسی امر کی شکایت کی اور امیر المومنینؑ نے عدیم الفرصتی کا عُذر دکھلا کر اور قلتِ وقتی کے سبب سے اُسکی طرف کوئی خیال نہیں کیا۔ بخلاف اسکے ایک نہیں تو

خلافتِ مرتضویؑ کی خدمت

واقعات ایسے موجود ہیں۔ جو ہمیں صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اگرچہ امیر المؤمنین کو ان تردّدات سے ایک لحظہ بھی فرصت نہیں تھی۔ مگر جب کبھی رعایا کی شکایت عمّال کی شقاوت یا اہلِ لشکر کی بے اعتدالیوں اور زبردستیوں کی کیسی ہی خبر آپکے کانوں تک پہنچی۔ آپنے فوراً اپنے موجودہ کاروبار اور پیش اُفتادہ ضرورتوں سے دست بردار ہوکر اُنکی رفع شکایت اور اصلاحِ معاملات کی طرف پوری توجہ فرمائی۔ اور اُنکی دلجمعی اور اطمینان کے دلخواہ انتظام فرمادیئے۔

خلافتِ مرتضویؑ کے اِن محاسن کے متعلق جو اوپر بیان کیے گئے ہم کو کوئی خصوصیت یا ندرت کا دعوےٰ نہیں ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام امور وہی ہیں اور ویسے ہی ہیں جو عموماً دنیا کے تمام فرمانروایانِ مُلکی کے فرائض ہوا کرتے ہیں۔ فرق ہے تو اِس قدر کہ ایک فرمانروا نے اِنکو اطمینان سے اور کافی وقت میں انجام دیا۔ اور امیر المؤمنین نے عدیم الفرصتی اور ضیق النفسی کی عین حالتوں میں اِس واسطے آپ کے محاسنِ خدمات زیادہ وقعت کے قابل ہیں۔ مگر با اینہمہ ہم اِن محاسنِ خدمات کی کوئی خصوصیت اور نوعیت نہیں قائم کرسکتے۔ آپ کی خلافت یا اُسکے نظامِ حکومت میں جو نوعیت اور نُدرت ہے وہ ابھی تک عام نگاہوں سے کسی قدر پوشیدہ ہے اور امورِ مُلکی کے ساتھ کوئی مخصوص تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے اِسپر تاریخ دیکھنے والوں اور واقعات پڑھنے والوں کی نگاہیں کم پڑتی ہیں۔ آپکے نظامِ حکومت کی یہ نوعیّت دوسری مُلکی ضروریات سے بالکل علٰحدہ ہے اور اُسکا تعلّق پورے طور سے آپ ہی کی ذاتِ مجمع الصفات کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اُسکی تعمیل اور انجام دہی نہ کسی مالی افسر کے متعلّق ہے اور نہ کسی مُلکی عہدہ دار کے سپرد۔ نہ کوئی فوجی معتمد علیہ اُسکو انجام دے سکتا ہے اور نہ کوئی مُلکی مامور الخدمت۔ اب وہ مخصوص مُلکی خدمت کیا ہے؟ وہ خلافتِ مرتضویؑ کے نظامِ حکومت میں صیغہ ارشاد و ہدایت اور توسیعِ علومِ متفرقہ ہے۔ جسکی طرف اسلام کے سابق خلفاء نے مُلکی کاروبار اور فتوحاتی ضروریات کی وجہ سے یا کسی اور مصلحت سے اِس وقت تک بہت کم توجہ کی۔ آپکے نظامِ مُلکی کی تفصیل میں ہم نے اِسکو پوری تشریح اور توضیح کے ساتھ لکھا ہے اور اِسکے متعلق جیسی جیسی کوششیں آپنے ظاہر فرمائی ہیں اُنکو نہایت شرح و بسط سے قلمبند کیا ہے۔ اہلِ اسلام کو دینیات کے متعلّق کافی ہدایات پہنچا کر جو تمام اسلامی فرمانرداؤں کا پہلا اور سب سے ضروری فرض ہے اور ہونا چاہیے۔ جنابِ امیر علیہ السّلام نے اپنی چار سالہ خلافت کے قلیل عرصہ میں اہلِ اسلام کو خصوصاً اور اپنی رعایا اہلِ عرب کو عموماً علومِ مختلفہ کی تعلیم کرنے میں جیسی جیسی عرقریزیوں سے کام لیا ہے اُنکی مثالیں ہم کو کسی دوسرے مُلکی حکمران کے تذکرہ میں نہیں ملتیں۔ نظامِ حکومت کے اور فرائض میں آپنے اِسکو بھی ایک ضروری اور بہت بڑا مفید فرض سمجھ لیا تھا۔ اور سلطنت کے روزانہ کاروبار کے ساتھ اِسکی خدمات بھی اُسی پابندی اور معمول سے ادا کی جاتی تھیں۔ مالی امور کی دیکھ بھال۔ جنگی اور فوجی ضروریات کی نگرانی۔ قضا اور اُسکے تعلّقات کی خبر گیری۔ عمّال اور تحصیل مال و صدقاتِ زکوٰۃ کے افسروں کی جانچ پڑتال کے روزانہ خیال کے ساتھ ایک وقتِ خاص اِس مخصوص ضرورت کے پورا کرنیکے لیے علٰحدہ کرلیا گیا تھا۔ اور وہ اکثر ظہرین کی نماز کے بعد ہوتا تھا جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ وہ کون علوم تھے جنکی تعلیم میں اتنے بڑے اہتمام سے کام لیا جاتا تھا۔ آیا وہ مُلک کے لیے ضروری تھے یا نہیں۔ اور اُن سے مُلک اور رعایا کو فائدہ پہنچ سکتا تھا یا نہیں۔

خلافت مرتضوی کے زمانہ میں علوم شرعیہ کے علاوہ علوم عقلیہ کی تعلیم

اوّل تو ایسا سوال کرنا ہی جہالت کی دلیل ہے۔ دنیا میں علم ہی ایسی تنہا شئے ہے جو کسی وقت میں کسی قوم و ملّت کے آگے آج تک غیر مفید ثابت نہیں۔ اور جو غیر مفید ہو وہ علم نہیں۔ کوئی دوسری شئے ہے جسکا کوئی نام رکھا جا نہیں سکتا۔ اب رہا یہ امر کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام قلمرو اسلامی کو جن علوم کی تعلیم دینی چاہیے تھی وہ وہی علوم تھے جنہیں ہم اپنے زمانہ میں ہزارہا کوس کی مصیبت خیز مسافتیں اُٹھاکر۔ ترکِ وطن دوری والدین۔ اور فراقِ احباب کے صدموں پر صدمے سہہ سہکر غیر ممالک میں ہزاروں آلام ومصیبت کے ساتھ حاصل کرتے ہیں ہیئت۔ نجوم۔ فلسفۂ الٰہی۔ ریاضی۔ نحو۔ منطق وغیرہ وغیرہ تمام علوم کی تعلیم اور توسیع میں آپنے کوشش فرمائی اور ان تمام علوم پر مختلف طریقوں سے برابر خطبات ارشاد فرمائے اور انکے تمام اصول۔ گو وہ ابتدائی ہی کیوں نہوں (اہلِ عرب کی حالت بھی تو مبتدی کی تھی) ایک ایک کرکے بتلائے۔ اور ان معنوں میں آپنے اپنی ملکی رعایا کی مردہ دلی میں تحصیلِ علم کے ذریعہ سے وہ نئی روح پھونکنی چاہی جو آپکے آئینِ فرماں روائی کو اعجاز مسیحی ثابت کرنے لگی۔

یہ مخصوص خدمات آپکے نظامِ ملکی اور رعایا کی بہبودی اور بہی خواہی کا خاص تمغہ ہے جو سوائے آپکے اور کسی دوسرے اسلامی فرمانروا کی خوش قسمتی کا حصّہ نہیں ٹھیرا۔ دنیا کے بڑے بڑے مدبر جب آپکی ان خدمات اور نظامِ ہدایات پر غور کی نظر ڈالینگے تو بخوبی سمجھ لینگے کہ **افتتاحِ قلوب** اور **انکشافِ صدور** قدر میں۔ عزّت میں اور وقعت میں **ملکی فتوحات** سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور رعایائے ملک کی انتظامی ترقیوں سے اُنکی تعلیم کے سامان کرنا اور اُن کو روشن خیال اور روشنضمیر بنانا وہ ملکی فرمانروا کے اصلی فرائض سمجھتے ہیں۔ آج کل بھی دنیا کی تمام سلطنتیں خصوصًا یوروپین پاورس *European Powers.* یعنی یورپ کی سلطنتیں اپنے ملک اور اپنی رعایا کے قابل اور لائق بنانے اور اُنکے *Intellectual Powers.* قوائے ذہنی کے بڑھانے اور علمی ترقیوں کے اعلےٰ درجات تک پہنچانے میں کتنی سرگرم اور مستعد ہیں۔ اُنکے خزانۂ شاہی سے رعایا کی تعلیمی ضرورتوں میں جتنا صرف کیا جاتا ہے وہ اُنکے ذاتی مصارف اور خرچ آسائش سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں جیساکہ یوروپین مدبر کا قول ہے کہ اُس بادشاہ کے ایسا کوئی دوسرا بدبخت اور اُس رعایا کے ایسی کوئی رعایا بدنصیب نہیں ہوگی جو اپنے ملک اور رعایا کو جاہل رکھکر اُس سے خود منتفع ہونیکی امید رکھتا ہو۔

عرب کی رعایا کو تعلیم کی ضرورت

خلافتِ مرتضویؑ کی حق بین نگاہوں نے اپنے ملک اور رعایا کی ان ناگزیر ضرورتوں اور اپنے سابقین خلفاء کی ان فروگزاشتوں کی طرف پہلے نظر کی اور غایت دلسوزی اور نہایت ہمدردی سے ملک کی اس کمی کے پورا کرنیکا پورا ارادہ کرلیا اور اُنکو جہالت سے نکالنے اور علم کی نورانی روشنی میں لانے کے کامل سامان کیئے انکی تعلیم کے انتظام اپنے ہاتھ میں لیئے اور خود بنفسِ نفیس اُن کی موجودہ کمی کے پورا کرنیکے جواب وہ بنے تھے معرفتِ خدا سے لیکر روزمرّہ کی ضروریات تک کے ہر جزوی اور کلّی تعلّقات۔ ایک بار نہیں بار بار اُنکو بتلادیے۔ سکھلادئے اور سمجھا دیئے۔ اِسی طرح اصنافِ علوم اور اطرافِ حکمت کے تمام ابتدائی اصول۔ آنکی کامل ماہیت اور اُنکے تمام طریقے

ایک ایک کرکے سُنائے۔ سمجھائے اور بتلائے۔ اور اُنکے قلوب کو جو سالہا سال سے فطرتًا معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی کی طرف زیادہ مائل تھے بہت بڑی کوشش کے بعد علومِ مختلفہ کی تحصیل و تحقیق کے راستہ پر پھیر دیا۔ اور اُنکی شدّتِ مزاج۔ درشتیِ طبع اور جنگجوئی اور ناحق خونریزی کی عادتوں کو مشاغلِ علوم کی راہوں پر لگاکر صلاحیت صلح پسندی اور سلامت روی سے تبدیل کردینے کی لاانتہا کوشش کی۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ عرب کی ہسٹری آو سویلیزیشن. *History of Civilization.* (تاریخ تہذیب مُلکی) میں رعایا کو جہالت سے نکالنے اور اُن کو قابل بنانے اور ملک میں علمی مذاق پھیلانے کے مخصوص تذکرہ کے متعلق ہم کیا کوئی تاریخ دیکھنے والا خلافتِ مرتضوی کے سوا کسی دوسری خلافت یا سلطنت کا پہلے نام نہیں لے سکتا یہ اسی خلافت کے فیوض تھے جس نے باوجود بِلا انتہا جنگی ضرورتوں کے رعایا کو دلیری اور شجاعت ہی کی طرف مائل رکھنا پسند نہیں کیا بلکہ اُن میں علم و حکمت پیدا کرنیکے شوق پیدا کردیے۔ اُنکے قوی اور مضبوط ہاتھوں میں اُسنے اکیلی تلواروں کا دیکھنا گوارا نہ کیا۔ بلکہ تلواروں کی جگہ قلموں کے نیزے اور سپروں کے عوض کھلی ہوئی علم و حکمت کی کتابیں دیکھنا۔ اُسکی دلچسپی اور خوشنودی کا سب سے زیادہ باعث ہوا۔

خلافتِ مرتضوی کا کام علما و فضلا کی یادگار

خلافتِ مرتضوی نے عرب کی جاہل اور جنگجو قوموں میں علمی مذاق پیدا کرکے ایک نئی روح پھونکی اور اپنے نظامِ مُلکی۔ محاسنِ اخلاق اور رعایا کے ساتھ ہمدردی اور اشفاق کی ایک ایسی عدیم المثال اور عظیم الشان یادگار چھوڑی جسکی مثالوں سے سلاطینِ عرب کے کارنامے خالی پڑے ہیں۔ ابو الاسود دُوئلی (علم نحو کا امام) عبدالرحمن سلمی (علم قرأت کا امام) امام شعبی (علمِ فقہ و حدیث کا امام) عبداللہ ابن عبّاس (محیط العلم بین الصحابۃ) کمیل ابن زیاد نخعی (علم المساحت والحساب کے ماہر کامل) عمر ابن سلمہ (عرب کے مشہور زبان دان) عبادہ ابن صامت (علمِ عروض کے موجد) وغیرہ وغیرہ آپکے خرمنِ فیوض کے خوشہ چین تھے۔ اور اُس مبارک زمانہ کی قابلِ قدر اور قیمتی یادگاریں ہیں۔

خلافتِ مرتضویؑ کے اِن بے نظیر محاسن اور لاجواب خوبیوں پر غور کرکے اس وقت کے علمائے ملّت اور صاحبانِ بصیرت و جامعیت نے جو مشرقی علوم کے علاوہ مغربی علوم سے بھی کامل طور پر آراستہ و پیراستہ پائے جاتے ہیں یہ رائے قائم کی ہے اور نہایت حسرت کے ساتھ۔ کہ جناب امیر المؤمنین علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنائکے ایسے صاحبِ قابلیت اور جامعیّت کو اُس زمانہ میں نہیں بلکہ علم و حکمت کے موجودہ روشن زمانہ میں پیدا ہونا اور موجود رہنا چاہیے تھا کہ آج آپ کے روحانی اور اخلاقی غرض تمام ذاتی اور صفاتی جوہروں کی کامل قدر شناسی ہوتی اور آپکے فیوضِ ظاہری و باطنی سے تمام زمانہ کے لوگ مستفید و مستفیض ہوتے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ خلافتِ مرتضوی کے بہت سے عدیم المثال فیوض زمانہ کی تنگی۔ قلّتِ وقت اور ناموزونیت اور اہل زمانہ کی گراں گوشی اور بے توجّہی کی خاموشی کے باعث ظاہر نہ ہوسکے۔ اور اِس مجسّم حکمت الٰہی کے گنجینہ اور علومِ لامتناہی کے خزینہ کے ہزاروں بیش بہا اور انمول جواہر اپنی ضیائے عالمتاب کی کافی روشنی صفحۂ دنیا پر نہ پھیلا سکے۔ اگر خلافتِ اسلامی کے اس ہمدرد محسن اور دلسوز فرمانروا کی یہ دلی تمنا پوری ہوگئی ہوتی اور زمانہ نے

اپنی خوش نصیبی سے آپ کے فیض صحبت میں انکی تحصیل کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو آج اہلِ عرب کی موجودہ نسلوں کو ان کی تحصیل کے لیے غیر قوموں کے احسان کا زیر بار ہونا نہیں ہوتا۔ مگر تاہم امیرالمؤمنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے قلیل زمانہ میں جس قدر اِس کے متعلّق کیا ہے وہ آپ کی عدیم الفرصتی اور دشواریوں کے مقابلہ میں بہت کچھ شمار کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کی خلافت کچھ اور عرصہ تک رہتی اور آپ کو اجلِ موعود سے فرصت ملتی تو ہمکو یقین ہے کہ آپ کے یہ محاسنِ اشفاق اہلِ عرب کو تہذیب۔ شائستگی۔ اخلاق اور تحصیلِ علم میں طاق اور شہرۂ آفاق بنا دیتے۔ جو کچھ اُنکی درستی اور تربیتِ اخلاق کی نسبت کیا گیا وہ زمانہ کے مذاق اور رفتار کے لحاظ سے غنیمت تھا اور بہت غنیمت

اِن مخصوص محاسن اور مکارم کے لیے جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السلام کے سوا۔ کیا کسی دوسرے اسلامی فرمانروا کا بھی نام لیا جا سکتا ہے اور انکے کارناموں کے علاوہ کیا کسی دوسرے فرمانروائے اسلامی کے دفتر میں تعلیمِ اخلاق۔ تحصیلِ علوم و حکمت کے متعلّق اِس کثرت سے اُسکے احکام۔ خطبات۔ ارشادات۔ دستورالعمل اور توقیعات دکھلائے جا سکتے ہیں۔ اسلامی علماء کی بہت سی جامع اور بسیط تالیفات۔ سالہاسال سے میرے پیشِ نظر ہیں اور میں نے برابر اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف میں اُنکے قیمتی اور قابلِ قدر انتخابات اور استنباط کا شرف حاصل کیا ہے۔ مگر اس وقت تک میری نظر کسی اسلامی فرمانروا کی اِن کارروائیوں پر نہیں پڑی ہے اور میں نے باوجود تفحّص و تلاش کے اتنے علومِ مختلفہ کے متعلّق اُنکے ارشادات۔ خطبات اور توقیعات کو نہیں دیکھا ہے قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

ان واقعات کو پڑھکر ایک روشن دماغ مُدبّر جو سیاستِ مدن کی کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ علم و حکمت کے زیور سے بھی آراستہ ہوگا وہ بغیر کسی تحریک کے سمجھ لیگا کہ خلافت مرتضویؑ کے یہ محاسن خدمات ملکی فتوحات سے ملک اور رعایا کی فائدہ رسانیوں میں ہرگز کم نہیں سمجھے جا سکتے۔ بلکہ اکثر قرینوں سے یہ اُنکے مفید ہونیکے لیے اِن سے زیادہ ثابت ہونگے۔ یہ خدمات خاص طور پر عرب کے نظامِ ملکی کا جزو ضروری تسلیم کیے جا سکتے ہیں کیونکہ عرب کی سلطنت اسلامی فرمانرواؤں کے زیرِ حکومت ہونیکا شرف رکھتی تھی اور ہدایتِ عامّہ اور تعلیم و تربیتِ زمانہ اِن حکمرانوں کے اصول میں پہلا اصول اور انکے فرائض میں پہلا فرض تھا۔ اِسلام نے اپنے ظہور کے وقت تمام زمانہ کو ہدایت و تعلیم کی بشارت پہنچا کر اور تہذیب و اخلاق کے سبق پڑھا کر اپنا مطیع و منقاد بنا لینے کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور وہ اپنے اِس برحق اور بالکل سچّے دعوے میں پورے طور پر کامیاب ہوا۔ جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے آئینِ جہانداری اور ملک گیری کے ساتھ ساتھ اپنی حیاتِ ستودہ آیات کے تمام ایّام تک اپنی قوم۔ ملک اور امّت کی تعلیم و تلقین کی ضروری پابندیوں کو نہ چھوڑا۔ سفر میں۔ حضر میں۔ رستہ میں۔ گھر میں۔ یہانتک کہ کارزار اور جنگ و پیکار میں آپ کی مقدّس صحبت۔ اہلِ اسلام کے محاسنِ اخلاق۔ تہذیب۔ درستگی اور ترتیب کے مفید اور ضروری مواعظ سے خالی نہ رہی۔ مسجدِ نبویؐ کا کوئی حلقۂ وعظ ایسا باقی نہ رہا جس میں احکامِ الٰہیہ و حدودِ شرعیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اِن محاسن کی تحصیل کے لیے سخت سے سخت تاکید نہ پہنچائی گئی ہو۔

اِن حالات کو غور سے سمجھکر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اِن اصول کی پابندی اُنکے خلفاء اور قائم مقاموں کے لیے ضروری نہیں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی وجہ سے وہ اِسکی طرف توجہ نہ کرسکے یا کسی مصلحتِ خاص سے خود اِس کا اہتمام نہ کرسکے مگر یہ اُن کا فرض ضرور تھا۔ اور فرائض سے تغافل۔ انسان کی اصلی فروگزاشت ہے۔

ہم کو اِس امر کے اعتراف کرنے میں کوئی کلام نہیں کہ مُلک گیری اور فتوحاتی توسیعات فرمانروائے مُلکی کی بہت بڑی شہرت کا باعث ہوتی ہیں اور ان سے ملک و رعایا کو بھی ایک حد تک فائدہ پہنچنے کی کامل امید ہوتی ہے۔ مگر ایک تجربہ کار مدبّر کی نگاہ میں یہ فوائد بھی اپنی پوری حدود تک اُسی وقت پہنچتے ہیں جب ملک و رعایا شائستہ اور مہذّب ہو چکے ہوں۔ اور اُن میں اِن امور سے فائدہ حاصل کرنیکی صلاحیت آگئی ہو۔ ورنہ اگر ملک فتح ہی کیے گئے اور ممالکِ مفتوحہ کے ڈھیر پر ڈھیر لگائے گئے اور وہاں کی رعایا نے اِن مفتوحہ اضافات سے اپنے مستفید اور منتفع ہونیکے لیے کوئی ذرائع نہیں پیدا کیے اور کوئی راہ نہ نکالی تو اُس فاتح فرمانروا کی یہ کوششیں اور جانفشانیاں بیکار اور فضول تضیعِ اوقات سمجھی جائینگی۔ رعایا کا مستفید اور منتفع ہونا اُسکی شائستگی اور قابلیت پر موقوف ہے جس ملک کی رعایا میں اِسکی صلاحیت کا مادّہ پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں کی رعایا کو بادشاہ کی فتوحات سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام اضافات بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

ہمارے موجودہ بیان کی تصدیق میں اسپین کی تاریخ موجود ہے۔ سلطان فلپ کے زمانہ میں فتوحاتِ مُلکی کی کثرت نے سکے عروج و ثروت کا ڈنکا تمام یورپ میں بجا دیا تھا۔ اور اُسکی ملک گیری کی بڑھتی ہوئی سیل یورپ سے امریکہ تک پھیل گئی تھی اور وہ وقت آگیا تھا کہ دولِ یورپ میں اسپین والوں کی قوّت پہلی قوّت تسلیم کیجائے۔ مگر ملک اور رعایا چونکہ دونوں ناشائستہ۔ غیر مہذّب۔ حد درجہ کے غافل تھے۔ خودداری اور ظاہری نمائش میں آگے۔ تعلیم۔ ترتیب اور تربیت میں یورپ کی سب قوموں سے پیچھے۔ اِس لیے وہ نہ اپنے فرمانروا کی جانفشانیوں کی قدر کرسکے اور نہ اُسکے فتوحاتی اضافات سے اپنے لیے کوئی فائدہ اُٹھانے کی صورت پیدا کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضعف اور روز بروز سلطنت میں اضمحلال پیدا ہونے کے باعث ممالکِ مفتوحہ بھی اپنے ہاتھ سے نکل کر اغیار کے ہاتھوں میں جا پہنچے۔ اب وہ ایک کی جگہ دو اور دو کی جگہ چار انہی ممالک سے پیدا کر رہے ہیں۔ اور دو گنے سہ گنے فائدے خود بھی اُٹھا رہے ہیں۔ اور دوسرے ملک والوں کو بھی برابر پہنچا رہے ہیں۔ یہ ہیں کہ نہ اِن سے اُس وقت کچھ ہو سکا اور نہ اس وقت کچھ بن سکتا ہے۔

ہمارے اِس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فتوحاتی اضافات اور ملکی توسیعات اُس وقت ملک کے لیے خاص طور پر مفید اور نفع رساں ہو سکتے ہیں جب ملکی رعایا میں اِن فتوحات سے مستفید اور منتفع ہونیکا مادّہ پیدا ہو گیا ہو۔ عرب کے فرمانروا کی یہ فتوحاتی اضافات اُنکے ملک کو کہاں تک فائدہ پہنچا سکے اور ملکی رعایا نے تجارت۔ حرفت اور صنعت اور دیگر ذرائع جن سے وہ کامل طور پر منتفع ہو سکیں کتنے حاصل کیے۔ اِن امور کو ہم اپنی موجودہ بحث سے خارج

ملکی فتوحات کی وقعت جبھی ہیں جب ملک اور رعایا کو فائدہ پہنچا سکیں

سمجھتے ہیں۔ مگر اتنا ہم ضرور کہینگے کہ اِن فتوحاتی اضافات سے اسلام کی ظاہری اشاعت ضرور ہوئی اور مسلمانوں کا شماری نمبر البتہ بڑھ گیا۔ اِنکی وجہ سے فرمانروا کی شہرت عام نگاہوں میں بڑھ گئی اور عرب کی رعایا میں بھی ہندستان اور چین کے قدیم باشندوں کی طرح (Aristocracy) سلاطین و امرا، پرستی کا کسی قدر اثر ضرور پیدا ہو گیا۔ اور اُنکے معرکوں پر معرکے دور دراز ملکوں میں یلغار پر یلغار۔ جہاد فی سبیل اللہ کے معنوں میں ہو کر۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مدافعانہ غزوات پر بھی غیر قوموں سے حملے کروا گئے۔ اور ایسے صلح کل اور امن پسند سچے خدا کے طریقوں کو اسلام باصمصام یا اسلام وِتھ سورڈس Islam with Swords. کا خطاب دلوا گئے۔ جنکی تردید کے لیے سر سیّد کو مجبور ہو کر صاف صاف لفظوں میں لکھدینا پڑا کہ "پیغمبر صاحب کے بعد خلفا کے وقت میں جو معرکے واقع ہوئے ہیں اُن کو جہاد سے کوئی واسطہ نہیں ہے"۔

فتوحاتی وسعتِ مُلکی بغاوت کا کبھی کبھی باعث ہو جاتی ہے۔

مُدبّرانِ زمانہ اور حکمائے سیاست جن کے مقتدر ہاتھوں میں بڑی بڑی سلطنتوں کی نبضیں دبی رہتی ہیں اور جو عظیم الشّان سلطنتوں اور حکومتوں کے تغیّر پذیر اور جادۂ اعتدال سے بڑھ جانیوالی مزاج کی ہر وقت دیکھ بھال کیا کرتی ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ فتوحاتی اضافات کبھی کبھی مُلک میں شورش اور استحکامِ سلطنت میں لغزش بھی پیدا ہو جانے کے اصلی باعث ہوتے ہیں۔ اِس میں تو شک نہیں کہ ملک گیری کے اثر سے رعایا میں خود مختاری اور آزادی کی حرص اور طمع ضرور بڑھ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اُنکی یہی دلی خواہشیں سرحدِ اعتدال سے تجاوز کر کے اُنکو سرکش اور خود مختار بنا دیتی ہیں۔ معاویہ ابنِ ابوسفیان اور اہلِ شام پر جو اُن کی رعایا تھے یہی اثر برابر دو خلافتوں کے زمانہ تک پڑتا رہا۔ اور چوتھی خلافت میں وہ ہر طرح قوی اور خود مختار ہو کر فرمانروائے عصر سے مقابلہ کے لیے کُھلے میدان میں نکل آئے۔ ملکِ شام ہی کی عام فساد پر کچھ موقوف نہیں۔ خلافتِ مرتضویؑ میں جتنی ملکی بغاوتیں اور دقتیں پیش ہوئیں اُنکی اصلی وجہیں یہی ثابت ہوتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اِس خلافت کے زمانہ میں جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اہلِ عرب کے قریب قریب تمام قبیلوں میں خود مختاری اور سرکشی کے مادّے پیدا ہو چکے تھے اور ہر شخص اپنے مقام پر اپنے آپ کو امرِ خلافت کا سزاوار یا کم سے کم اِس عہدے کا امیدوار ضرور سمجھنے لگا تھا۔

ہندوستان کے غدر کا باعث ایک لارڈ ڈلہوزی کی توسیع ملکی بھی تھی

اگر ہمارے اوپر کے بیان سے تشفّی اور اطمینان نہ ہو اور قدیم مثالوں کو اعتبار کے قابل نہ سمجھکر موجودہ زمانہ میں اسکی مثالیں تلاش کریں تو ہم اُنہیں مختلف ممالک کی تاریخوں کے مطالعہ کی تکلیف نہیں دینگے بلکہ اِس کی واضح اور روشن صورتِ حال ہندوستان کی تمام تاریخوں میں پچاس برس پہلے دکھلائینگے۔ جن حضرات نے ہندوستان کی تاریخیں غور سے دیکھی ہیں اور اُسکے ہر واقعہ کی نسبت مُدبّرانِ ملکی اور حکمائے انتظامی کی زرّین رائیں پڑھی ہیں اُن کو کافی طور سے ثابت ہو چکا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی وجوہات قائم کرنیکے سلسلہ میں مُدبّرانِ ملکی نے منجملہ اور دیگر وجوہ کے ایک وجہ خاص لارڈ ڈلہوزی کے ایڈمنسٹریٹو انکزیشن Administrative Annexations. (اضافاتِ مُلکی) کو بھی بتلایا ہے۔

لارڈ ڈلہوزی نے اپنے زمانۂ حکومت میں ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں کو قریب قریب ایسٹ

انڈیا کمپنی East India Co. کا مطیع بنادیا۔ اِس میں شک نہیں کہ اس وقت تک ہندوستان کی دیسی ریاستیں ایسی مطیع نہیں تھیں جیسی ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں۔ یہ لارڈ ڈلہوزی ہی کی حُسنِ لیاقت کی جوہر تھے۔ جس نے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی اطاعت اور زیر اثر رہنے کا تمام ہندوستان سے عہد کرالیا۔

لارڈ کیننگ کی پیشینگوئی واقعات پیش

مگر انکے چلے جانیکے بعد **لارڈ کیننگ** Lord Canning کو ہندوستان میں آتے ہی اُس بلائے عظیم اور فساد سے سامنا ہوا جسکے آثار وہ اُنگلینڈ کے ہورائزن (Horizen) افق میں دیکھ چکے تھے اور جن کا اظہار بھی اُنہوں نے اپنی اُس اسپیچ Speech میں کر دیا تھا جو اُنہوں نے انگلینڈ سے رخصت ہوتے وقت ہاؤس آف کامنس House of Commons کے جلسہ میں پڑھی تھی۔

لارڈ کیننگ کے ایسے مُدبّر کی تقریر نے پیشین گوئی کے طور پر ہندوستان میں غدر پیدا ہو جانے کی خبر پہلے ہی سلطنتِ برطانیہ کے اراکین کو کردی تھی جس کا اُنکو پورا علم اور یقین پہلے سے ہوچکا تھا۔ لارڈ کیننگ کی یہ پیشین گوئی نہایت صحیح اور سچی نکلی۔ اِنکا ہندوستان میں آنا اور ۱۸۵۷ء کے غدر کا اُٹھنا ساتھ ہوا جن لوگوں نے غدر کے حالات کو اچھی طرح دیکھا ہے اور ابھی بہت سے ایسے لوگ زندہ باقی ہیں جنہوں نے وہ تیرہ و تاریک زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت کی غیر اطمینانی۔ پریشانی۔ بدنظمی۔ فتنہ و فساد۔ قتل وخون۔ غارتگری۔ لوٹ مار سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ انگریزوں کی سلطنت حدودِ ہندوستان میں قائم رہ سکتی ہے؟ یا اُن کے پاؤں ملکی سطح پر جم سکتے ہیں؟

اودھ کی بغاوت۔ بندیلکھنڈ میں تلسی بائی رانی جھانسی کی سرکشی۔ کانپور میں نانا راؤ کی مظالم بہار میں بابو کنور سنگھ کی شورش۔ آہم سُوت میں قاضی عنایت علی کی بیجا کوشش۔ دہلی میں فیروز شاہ کی اخیر قسمت آزمائیاں وغیرہ وغیرہ۔ اسپر قیامت یہ کہ تمام ہندوستان کی فوج کا بگڑ جانا۔ یہ سب ایسے آثار تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو پھر ہندوستان کی حکومت کے واپس ملنے کا ذرا بھی یقین نہیں دلاتے تھے۔ اِن حالات پر پورا عبور رکھنے والا شخص کبھی آبِ رفتہ باز بجوزہ درآمدن کا قائل نہیں ہوسکتا۔

ہم جہاں تک اِن واقعات پر تحقیق کی نظر ڈالتے ہیں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ لارڈ کیننگ کے وقت کی دشواریاں اور اُنکے زمانہ کے غدر و فسادات۔ خلافتِ مرتضوی کی پُرآشوبی اور مُلکی غدر کے ساتھ ایک قدرتی مشابہت اور مماثلت رکھتے ہیں۔

ہندوستان کے غدر و عرب کی شورش کی مثال

کیونکہ وہاں بھی شام میں معٰویہ کی بغاوت عراق میں طلحتین اور بی بی عائشہ کے فسادات الجزائر ضحاک بن قیس فہری کی تاخت۔ حجاز میں عبداللہ الحضرمی کی مخالفت۔ یمن میں یعلی بن منیّہ کی مخاصمت۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی دشواریاں اور ایسی مشکلیں تھیں جو ایک دن کے قیام کو بھی خلافتِ مرتضوی کے لیے اگر محال نہیں تو قریب المحال توضرور ثابت کرتی تھیں۔

اِن واقعات کی تصریح کے بعد ہم کو لارڈ کیننگ کے استقلال اور پاداری کا خاص طور پر ممنون ہونا

چاہیے۔ جس نے ایسے تاریک زمانہ میں ہماری پوری محافظت کی اور حریف کے متعدد مقابلوں میں اپنی پوری ثابت قدمی اور کامل استقلال سے کام لیا۔ اور اضطرار کی عین حالتوں میں اپنے ہوش و حواس جمع رکھے۔ ہر فساد کے موقع پر اور ہر غدر کے مقام پر اُن کی پوری خبر لی اور مخالفوں اور باغیوں سے ہر ہر مقام میں پورا مقابلہ کیا اور تاوقتیکہ اِن تمام مخالفتوں کا خاتمہ نہ کر لیا اپنے آرام و آسائش کو قطعی حرام سمجھا۔

اِسی طرح جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اپنی خلافت کے تمام غدر اور فسادات کا نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے جواب دیا۔ جہاں جس وقت جس فساد کی خبر آئی فوراً ایک تازہ فوج اُسکے تدارک کے لیے روانہ کی گئی۔ اور اُسکا پورا استقلال کر دیا گیا۔ اور حریف کسی طرح اپنے مخالفانہ ارادوں میں کامیاب نہونے پایا۔ جب ملک کے کسی گوشہ سے کسی غدر یا فوجی تاخت کی خبر ملی یا کم سے کم ایسا شبہہ ہوا اُسکے انسداد کی مناسب تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔ اِن امور کا نشان تاریخی مشاہد سے خلافت مرتضوی میں سنہ ۳۹ ہجری سے لیکر سنہ ۴۰ ہجری تک برابر ملتا ہے۔ معاویہ ابنِ ابوسفیان اِن ایّام میں مکّہ۔ مدینہ۔ بصرہ۔ یمن۔ حضر موت اور ساحل کے علاقوں میں برابر تاخت و تاراج کے پورے ارادوں سے فوجوں پر فوجیں بھیجتے رہے۔ وہ بھی اِس طرح کہ ایک وقت میں۔ ایک ٹُک میں۔ ایکہی افسر کی ماتحتی میں نہیں۔ اعلان یا اظہار کے ساتھ نہیں بلکہ مختلف اوقات میں۔ مختلف افسروں کے زیرِ فرمان۔ غیر متعارف راستوں سے۔ نہایت رازداری اور پوری ہوشیاری کے ساتھ۔ اِن خدمتوں کے متعلق جو افسروں کو حُکم دیے گئے اُن میں کسی قسم کی رعایت۔ محاسنِ سلوک اور قومی ہمدردی کا حکم نہوتا تھا۔ ظلم۔ قتل و خون۔ غارت اور لوٹ مار کی تاکید کی گئی تھی کہ جسے چاہو مارو جسے چاہو لُوٹو۔ نہ اسلام کی ہمدردی اور نہ اہلِ اسلام کے ساتھ مروّت۔ اِنکے ظلم و تعدّی کی دست درازیاں یہاں تک بڑھیں کہ حُجّاج کے قافلے لوٹے گئے۔ اور ہزاروں بندگانِ خدا کے مال و متاع حق و ناحق غارت اور برباد کر دیے گئے۔

خلافتِ مرتضوی کے قلیل زمانہ میں ہمیشہ اِن فتنہ و فساد کے طوفان اُٹھتے تھے اور مُلکی بغاوت کی سیل پر سیل مُلک کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک پھیل رہی تھی۔ مگر ایسے نازک اوقات میں ملکی فرمانروا جنابِ علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثّناء کا اِس استقلال اور پاداری کے ساتھ کام کرنا۔ حریف کی شبانہ روز عیّارانہ کارروائیوں کے مقابلے میں ایسی بیدار مغزی اور ہوشیاری کے ساتھ کام لینا اُن حضرت کی اعلیٰ لیاقت اور قابلیت کا پورا ثبوت دیتا ہے۔ اور حقیقت میں استقلال اِسی کا نام ہے کہ حریف کی تمام مخالفتوں کا جواب بھی دیا جائے اور پھر کوئی فتنہ و فساد کہیں نہ ہونے پائے اور ملک کے امن میں خلل بھی نہ آئے۔

خلافتِ مرتضوی کی بیرونی ملکی اضافات

جنابِ امیر علیہ السّلام کا پورا زمانہ حقیقت میں انھی مدافعات اور روک تھام کی شبانہ روز فکروں میں تمام ہو گیا۔ انکو اپنے چار سالہ زمانِ حکومت میں اتنی فرصت کہاں ملی اور ایسا امن و امان کا موقع کب ملا کہ وہ حضرت عمر کے زمانہ کے ایسا غیر ممالک پر قبضہ کرنے کی طرف توجّہ فرماتے۔

امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کو اپنی جنگی اور فتوحاتی لیاقتوں کے دکھلانے کی کوئی

ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ آپ کی فتوحاتی لیاقتیں زمانہ کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ آپکے لیے جو امن اور اطمینان کا زمانہ تھا اُس میں آپ نے اپنی فتوحاتی لیاقتوں کو کامل طور سے دکھلادیا تھا اور اسلام کی فتوحاتی وسعت کو یثرب کی زمین سے اُٹھا کر بحرِ عرب اور سرحدِ روم تک پہنچادیا تھا اور مخصوص ایسے وقت میں جب اسلام کا نام لیوا تمام دیار و امصار میں ڈھونڈھے نہیں ملتا تھا۔ یہ علی ہی کی فتوحاتی لیاقتیں تھیں جس نے عرب کی ہر قوم اور ہر قبیلے سے اسلام کا کلمہ پڑھوادیا۔ اور اُس خدائے واحد کی خدائی اور اُس کے پیغمبرؐ کی سچّائی کی پوری تصدیق کرا لی۔

مگر بایں‌ہمہ۔ اگر خلافتِ مرتضویؑ نے اپنی پہلی خلافتوں کے ایسا امن و امان کا پورا اور کافی زمانہ پایا ہوتا تو آپ کی سعی اور حسنِ انتظامی سے ہم کو کامل یقین ہے کہ اسلامی ممالک کی وسعت بحیرۂ روم اور قلزم کے اس پار لاکھوں کوس تک پھیل جاتی۔ اور شاید دنیا میں ایسا ہی کوئی بدبخت مقام ہوتا جہاں اسلامی خطبہ اور سکّہ جاری نہ ہوتا۔ عموماً تمام عرب میں جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السّلام کی فتوحات کی ایسی شہرت پھیلی ہوئی تھی اور اہلِ عرب کے دلوں میں عام اس سے کہ وہ اہلِ اسلام ہوں یا کوئی اور آپ کی شجاعت اور دلیری کی وہ ہیبت سمائی ہوئی تھی کہ ملکِ روم فارس اور شام کے فتح کرنیوالے سردارانِ فوج جو ان فتوحات کے سبب آج تک اکثر مسلمانوں کے سرمایۂ ناز بنے ہوئے ہیں انہی معرکوں میں اپنے مخالف کے مقابلہ کے وقت اپنی رجزخوانیوں میں اپنی ذاتی شجاعت و قوّت کے اظہار سے پہلے جنابِ علیؑ مرتضےٰ کی دلیری۔ ہمّت اور شجاعت کو اُنہیں یاد دلاتے تھے اور اپنے تمام مفاخر کے اظہار سے پہلے اُنہیں یہ یاد کراتے تھے کہ علی جیسا بزرگ۔ شجاع۔ نبرد آزما ہمارے ساتھ ہے۔

مگر تاہم باوجود ان تمام باتوں کے جو ہم اِس وقت تک اپنی موجودہ بحث کے متعلّق اوپر لکھ آئے ہیں۔ خلافتِ مرتضویؑ میں ممالکِ بیرونی پر فوجوں کے بھیجے جانے اور اُن کو فتح کرکے بلادِ اسلامی میں ملائے جانے کے واقعات ڈھونڈھنے والے حضرات کی خدمت میں دکھلائے دیتے ہیں کہ اگر یہ امور لامحالہ آپ حضرات کی نظر میں سیاست کے لیے ایسے ہی ضروری ہیں جیسا آپ سمجھے ہیں تو ہم آپکو یاد کراتے ہیں کہ جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السّلام نے اپنی ضرورت اور اپنے موجودہ وقت کے اعتبار سے اسکی طرف بھی توجہ فرمائی ہے اور ممالکِ غیر میں اسلامی حکومت کا کامل اثر پہنچانے یا اُن ممالک میں جو اسلام کے زیرِ حکومت تو تھے مگر وہ پورے طور سے خلافت کے مطیع و منقاد نہیں تھے احکامِ خلافت کے جاری کرنے میں اور اُنکو پورے طور سے محکوم بنانے میں اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھّا ہے اُن کو خلافت کا پورا مطیع بنایا اور احکامِ اسلام اور اصولِ شریعت کا پورا پورا منقاد۔ اُن ممالک میں فوجیں بھی بھیجی گئیں اور بندوبست اور انتظام کی درستی اور ترتیب بھی عمل میں لائی گئی۔ جہاں خلافت کا اثر نہیں پہنچا تھا۔ اور اگر پہنچا تھا تو سابق فرمانروائے خلافت کی کمزوری کی وجہ سے زائل ہو چکا تھا یا بالکل قریبِ زوال تھا۔ ان کے علاوہ دیگر حدود مثل ہندوستان۔ فارس وغیرہ کے فوجیں بھی گئیں اور اُن ممالک میں جہاں خلافتِ اسلامیہ کے اثر پہنچائے گئے تھے۔ اُن میں اضافہ فرمایا گیا۔

یہ تمام امور بالتفصیل اِسی کتاب میں اپنے مقام پر درج ہیں مگر موجودہ بحث کی ضرورت ہمیں اُنکے اجمالاً ذکر کے لیے اِس مقام پر بھی مجبور کر رہی ہے اور اِس لیے ہم اُن کو ضمناً بیاں کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جزائرِ عرب کی بارِ دیگر فتح آپ کی فتوحات میں اِس وجہ سے خاصکر شامل کیجائیگی کہ یہ ملک اور ساحلِ عرب کے تمام شہر خلافتِ ثالثہ کی اقرباپروری کی بدولت امیر معاویہ کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ امیر المؤمنین کی خلافت میں اُنہوں نے ضحاک ابن قیس فہری کو یہاں کا عامل مقرر فرما کر اسکی حفاظت اور حراست کے پورے سامان مضبوط کر لیے۔ امیر المومنین نے اِسکی خبر پا کر مالک ابن اشتر کو ایک لشکرِ گراں کے ساتھ بھیجا۔ مالک نے وہاں پہنچکر ضحاک ابن قیس کی موجودہ فوج کو اٹھارہ دن کی پوری محاصرے کے بعد پسپا کر دیا۔ اور اِسکے ساتھ ہی معاویہ کی فرستادہ فوج کو جو عبد الرحمٰن کی ماتحتی میں ضحاک کی کمک کی غرض سے بھیجی گئی تھی راہ میں قلع و قمع کر ڈالا۔ ضحاک پسپا ہو کر بھاگا اور مالک نے ملک پر قبضہ کر کے اُسکا خاطر خواہ انتظام کر لیا اور اُسکو خلافتِ اسلامیہ کا ویساہی مطیع و منقاد بنایا جیسا کہ سابق میں تھا۔[1]

غور اور اُسکے توابع حضرت عثمان کے شروع ایام خلافت میں خلافتِ اسلامی کے زیرِ فرمان آچکے تھے۔ مگر **شنصب** وہاں کا موجودہ فرمانروا۔ جو ترک نسل سے ضرور تھا۔ شرائط جزیہ دینے پر راضی ہو گیا تھا۔ اور اِس لیے اُسکا ملک اور وہ اب تک دولتِ اسلام سے محروم اور بے بہرہ تھے۔ خلافت اور خاصکر مروان کی غفلت و جہالت نے اِسکی طرف کوئی خیال نہیں کیا۔ اور غور کے معاملات ویسے کے ویسے ہی رہگئے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے غور کے معاملات کو غور سے دیکھا اور دارالخلافت سے شنصب کے نام فرمان جاری ہوا کہ تم اتنی مدت سے خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ اثر رہکر تمام آفات سے محفوظ رہے۔ مگر اِس وقت تک تم نے اسلام کے محاسن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اُسکی خوبیوں کی اور اُسکی سچی بشارتوں کی طرف اپنی دلی رغبت ظاہر نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اسلام سے کراہت کرتے ہو۔ اِس لیے ضرور ہے کہ تم دارالخلافت میں حاضر ہو۔ اور اِس کے اصول۔ اِس کے قواعد اور اِسکے فوائد سُن جاؤ۔ خود بھی مسلمان ہو اور اپنی تمام رعایا کو اِس کی دعوت کرو۔ شنصب حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اور تمام رعایا کے نام فرمانِ خاص لیکر غور میں گیا۔ اور اسلام کو تمام غور کا ملکی مذہب بنا دیا۔[2]

ہندوستان میں قاسم کی ماتحتی میں ایک معتد بہ فوج روانہ کی گئی جو ۳۸ھ ہجری کے اوائل میں **سندھ** کی فتوحات میں مصروف ہوئی۔ اُس نے چند مقاماتِ سندھ پر قبضہ کیا۔ قاسم کے بعد ۳۹ھ ہجری کے اخیر میں **حارث ابن مرۃ عبدی** ایک دوسری فوج کے ساتھ دارالخلافت سے روانہ کیا گیا اور اُسی اُن ممالک میں بہت سے مقامات فتح کیے۔ بہت سے سندھی گرفتار کیے گئے اور کثیر التعداد مالِ غنیمت ہاتھ لگا جو براہِ راست دارالخلافۃ کو روانہ کیا گیا۔ اور ایک دن میں ایک ہزار لونڈی غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کیے گئے اور اسی طرح اموالِ غنیمت میں۔ حارث ابنِ مُرّہ مدت تک اِن بلاد پر قابض رہے۔[3]

فارس کی حدودِ مشرقی میں حریث ابنِ جعفر جعفی ایک لشکرِ جرار کے ہمراہ روانہ کیے گئے۔ اُنہوں نے

---

[1] روضۃ الصفا جلد ۲ - ابنِ اثیر [2] تہذیب المتین - تاریخ فرشتہ [3] روضۃ الصفا - ربیع الابرار - زمخشری ۱۲

وہاں پہنچکر خلافتِ اسلامیہ کے تصرّف اور اثر کو اُن علاقوں میں مستحکم کر دیا۔ جو خلافتِ ثالثہ کے زمانہ کی فتوحات میں شامل ہو چکے تھے۔ اور اُن میں اپنی طرف سے بھی اکثر بڑے اور مستحکم اضافے بھی کیے جس کی وجہ سے فارس کی حدودِ مشرقی میں اسلامی حدود کا رقبہ پہلے سے زیادہ دور تک بڑھ گیا[15]۔

ربیع ابنِ خثعم کے ہمراہ دوسری جرّار فوج علاقۂ قزوین اور ملکِ رَے کی طرف روانہ فرمائی۔ اور اِن دونوں فوجی افسروں نے قزوین اور رَے دونوں علاقوں کو فتح کرکے خلافتِ اسلامیہ کی حدود میں کافی اضافہ فرمایا۔

یہ تھے خلافتِ مرتضویؑ کے بیرونی فتوحات اور اضافات۔ اِن واقعات کو پڑھکر کیا اب بھی کوئی شخص اِس خلافت کے کارنامے کو فتوحاتی خدمات سے خالی بتانے کی کوشش کریگا۔ ہم اِس مضمون کی ابتدا میں لکھ آئے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اِس امرِ خاص کی طرف اُسی حد اور اُسی اندازتک کام کیا جس حد اور جس اندازہ تک آپ کا انتشار اور آپ کا وقت آپ کو اجازت دیتا تھا اِس سے سمجھ لینا چاہیے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اپنے ملکی تردّدات سے جتنا وقت ملا اتنا وقت اِن خدمات کی تعمیل میں صرف کیا گیا۔

آپ کی اِن خدمات کو دنیا کے بڑے بڑے مدبّرانِ مُلکی۔ خصوصًا ایسی پُرآشوبی اور ملکی فساد کے زمانہ میں نہایت قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھینگے۔ کیونکہ آپکے روزانہ انتشار اور ہر وقت کے تردد و افکار صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ جنابِ علیؑ مرتضٰے کے ایسے متردّد اور متفکّر فرمانروا سے جو اپنے ملک کے تمام اندرونی حصّوں میں بغاوت اور فساد پھیل جانے کی وجہ سے ایک منٹ کے لیے بھی مطمئن نہیں کہا جا سکتا۔ اِن خدمات کا انجام ہونا اور ملک کے اندرونی انتظام کے علاوہ بیرونی ممالک کی فتوحات کا بندوبست کرنا اگر محال نہیں تو قریب المحال تو ضرور تھا مگر آپکی استقلال اور پائداری نے اِن امور کو بھی اپنی ضروری حدود تک تعمیل کرکے ثابت کر دیا کہ ہم ان انتشار اور شبانہ روز کے غور و افکار کی وجہ سے بیدل نہیں ہونیوالے مُلکی بغاوت اور باغیوں کی مخالفت ہماری ہمّت اور پائداری میں سرِمو فرق پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ ہماری ہی ہمّت اور جگرداری ہے جو باوجود اس قلّتِ وقتی اور ضیق النفسی کے بھی اُن کے استیصال اور مقابلہ پر بھی تیار ہے اور انہی کے ساتھ بیرونی مقامات کی فتوحات کے لیے بھی مستعد اور آمادۂ پیکار۔ خلافتِ مرتضویؑ کی یہ خصوصیات ہم کو اس سے پہلی خلافتوں میں نہیں ملتیں۔ اور کسی خلیفہ اور فرمانروا کا نام ہم کو خلافت کے دفتر میں ایسا دکھلائی نہیں دیتا جو ان مصیبتوں میں شبانہ روز گرفتار رہکر ملک کے اندرونی فسادوں کی بھی اصلاح کرتا رہا ہو۔ اور اُسی کے ساتھ بیرونی ممالک میں بھی اپنی حدودِ حکومت بڑھانے اور اپنے حقوق مستحکم کرنے کے بھی کافی انتظام کرتا رہا ہو۔ اِن عدیم المثال خصوصیات پر نظر کرکے ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو باور کراتے ہیں کہ خلافتِ اسلامی کے جریدہ میں خلافتِ مرتضویؑ ہی ایسی تنہا اور یکتا ثابت ہوتی ہے جو اندرونی اور بیرونی پولیٹکس Politics کو ایسی انتہا

۱۵ روضۃ الصفا ۱۲

ور اضطرار کے زمانہ میں کافی طور سے انجام تک پہنچا گئی۔

خلافتِ مرتضوی کو حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت سے مقابل کرنیوالے بزرگوار اور خلافتِ چہارم میں خلافتِ دوم کے ایسے بڑے بڑے ملکی فتوحات تلاش کرنیوالے۔ اگر اُن کو کچھ بھی سوچنے۔ غور کرنے اور سمجھنے کا مادہ ہوگا تو وہ ضرور سمجھ جائینگے کہ جس مستقل مزاج فرمانروا نے اپنی پاداری اور ثباتِ طبعی کی وجہ سے ایسے اضطراب وانتشار کی حالتوں میں اور اتنی عدیم الفرصتی کے زمانہ میں ان خدمات کو یہاں تک انجام دیا تو وہی پُرہمت اور اولوالعزم بزرگوار اگر اپنے سابقین فرمانرواؤں کے ایسا عام امن وامان کا زمانہ پاتا اور ملک کی رعایا اُسکی بھی اُسی طرح اطاعت فرمانبرداری کرتی تو دنیا میں آج اُس کے فتوحاتی اضافات کہاں تک پہنچے ہوتے۔ ہمارے قدیم عنایت فرما خان بہادر مولوی **دلاور حسین خاں** صاحب سابق انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بنگال نے اِن مضامین پر غور کرکے اپنے لکچر شیعاز آو علیؑ اینڈ فالورس آو سنّت میں اسکو بالتفصیل لکھا ہے جس کو ہم اِسی کتاب کے پہلے حصّہ کے بعض مقامات پر درج کرچکے ہیں۔

مولوی خواجہ **عبید اللہ** صاحب امرتسری بھی اپنی کتاب ارجح المطالب میں اُنکی تائید فرماتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:-

آپ کی خلافت کا بڑا بھاری حصّہ خانہ جنگیوں میں صرف ہوا۔ آپ کی خلافت تین مہینے کم پانچ برس رہی۔ بارھویں ذی الحجہ ۳۵ھ ہجری کو لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ ہجری میں آپ شہید ہوگئے اِس فرصتِ قلیل میں ان خانہ جنگیوں سے آپ کو دم بھر کی مہلت نہیں ملی۔ ابھی بیعت کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی کہ واقعۂ جمل پیش ہوا۔ اور ابھی اِس واقعہ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا کہ صفین کا ٹنٹا شروع ہوگیا۔ علامہ ابنِ عبد البرؒ استیعاب میں لکھتے ہیں کہ جنابِ علی مرتضٰے علیہ السّلام سے پانچ برس تک معاویہ لڑتے رہے۔ ابھی اِنکے معرکے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو خارجیوں سے لڑنا پڑا۔ پس یہ واقعات ایسے تھے کہ جنکے سدِّ راہ ہونیکی وجہ سے نہ آپ ممالکِ غیر پر فوج کشی کرسکے اور نہ فتح بلاد کی طرف متوجہ ہوسکے۔ اگر صحابہ کا وہی اتفاق جو عہدِ شیخین میں تھا جنابِ امیر علیہ السّلام کی خلافت کے وقت بھی قائم رہتا تو البتہ دونوں زمانوں کی فتوحات کا صحیح موازنہ کیا جاتا۔[1]

ہم اپنی موجودہ بحث میں اِس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ اِسکے ضمن میں جزوی اور کُلّی جتنے واقعات اور نکات تھے اُن کو ہم ایک ایک کرکے بیان کرچکے اور اِس کو سیاسی۔ تمدّنی۔ اخلاقی اور روحانی اصول سے ثابت کرچکے کہ خلافتِ مرتضوی نے اِس کے متعلق جو کچھ کیا وہ مصلحتِ وقت اور ضرورتِ زمانہ سے لازم اور مناسب تھا۔ اور مصلحتِ وقت اور ضرورتِ زمانہ کے مطابق اپنے امور کو عملی صورتوں میں لانا۔ اِسی کا نام سیاست ہے اور اِسی کو پولیٹکس کہتے ہیں۔

[1] ارجح المطالب مطبوعہ لاہور صفحہ ۴۲۳

خلافتِ مرتضوی کا نظامِ ملکی اور [illegible]

اب ہم اپنی موجودہ بحث کو تمام کرکے خلافتِ مرتضوی کے اُن نظامِ ملکی کے حالات کو بیان کرتے ہیں جو باوجود قلتِ وقت اور دقّتِ زمانہ کے سابق خلافتوں کی طرح سیاست کے اعلےٰ پیمانہ پر نہایت بیدار مغزی اور حزم و احتیاط سے عمل میں لائے گئے جس کو دیکھکر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِس خلافت کے نظامِ حکومت اور طرزِ سلطنت پچھلی خلافتوں سے اپنے کسی صیغے میں پیچھے نہیں تھے۔ بلکہ تعلیمِ شریعت اور ترویجِ ہدایت اور دیگر احکام ہدایت وغیرہ میں جو اسلامی خلافت کا خاص حسنِ خدمت اور اسلامی خلیفہ کا پہلا فرض ہونا چاہیے یہ خلافت اپنی سابق خلافتوں سے کہیں آگے تھی۔

نظامِ ملکی کے متعلق مُلک کی خبرگیری اور حفاظت۔ رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک۔ اُنکی ترقی۔ رفاہ و صلاح کی کوششیں۔ انکی تہذیب۔ شائستگی اور تربیت کے انتظام میں پوری توجہ سے کام لیاگیا۔ عاملوں کا تعیّن اور اُن میں قابل ناقابل کی پوری تمیز نہایت احتیاط سے کی گئی۔ مصالحِ مُلکی۔ امنِ عام۔ راستوں کی درستی اور نگہداری۔ قافلوں اور مسافروں کی آرام رسانی اور اُنکی نگرانی نہایت ہوشیاری سے عمل میں لائی گئی۔ لشکر اور اہلِ لشکر کا انتظام انکی دلجوئی میں ہمیشہ خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ عامۃ المسلمین اور اُن کے تمام حقوق کی رعایت مساوات کے اصول پر جس احتیاط اور انصاف سے اِس خلافت کے زمانہ میں کی گئی۔ وہ کسی اور خلافت کے وقت میں نہیں کی گئی۔ رعایا کی دادرسی کے لیے ہر وقت اجازت تھی یہانتک کہ فرائض پنجگانہ کے مخصوص اوقات میں بھی عام طور سے مُلکی مستغیثوں کے استغاثے پوری توجہ سے سُنے جاتے تھے۔ اور اُن کی تمام شکایتوں کا خاطر خواہ فیصلہ کردیا جاتا تھا۔ حفاظت۔ نگرانی۔ ادائے حقوق اور رعایت میں اہلِ اسلام اور اہلِ ذمہ ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ تجّار۔ اہلِ حرفہ اور عام مُلکی پیشہ ور کے محاسن سلوک نہایت خوش اسلوبی سے قائم رکھے گئے۔ اِنکی صنعت اور حرفت کی چیزیں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ اور اُن کی ترقّی اور مالی حالتوں کو ترقّی تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھّا گیا۔ اور اصولِ سیاست کے ساتھ آئینِ تمدّن بھی نہایت توجّہ اور احتیاط کے ساتھ برتے گئے۔ اور ملک کی سیاسی درستی کے ساتھ تمدّنی ترقی کی بھی پوری فکر کی گئی۔ رعایا اور مُلک میں امن و امان قائم رکھنے میں جتنی اور جیسی اِس خلافت کے زمانہ میں کوششیں کی گئیں اور شبانہ روز سخت عرقریزیوں سے کام لیاگیا وہ اور کسی خلافت میں نہیں ہوا۔

اِن امور کے علاوہ کونسے اور دوسرے امور نظامِ ملکی کے متعلق بتلائے جائینگے جنکو جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انجام نہیں دیا۔ یا اُن پر توجّہ نہیں فرمائی۔ یا اُنکو ایک بیدار مغز۔ مدبّر اور کامل متدیّن امیر کی شان میں تنہا ہو کر ادا نہیں فرمایا۔

مسٹر گبن کی غلط فہمی کی معذرت

مسٹر ایڈورڈ گبن۔ ام۔ پی۔ (Mr. Edward Gibbon M.P.) کا اس لکھنے سے جنابِ علی مرتضے علیہ السلام کی چہل سالہ خانہ نشینی نے آپ کی ملک داری اور سیاسی قوائے کو بالکل سُست اور کمزور کردیا تھا۔ بہت سے اہلِ اسلام کو ایک خوفناک غلط فہمی میں ڈالدیا ہے۔ مغربی علماء کے نام پر مرمٹنے والے

حضرات۔ اُنکی تالیفات و تصنیفات کے پایہ کو آجکل وحی متلو سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں جانتے۔ مگر افسوس اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمارے اندرونی حالات بیرونی حضرات میں کس ذریعہ سے پہنچے اور زمانہ کی ناقدردانی۔ ناتوجہی اور تغافل نے اُنکو کس حالت میں اُن تک پہنچایا۔ اوّل تو جناب امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کی نظامِ ملکی خود گھر والوں کو (مسلمانوں ہی کو) معلوم نہیں ہیں۔ اور فضائل۔ مناقب۔ معجزہ۔ کرامات اور شجاعت و دلیری کے سوا آپکی سیاست و تمدن کی حالات پر بالکل پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور عام اہلِ اسلام نے آج تک آپکے اِن حالات کی کوئی تلاش بھی نہیں کی اور نہ اُسکی جمع و ترتیب کی کوئی فکر۔ ہم مشکل سے کسی کتاب کا نام ایسا بتلا سکتے ہیں جس میں آپکی سیاست اور جہانداری کے واقعات ترتیب و تفصیل سے مندرج کیے گئے ہوں۔ پھر جب اپنا گھر ان ضروریات سے خالی ہو تو دوسرے کے گھروں میں اپنی دولت کا سُراغ لگانا فضول اور بیکار ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مسٹر گبن نے اِن تمام حالات کو اسلامی تاریخوں سے لیا ہے۔ اور بدقسمتی سے اسلامی تاریخیں اِن جوہروں سے بالکل خالی ہیں تو پھر مسٹر گبن یہ اسباب کہاں سے لاتے اور یہ مادّے کیونکر فراہم کرتے۔ اگر کم سے کم نہج البلاغۃ ہی کا ترجمہ انگریزی یا کم سے کم اُردو ہی میں ہو گیا ہوتا اور وہ دوسری اسلامی تالیفات کی طرح اطرافِ عالم میں شائع ہو گیا ہوتا تو البتہ مسٹر گبن کے ایسے روشن دماغ مدبّر کو جناب علیؑ مرتضٰے کے نظامِ ملکی کی اعلٰے خوبیوں کا کامل طور سے اندازہ ہو جاتا۔ اور پھر اُسکے ایسا مؤیّد حقوقِ اہلبیت کبھی آپ کے متعلق ایسا بے دھڑک فیصلہ کرنیکی جرأت نہ کرتا۔ یہ اسلامی تاریخوں کی فروگزاشت اور خاموشی ہے۔ جس نے مسٹر ایڈورڈ گبن کو اِس غلط فہمی پر مجبور کر دیا ہے۔ مسٹر گبن کی کیا خطا۔ آنچہ بر ماست از ماست کا سچّا مضمون ہے۔

خلافتِ مرتضویؑ کے نظامِ مُلکی

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی پہلے جس امر کی طرف توجہ فرمائی وہ اُس وقت کی موجودہ بدامنی اور پُر آشوبی کی اصلاح تھی۔ جسکی مدافعت کے دو طریقے تجویز کیے گئے۔ اوّل تو موجودہ اضطراب اور انتشار کی حالتوں میں رعایا کی پوری محافظت اور خبرگیری۔ اُنکے حقوق کی رعایت اور اُنکی کافی دلجوئی اور تسکین و تشفّی تھی۔ دوسرا طریقہ اُسی مدافعت کا اُن بڑے بڑے سرکش مخالفوں کا مقابلہ تھا جو عام طور سے ملک میں بدامنی اور فساد قائم رہنے کی خاص طور پر کوشش کر رہے تھے۔ مگر اِس مدافعانہ مقابلہ سے پہلے جو زمانۂ موجودہ کی قانونی اصطلاح میں صاف صاف حفاظت خود اختیاری کے پورے منشاء ہیں اُنکو صلح و آشتی کے راستوں پر لانے کی فکر بھی اِس میں ضرور شامل تھی۔

ہم اپنے موجودہ سلسلہ کو خلافتِ مرتضویؑ کے پہلے اختیار کردہ طریقہ کی تفصیل سے شروع کرتے ہیں اور اسی کے ضمن میں رعایا کے تمام جزوی اور کلّی تعلقات کو سلسلہ وار بیان کرتے ہیں۔

امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام نے مُلکی رعایا کو اپنی خلافت کے زمانہ میں دو بڑے حصّوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ اوّل حصّہ رعایا کا وہ تھا جو سلطنت کا ملازم تھا۔ اور اِس میں **فوج۔ کاتب**

رعایا کی تقسیم اور اُنکی جداگانہ تفصیل

قاضی اور عمال شامل تھے۔

دوسرا حصہ رعایا کا وہ تھا جو سلطنت کا ملازم نہیں تھا۔ اور اُن میں اہلِ اسلام۔ اہلِ جزیہ اہلِ صنعت۔ تجار۔ فقراء اور محتاجین شامل تھے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اِن میں سے ہر فرقہ کی ماہیت۔ اُنکے حقوق اور اُنکے ساتھ محاسنِ سلوک اختیار کرنیکے طریقے نہایت توضیح سے علٰحدہ علٰحدہ خود بیان فرمائے ہیں اور اُنکی حفاظتِ جان و مال۔ دلجوئی۔ خاطرداری استحفاظتِ حقوق اور اُنکے ساتھ ہمیشہ ملائمیت اور نرمی سے پیش آنیکے لیے ماتحت عمالان خلافت کو جو مختلف علاقوں پر خلافت کی طرف سے حکمرانی کرتے تھے سخت تاکیدوں کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے۔ اب ہم اُنکی ماہیت اور اُنکے حقوق وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

تقسیمِ رعایا کی نسبت جو فرمان جاری ہوا اُس کے تمہیدی مضامین یہ ہیں:۔

اعلم انّ الرّعیّة طبقات یصلح بعضهم بعضها و لا غنیٰ ببعضها عن بعض فمنها جنود الله ومنها اهل الجزیة ومنها کتاب العامّة والخاصّة ومنها قضاة العدل ومنها عمال الانصاف والرفق ومنها اهل الجزیة والخراج من اهل الذّمّة والمسلمة النّاس ومنها التّجار واهل الصّناعات ومنها الطبقة السّفلی من ذوی الحاجة والمسکنة وکلّ قد سمی الله له سهمه ووضع علی حدّه فریضة فی کتابه وسنة نبیّه عهد امنه محفوظًا۔

ملکی رعایا مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک کی اصلاحِ حال دوسرے کی اصلاح سے متعلق ہے اور ایک کو دوسرے کی احتیاج ہے۔ انہی میں خدا کا لشکر (اسلامی فوج) پھر دفتر کے لوگ (جو ملک کا کام کرتے ہیں) قاضی جو تنازعہ معاملات کا فیصلہ کرتا ہے۔ عمال جو سلطنت کی طرف سے حاکم ہوتے ہیں۔ اہلِ جزیہ۔ جو رقم جزیہ دیکر اسلامی حفاظت میں آتے ہیں۔ تجار۔ تجارت پیشہ اقوام۔ اہلِ صنعت۔ ملک کی دستکار قومیں۔ فقراء اور محتاجین جو دوسروں کی استمداد و اعانت پر اپنی گزران کرتے ہیں۔ یہ سب فرقے ملکی رعایا میں داخل ہیں۔ اِن تمام طبقوں کو خدا نے اپنی کتاب میں یاد فرمایا ہے اور سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اِن لوگوں کا ایک ایک حصّہ جُدا جُدا معیّن فرمایا ہے۔ اور اُنکی اعانت اُن سے قوی اور اعلےٰ طبقہ والوں پر واجب اور لازم ٹھیرائی ہے۔

اِس عبارت سے رعایا کے اقسام معلوم ہوگئے۔ ہمارا خیال ہے کہ خلافتِ مرتضوی کے بعد سے اِس وقت تک جس کو قریب ڈیڑھ ہزار برس ہوتے ہیں۔ اِن اقسام کے علاوہ اور کوئی دوسری قسم کی رعایا نہیں دیکھی گئی۔ جس سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی یہ تقسیم ایسی کامل تھی جس میں اُس وقت سے اِس وقت تک پھر کسی قسم کی ترمیم نہیں ہوسکی۔

بہرحال۔ اقسامِ رعایا کی تفصیل لکھکر اب اُنکے حقوق کی تصریح میں جو ارشاد ہوا ہے وہ ذیل میں قلمبند کیا جاتا ہے:۔

لشکر اور اُسکے حقوق

لشکر" فالجنود باذن الله حصون الرّعیة وزین الولایة وعزّ الدّین وسبیل الامن ولیس یقوم الرّعیّة الا بھم ثم لا قوام للجنود الا بما یخرج الله لھم من الخراج الذی یقوّون به علی جھاد عدوّھم ویعتمدون علیه فیما اصلحھم ثمّ تفقد من امورھم ما یتفقد ہ الوالدان من ولدھما ولا یتفاقمنّ فی نفسك شئ قویتھم به۔

لشکر رعایا کی قلعے ہیں کہ رعایا اُنکی حفاظت میں رہتی ہے۔ وہ والیانِ ملک کی زیب وزینت ہیں۔ دینِ الٰہی اور شریعت رسالت پناہی کی عزّت ہیں۔ امن وامانِ ملک کے ذمّہ دار ہیں۔ رعایا بغیر فوج کے نہیں رہ سکتی۔ فوج کے ساتھ تم اپنے محاسنِ سلوک قائم رکھو جس طرح تم اپنے بال بچوّں کے ساتھ کرتے ہو۔ اُنکے ساتھ اس طرح پیش آنا چاہیے کہ وہ راضی اور خوشنود رہیں۔ اور ہمیشہ ایسی باتوں سے اُنکی امداد کرنا چاہیے کہ اُنکی قوّت اور ہمّت میں اضافہ ہوتا رہے۔

لشکر اور اہلِ لشکر کی ماہیت کے بعد اہلِ دفتر کی نسبت تحریر ہے:۔

اہلِ دفتر اور ان کے حقوق

اہلِ دفتر"۔ ثمّ انظر فی حال کُتّابك فولّ علی امورك خیرھم واخصص برسائلك الّتی تدخل فیھا مکائدك واسرارك باجمعھم لوجوہ صالحا۔

دفتر کے لوگوں کے احوال پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے۔ جو اُن میں بہمہ صفت موصوف ہو اُسکو اختیار کرنا چاہیے یعنی اُسکو ترقی دینی چاہیے۔

قاضی اور اُسکی تعریف

اہلِ دفتر اور کتابت کا کام کرنیوالوں کے بعد قاضی یا قضا کا کام کرنیوالے کی تعریف اور اُسکے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں اور سلطنتِ اسلامی کے تمام انتظامی افسروں میں جیسا اس منصب اور صیغہ کا حاکم جوابدہ اور ذمّہ دار ہے اُتنا کسی دوسرے صیغہ یا محکمہ کا نہیں۔

قاضی کی ضروریات اور اُس کے اوصاف

قضا کا دفتر" ایسے ضروری اور جوابدہ منصب کی ماہیت اور اُسکی ضروریات ان الفاظ میں بیان فرمائی جاتی ہیں۔

ثمّ اختر للحکم بین النّاس افضل رعیّتك فی نفسك ممن لا یضیق به الامور ولا تمحکه الخصوم ولا یتمادی فی الذّلّة ولا یحصر من الفئ الی الحقّ اذا عرفه ولا تشرف نفسه علی طمع ولا یکتفی بادنی فھم دون اقصاہ اوقفھم فی الشّبھات واخذھم بالحجج واقلّھم تبرّما بمراجعة الخصم واصبرھم علی تکشف الامور واصرمھم عند اتضاح الحکم ممّن لا یزدھیه اطراء ولا یستمیله اغراء واولٰئك قلیل ثمّ اکثر تعاھد قضائه وافسح له فی البذل ما یزیح علته وتقل معه حاجته الی النّاس واعطه من المنزلة لدیك ما لا یطمع فیه غیرك من خاصتك لیامن بذلك اغتیال الرّجال له عندك فانظر فی ذلك نظرا بلیغا فان ھذا الدّین قد کان اسیرا فی ایدی الاشرار یعمل فیه بالھوی ویطلب به الدّنیا۔

قضا کا عہدہ رعایا میں سے اُس شخص کے سپرد کرو جو اُن میں سب سے افضل ہو۔ اور معاملات کی یورش سے نہ گھبراتا ہو۔ اور لوگوں

کی کثرت دیکھکر پریشان نہ ہوتا ہو۔ اگر کوئی خطا کرے تو اپنی خطا پر ضد نہ کرتا ہو۔ جب کوئی امرِ حق اُسپر ظاہر ہو جائے تو اُس کے تسلیم کرنے میں توقف نہ کرتا ہو۔ اُس کے نفس میں طمع کا گزر نہ ہو۔ اور تا وقتیکہ معاملہ کی تہ تک نہ پہنچ لے اپنی کم فہمی پر اعتبار نہ کرتا ہو۔ اور شبہہ کے اوقات میں معمول سے زائد غور و فکر کرتا ہو۔ اور اُس میں جو راستی اور دیانت کا راستہ ہو وہی اختیار کرتا ہو۔ مرجوعات کے وقت لوگوں کو دیکھکر ترش رو نہ ہوتا ہو۔ ہر امر کے سُراغ لگانے میں نہایت استقلال سے کام کرتا ہو۔ جب کسی معاملہ میں حقیّت کی رو سے مناسب تجویز کر چکا ہو تو پھر اُسکے اجرا میں مطلق دیر نہ کرتا ہو۔ اور بغیر کسی کے انتظار کے اُسکو فیصل کرتا ہو۔ اگر لوگ اُسکی تعریف و توصیف میں مبالغہ کرتے ہوں تو وہ اُس پر پھول نہ جاتا ہو۔ اگر کسی امر میں اُس سے سفارش کریں تو وہ راہِ حق سے متجاوز نہ ہوتا ہو مگر ایسے لوگ جن میں یہ تمام اوصاف موجود ہوں بہت کم ہاتھ آتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں قاضی مقرر کیا جاوے تو اُس ملک کے گورنر یا عامل کا فرض ہے کہ وہ اُن معاملات کی جو دار القضا میں پیش ہوتی ہوں پوری نگرانی کرے۔ اور جن معاملات کو وہ چھوڑ دے اُن سے غفلت نہ کیجائے۔ بیت المال سے قاضی کا وظیفہ اتنا مقرر ہونا چاہیے کہ پھر اُس کو رشوت لینے کی ضرورت نہ باقی رہے اور وہ دوسروں کا محتاج نہ ہو۔ دربارِ حکومت میں قاضی کو صدر کی جگہ دیجائے تاکہ ارا کینِ سلطنت میں اُسکا امتیاز اور اعزاز ہو کہ لوگ اُسے بُرا نہ کہیں۔ اُسکی تحقیر نہ کریں۔ اور اُسکے امور درہم و برہم نہ ہوں۔ اِس سے وہ اپنے مخالفوں سے محفوظ رہیگا۔ اور قبل اسکے کہ وہ ذلیل اور سُبک ہو اِن اندیشوں سے محفوظ ہو جائیگا۔

عمالِ ملکی "محکمۂ قضا کے بعد اُس طبقہ کے جلیل القدر اور عظیم الشّان عہدہ داروں کا ذکر ہے جو باعتبار اپنے اعلےٰ مناصب کے خلافت کی طرف سے ممالکِ بیرونی میں نیابت اور وائسرائیلیٹی Viceroyalty. کے فرائض ادا کرتے تھے۔ اُنکی ذمّہ داریاں اور فرائض۔ اُنکی خدمات کے انجام۔ اُنکے اخلاق و محاسنِ سلوک کے متعلق جیسی جیسی ہدایتیں فرمائی گئیں وہ ایک ایک کرکے ہم ذیل میں لکھتے ہیں:۔ *(حاشیہ: عمال یا والیانِ ملک کی حیثیت)*

ان عملك ليس لك بطعمة ولكنه في عنقك امانة وانت مرعي لمن فوقك ليس لك ان تفتات في رعيّته ولا تخاطر الا بتوثيقه وفي يديك مال من اموال الله عزّ وجلّ وانت من خزانه حتّى تسلمه اليّ ولعلّي ان اكون شر ولاتك۔

ثمّ ان للوالي خاصة وبطانة فيهم استيثار وتطاول وقلة انصاف فاحسم مادة اولئك بقطع اسباب تلك الاحوال ولا تقطعن لاحد من حاشيتك وحامتك قطيعة ولا تطمعن منك في اعتقاد عقدة يضر بمن يليها من النّاس في شرب او عمل مشترك يحملون مؤنته على غيرهم فيكون مهنا ذلك لهم دونك وعيبه عليك في الدّنيا والاخرة والزم الحقّ من لزمه من القريب والبعيد وكن في ذلك صابرا محتسبا واقعا ذلك من قرابتك وخاصتك حيث وقع وابتغ عاقبته بما يثقل عليك منه فان مغبته ذلك محمودة وان ظنّت الرّعية بك حيفا فاصحر لهم بعذرك واعدل عنهم ظنونهم باصحارك فان في ذلك اعذارا تبلغ فيه حاجتك من تقويمهم

علی الحقّ ولاتد فعن صلحا دعاك الیہ عدوك اللہ فیہ رضا فان فی الصلح دعۃ لجنودك وراحۃ لھمومك وامنا لبلادك ولٰکن الحذر من عدوك بعد صلحہ فان العدو ربما قارب لتغفل بالحزم وانہم فی ذٰلك حسن الظن وان عقدت بینك وبین عدوالك عقدا او الیہ منك ذمۃ فحط عھدك بالوفآء وادع ذمتك بالامانۃ واجعل نفسك جنۃ دون ما اعطیت فانہ لیس من فرائض اللہ شیئا النّاس اشد علیہ اجتماء مع تفرق اھوا ئھم وتشتت اٰرائہم من تعظیم الوفآء بالعھود وقد لزم ذٰلك المشرکون فیما بینہم دون المسلمین لما استوبلوا من عواقب الغدر فلا تغدرون بذمتك ولا تحسبن بعھدك ولا تختلن عدوك ایاك والدماء واسفکھا بغیر حلّھا فانہ لیس شئ ادعی لنقمہ والا عظم لتبعتہ ولا خوٰی بزوال نعمۃ وانقطاع مدّۃ من سفك الدّمآء بغیر حقّھا واللہ سبحانہ مبتدی بالحکم بین العباد فیما تسا فکوا من الدّمآء یوم القیمۃ فلا تکونن بسلطنتك بسفك دم حرام فان ذٰلك مما یضعفہ ویبرھر بل یزیلہ وینقلہ ولا عذر لك عند اللہ فی قتل العمد لان فیہ قود البدن وان ابتلیت بخطاء افرط علیك سعطك اویدك بعونتہ فان فی الزّکوٰۃ مما فوقھا معقلہ فلا یطمحن بك نخوۃ سلطانك عن ان تودّی الیٰ اولیاء المقتول حقّھم۔

تمہاری امارت (موجودہ منصب) تمہاری ملکیت نہیں بلکہ مسلمانوں کی امانت ہی جو تمہاری گردنوں میں بندھی ہی اور تم بھی اپنے بادشاہ کے مقابلہ میں ایک رعیت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ تم اسکے ہرگز مجاز نہیں ہوسکتے کہ بغیر اجازتِ سلطانی کے رعایا کے امور میں کوئی تصرّف کرو۔ تمہارے ہاتھوں میں خدا کے مالوں میں سے مال ہے اور تم میری طرف سے اُسکے خزینہ دار ہو جبتک کہ اُسکو میرے سپرد نہ کرلو تم اپنی امانت داری کی جوابدہی سے بری نہیں ہوسکتے مجھکو امید ہے کہ اِن احکام کے نافذ کرنیکی وجہ سے میں تمہارے نزدیک بُرا امیر ثابت نہ ہونگا۔

نوکری میں قرابت کا لحاظ رکھو

بیرونی علاقوں میں عامل ایسے مقرر کیے جائیں جنکا پورا حال پہلے سے معلوم ہو۔ جو لوگ والیانِ ملک سے قرابت کا تعلق رکھتے ہیں اور جو اُنکے ساتھ جامۂ اندرونی کی طرح سے رہتے ہیں۔ اُن میں خاصکر نخوت اور سرکشی کے مادّے ہوتے ہیں اُنکی طبیعتیں ناانصافی اور دست اندازی کی طرف مائل ہوتی ہیں پہلے اُنکا استیصال کرو اور اُنکی پوری تنبیہ کرکے اُنکے مظالم دنیا سے اُٹھا دیے جائیں۔ اپنی قرابتمند اور عزیزوں میں سے کسی کو حکومت کا اختیار نہ دینا چاہیے۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو وہ اپنے اقتدار و اختیار کے باعث اپنے ہمسایوں کو سخت آزار پہنچاتے رہینگے اور غریبوں پر پانی بند کرکے ہزاروں مصیبتوں کے باعث ہونگے۔ جو ملکی خدمات اُنکو اور مُلک والوں کو ملکر آپ کرنا چاہیے وہ آپ نہ کرینگے بلکہ اپنے شرکا پر چھوڑ دینگے۔ اور جو کام خاص اُنہی کو تنہا کرنا چاہیے وہ بھی اپنے خادموں کی سپرد کردینگے۔ الیسی حالت میں اگر نیکنامی ہوئی تو اُسکے دعویدار خود ہوئے اور اگر بدنامی ہوئی تو غریب خادموں کے سر گئی۔

قرابت ملک کو تکلیف پہنچانی نہ دو

رعایا کے اداے حقوق

جسکا حق ثابت ہوجائے اُسکے دلادینے میں ذرا بھی توقف نہ چاہیے اور اپنے پرائے دور و نزدیک عموماً سب کو اپنی نگاہوں میں ایک سمجھو اور ثابت قدمی سے اِس طریقہ پر ہمیشہ کاربند رہو۔ رضائے خدا کی طلب کرنیکی خواہشوں پر مستعد رہکر اسپر عمل کرو۔ عام اِس سے کہ اِس طریقہ سے تمہارے خواص و عوام تم سے خوش ہوں یا ناخوش۔ اگر اِن امور سے کوئی امر تمہارے دل پر

گراں گزرے تو تم اُسکے لیے عاقبت اندیشی سے کام لو اور اُسکے انجام پر نظر رکھو۔ اور ہرگز دل تنگ اور پریشاں خاطر نہ ہو۔
رعایا اگر تم سے تمہارے ظلم و ستم کی شکایت کرے تو تم اُنکو اپنی وجوہات واضح طور سے دکھلا دو۔ اور اُنکو اپنی معقول عذر دکھلا کر اُن کے شاکی دلوں کو اپنا موافق بنا لو۔ اور اُن کو پھر ہدایت پر لگا لو۔

جب تمہارا دشمن تم سے صلح کرنیکی خود درخواست کرے درآنحالیکہ وہ صلح تمہارے لیے مفید ہو تو تم اُسکی استدعا کو واپس نہ دو۔ تمہارے صلح کر لینے سے تمہارے لشکر کو آرام پہنچیگا اور تم کو شبانہ روز کے اندیشوں سے راحت ملیگی۔ تمہارے ملک کے تمام شہروں میں امن ہو جائیگا۔ بدامنی کے اندیشے ملک سے اُٹھ جائینگے۔ مگر با اینہمہ یہ بھی خیال رکھو کہ صلح کرنیکے بعد بھی تم کو اپنے دشمن سے ہمیشہ خوف کرنا ہوگا۔ اور وہ بھی بہت۔ کیونکہ اکثر مخالف ایسے بھی ہوتے ہیں کہ تم سے صلح تو کر لیتے ہیں اور موقع پا کر فوراً اپنے معاہدہ صلح توڑ ڈالتے ہیں۔ جب تم کو وہ غافل پائیگا اپنا کام ضرور نکال لیگا۔ ایسے واقعات میں تم اپنی بیدار مغزی اور مآل اندیشی کو ہاتھ سے نہ دو۔ دشمن سے صلح کرلینا درست ہے مگر ہوشیار رہنا ضروری ہے

مگر ہاں جو عہد تم نے اپنے مخالف سے کیے ہیں اُنکی رعایتوں میں امانت سے کام لو۔ اور اُنکو پورا کرو۔ اور اپنے نفس کو ایفائے وعدہ کے لیے سایہ کی طرح سامنے رکھو۔ اگر تمہارا نفس اُس عہد کے عوض کسی بلا میں پڑتا ہو تو تم اپنے نفس کو اُس بلا میں ڈالدو کیونکہ ایفائے وعدہ خدا کے فرائض میں داخل ہے۔ ایفائے وعدہ سے بڑھکر انسان کے لیے کوئی دوسرا فرض نہیں ہے اور دنیا کے تمام لوگوں نے ایفائے وعدہ کے ضروری اور لازم ہونے پر اتفاق کر لیا ہے اور باوجود مختلف عقائد اور رایوں کے اِسکی ضرورت تسلیم کر لی گئی ہے تو ایسی حالت میں اپنے وعدوں کا وفا کرنا نہایت ضروری ہے۔ جسپر تمام مشرکین اور مسلمین متفق ہو چکے ہیں۔ اور اُسکے بُرے نتیجوں سے جن خرابیوں کا اندیشہ ہوتا ہے قبل از وقت اُن سے پرہیز کرنا واجبات سے ہے۔ مگر با اینہمہ تم کسی کے ساتھ ایفائے وعدہ اُسکی قربت یا رعایت یا اُسکے فریب و دغا دینے کی نیت سے بھی نہ کرو۔ جہانتک تم سے ممکن ہو تم اِن امور میں پاک و صاف رہو۔ معاہدہ پر قائم رہو

ناحق خونریزی سے بچو۔ کوئی چیز عتابِ الٰہی کی اتنی جلد باعث نہیں ہوتی جیسی ناحق خونریزی اور کسی گناہ کی ایسی سخت سزا نہیں رکھی گئی۔ جیسی اِسکی۔ خدا کی نعمتیں جو بندوں پر ہوتی ہیں۔ وہ اِس کی وجہ سے جاتی رہتی ہیں۔ بادشاہوں کی سلطنتیں مٹ جاتی ہیں۔ قیامت کے دن خدا تعالٰے ناحق خونریزی کی پرسش سے ابتدا کریگا اور سب حسابوں سے پہلے اس کا حساب لیا جائیگا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سلطنت اِس سے قوی ہوتی ہے یا اِس کی وجہ سے انتظامِ حکومت میں درستی اور مضبوطی آتی ہے۔ بلکہ بخلاف اِسکے یہ اور خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد سلطنت پر زوال لاتی ہے۔ اور تم لوگ (عمال) ناحق خونریزیوں کے لیے نہ میرے آگے کوئی عذر پیش کر سکتے ہو اور نہ خدائے سبحانہ و تعالٰے کی نزدیک۔ کیونکہ ایسی صورت میں تم سے پورا نقصان لینا چاہیے۔ اور اگر تم سے یہ امر سہواً ہو گیا ہے یعنی مثلاً تم نے کسی کو تہدیداً طمانچہ مارا اور وہ مرگیا تو اُسکی دیت اور خونبہا تم پر لازم ہے۔ غرض کوئی حالت ہو تم اُس کے الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ تم اپنی سلطنت کے موجودہ اقتدار پر مغرور نہ ہو اور اپنے ملک کے مقتولین کے ادائے حقوق میں جو اُنکے اصلی وارثوں کو پہنچتے ہوں غفلت نہ کرو۔ ناحق خونریزی سے بچو

یہ اُن احکام و فرامین کے چند تمہیدی مضامین ہیں جو عرب کے لارڈ Lards Spritual and
Secular. (بادشاہِ دین و دنیا) نے اپنے زمانۂ حکومت میں اپنے ماتحت گورنرس اور دیگر جوڈیشل
آفیسرس Governers & Judicial Officers. (عمال اور قاضیوں) کو اپنی طرف سے اُنکا
دستور العمل بناکر دیے تھے جن کا تفصیلی ذکر بہت جلد آگے آتا ہے۔ اِن احکام کو دیکھکر اور غور سے پڑھکر کیا
اِس وقت کوئی مدبرِ ملکی ایسا ہے جو اِس کے ضروری اور لازمی ہونے سے انکار کریگا۔ یا اُسکو اصولِ سیاست
اور قانونِ تمدن کے خلاف بتلائیگا۔ اگر غور کیا جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ اِس وقت بھی دنیا کی تمام سلطنتیں
بیرونجات میں عمال مقرر کرنیکے وقت انہی ضرورتوں کو مدِ نظر رکھکر اُنکو ایسی ہی ہدایتیں کرتی ہیں۔

اہلِ حرفت و تجارت پیشہ:۔ ملکی رعایا میں اِن لوگوں کی نسبت عاملانِ مُلکی کو ذیل کے مضامین میں ہدایت
فرمائی گئی ہے۔

اہلِ تجارت و حرفت پیشہ

ثم استوص بالتجار وذوی الصناعات واوص لهم خیر المقیم منهم والمضطرب بماله والمترفق
ببدنه فانهم مواد المنافع واسباب المرافق وجلابها من المساعد والمطارح فی برك وبحرك و
سهلك وجبلك وحیث لا یلتئم الناس لمواضعها ولا یجترئون علیها فانهم سلم لا یخاف بائقته
وصلح لا یخشی غائلته وتفقد امورهم بحضرتك وفی حواشی بلادك واعلم مع ذلك ان فی كثیر
منهم ضیقا فاحشا وشحا قبیحا واحتكارا للمنافع و تحكما فی البیاعات وذلك باب مضرة للعامة
وعیبا علی الولاة فامنع من الاحتكار فان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم منع منه ولیكن البیع
بیعا سمحا بموازین عدل واسعار لا یجحف بالفریقین من البائع والمبتاع فمن قارف حكرة بعد
نهیك ایاه فنكل به وعاقبه من غیر اسراف۔

تجار اور اہلِ صنعت کے ساتھ تم اپنے معاملات اور لین دین درست رکھو کہ وہ لوگ خاص شہر کے رہنے والے
اور پردیسیوں کے ساتھ جو اور دوسرے شہروں سے تمہارے شہر میں آئیں اپنی حسنِ معاملت کو قائم رکھیں۔
اہلِ حرفت اور صنعت کے ساتھ بھی تم ایسے ہی لحاظ قائم رکھو کیونکہ ان سے تمہارے ملک کی رعایا کو اُنکے اسباب
زندگانی میں بہت نفع پہنچتا ہے۔ اور تمہارے شہر کے علاوہ جنگل۔ دریا۔ پہاڑ اور ایسے غیر آباد مقاموں کے
رہنے والوں کے لیے اُنکی ضرورت کی چیزیں یہی لوگ مہیا رکھتے ہیں۔ اور جہاں بہت سے آدمی جا نہیں سکتے
یہ وہاں جاتے ہیں اور جو کام اکثر لوگوں سے نہو گا وہ یہ کر گزرتے ہیں۔ اور یہ یاد رکھو کہ اِس طبقہ کے لوگ عام
صلح اور امن و امان پر قائم اور مستعد رہتے ہیں۔ اور ان کے خیال کبھی لڑائی وغیرہ کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

اہلِ تجارت سے سلوک

یہ تمہارے خازن نہیں ہیں جو تمہارے خزانہ میں خیانت کرینگے۔ یہ تمہارے لشکر کے افسر نہیں ہیں جو تم سے سرکشی
یا بغاوت کرینگے۔ ایسی حالت میں تم اہلِ حرفت اور تجارت کا کام خود نکالو۔ اور ان میں سے وہ لوگ جو تمہارے پاس
حاضر نہیں ہیں یا اور ممالک میں دور ہیں تم اُن پر بسبیلِ مناسب نگراں رہو۔ مگر باوجود اس امر کے کہ اہلِ تجارت

[illegible] احتکار [illegible]

ملک کے منافع اور فوائد کے باعث ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات۔ ان میں سے ایسی گندم نمائیاں اور جو فروشیاں دکھلاتے ہیں اور تنگ دلی سے کام لیتے ہیں جو نہایت نازیبا اور ضرر رساں ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ یہ لوگ اکثر اوقات ارزانی کے ایام میں کثرت سے غلہ خرید لیتے ہیں اور قحط سالی کے زمانہ تک اُسکو چھپائے رکھتے ہیں۔ جب ملک میں قحط کا اتفاق ہوتا ہے تب یہ لوگ خلائق کے ہاتھ اُسے رُک رُک کے بیچتے ہیں اور اس بیچنے میں بھی سختی۔ جبر اور تحکم سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ باتیں ایسی ہیں جن سے ملک اور عامۃ الخلائق کو سوائے ضرر اور نقصان کے فائدہ نہ پہنچیگا۔ پس تم اپنے علاقوں میں اہلِ تجارت کو ایسا بند و بست نہ کرنے دو۔ اور ایسی باتوں سے منع کرنیکے تم بیشک مجاز ہو جن کے باعث سے ملک کو نقصان پہنچتا ہے۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسی بیع وشرا کو اپنے زمانہ میں منع فرمایا تھا۔

لین دین کے طریقے

عموماً بیع وشرا ایسی ہونی چاہیے کہ فیما بین معاملت میں مساہلت اور مصالحت ہو اور فریقین آپس میں راضی اور خوشنود ہوں۔ ترازو اور ترازو کے باٹ ہمیشہ پورے درست رہنے چاہییں اور نرخ بھی ایسا قائم ہونا چاہیے کہ جس سے خریدار اور بیچنے والے کو نقصان یا تاوان نہ ہو۔ اور تم گراں کرنے کی نیّت سے غلہ جمع کرنے کے رواج کو توڑ دو۔ تمہارے اِس حکم کے بعد اگر اُن میں سے کوئی شخص پھر ایسی حرکت کا مرتکب ہو تو تم اُس کی سیاست کرو اور شریعت کے مطابق اُسکی جو سزا ہو وہ تم اُسپر پہنچا سکتے ہو۔

اِن احکام کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ خلافتِ مرتضوی نے نظامِ ملکی کے جزوی اور کلّی تمام ضروریات کی طرف پوری توجہ سے کام لیا ہے اور اِن تمام امور کے متعلق ایسی ضروری اور مفید ہدایتیں فرمائی ہیں جو آپ سے پہلی خلافتوں میں کسی ایک نے ایسے احکام اپنے عہد میں نافذ نہیں فرمائے۔

محتاجین اور فقراء۔ تجاّر اور اہلِ حرفہ حضرات کے بعد رعایا کے طبقات میں اخیر نمبر محتاجین اور فقراء کا ہے۔ جن کی نسبت ذیل کی ہدایتیں نافذ فرمائی گئی ہیں۔

ثم جعل اللہ فی الطبقۃ السفلیٰ من الذین لاحیلۃ لھم من المسلمین والمحتاجین واھل البواسی والزمنی فان فی ھٰذہ الطبقۃ قانعا ومعترا واحفظ ما استحفظک من حقوقھم واجعلھم قسما من بیت مالک غلات صوافی الاسلام فی کل بلد فان للاقصیٰ منھم مثل الذی للادنی وکل قد استیدعیت حقہ ولا یشغلنک عنھم نظر فانک لا تعذر بتضئیع النافۃ لاحکامک الکثیر المھم فلا تشخص ھمک عنھم ولا تصعر خدک لھم وتفقد امور من لا یصل الیک الحقیر منھم ممن تقتحمۃ العیون وتحقرہ الرجال ففرغ لاولئک نقیبک من اھل الخشیۃ والتواضع فلیرفع الیک باموزھم۔

اب ہم رعایا کے سب سے نیچے درجہ والوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو کوئی ہنر نہیں جانتے جس سے وہ اپنی گزرانِ اوقات کی کوئی سبیل نکال سکتے ہوں وہ تمہارے ملک کے فقراء۔ مساکین اور اہلِ احتیاج ہیں جو اپنی جگہ سے اُٹھ نہیں سکتے۔ ان میں اکثر ایسے ہیں جو کسی سے کچھ طلب نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی خبر گیری لازم ہے۔ انکے حقوق کی رعایت کا جس طرح

رعایا کے ساتھ محاسن سلوک

جناب باری عزّ اسمہ نے فرمایا ہے ہمیشہ لحاظ رکھو اور بیت المالِ اسلامی میں سے کچھ انکی گزران کے لیے معین کردینا چاہیے اور خالصاتِ اسلامی سے اُنکی وجہ معاش کے لیے کچھ وقف کر دینا لازم ہے اور اِن میں سے جو لوگ تم سے واقفیت رکھتے ہیں یا تم اُنسے واقف ہو۔ دونوں اپنے استحقاق میں تمہارے نزدیک برابر ہیں۔ اور تقسیم بیت المال میں تمہاری واقفیت ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتی۔ تمکو چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی رعایت کو بطور مناسب بجالاؤ۔ اور اپنے موجودہ تعلقات کی وجہ سے اُنکے احوال کی نگرانی سے غافل نہ رہو۔ کیونکہ باوجود اِن امورِ عظیمہ کے جو تم سے متعلق ہیں اور ان میں تم نے اپنی بڑی محنتوں سے کام لیا ہے۔ اگر تم حقوقِ مسلمین کی ادا کرنے میں ذرا بھی سہل انگاری کروگے تو تم ضرور معرضِ عتاب میں پڑوگے اور تمہارے اس عذر کو بوجہ کثرتِ کار یا اور کسی وجہ سے قابلِ سماعت نہ سمجھا جائیگا۔ عاجز اور فقرا لوگوں کی خبرگیری میں اہتمام کرو۔ اور اُنکے ساتھ رعونت اور تکبر سے نہ پیش آؤ۔ اور اُن لوگوں سے وہ لوگ جو خلائق کی نظروں میں ذلیل وخوار سمجھے جاتے ہیں اور اس ذلّت وخواری کی وجہ سے وہ تم تک نہیں پہنچ سکتے ہیں تو تم بذاتِ خاص اُنکے تفقدِ احوال سے غافل نہ ہو اور اپنے خاص لوگوں میں سے جن کے مزاجوں میں انکسار اور تواضع ہو اُنکی خبرگیری کے لیے مقرر کرو کہ وہ ایسے حاجتمند لوگوں کو تم تک پہنچا دینے میں کافی ذریعہ بنیں اور اُنکی ضرورتوں سے تمہیں برابر آگاہ کیا کریں۔

اِن فرامین سے ثابت ہوگیا کہ خلافتِ مرتضوی ؑ نے تفقدِ احوالِ رعایا اور ادائے حقوقِ مساکین ومحتاجین میں ایسی کشادہ دستی سے انتظام فرمایا جس کا جواب کسی اور سلطنت میں نہیں پایا جاتا۔ عمّال کو عام تعلقات میں مصروف رہنے کے باعث دوسرے متدیّن لوگ اِنکی اعانت اور استمداد کے انتظاموں کے لیے علیحدہ مقرر فرمائے گئے اور اُنکے ذریعہ سے اُنکی راحت رسانی اور گزرانِ اوقات کے طریقوں میں پورے طور پر سہولت اور آسانی پیدا کی گئی۔

یہ امر مسلّم ہے کہ اتنے ہی فرقے کے لوگ ایک ملک کی رعایا میں شامل ہوتے ہیں اور اُنکے سچے اور جائز حقوق بھی یہی تھے جن کی تفصیل اور تصریح کامل ہدایتوں کے ساتھ ملکی عمّال کو سخت تاکیدوں کے ساتھ پہنچائی گئی۔ ہم نے جہاں تک اسلامی تاریخوں کی تلاش کی ہے ہمکو یہ امر کامل طور سے ثابت ہوگیا ہے کہ کسی اسلامی فرمانروا نے جنابِ امیر المؤمنین علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے پہلے ملک کی رعایا اور اُنکے مختلف مناصب اور حقوق کو ایسی کامل تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان نہیں فرمایا ہے۔ رعایا کی خوش قسمتی کے لیے اِس سے بڑھکر اور بھی کوئی دوسری گورنمنٹ مل سکتی ہے جو اپنی مُلکی رعایا کے طبقہ میں ایک ایک کے جُدا گانہ فرائض اُنکے ادائے حقوق اُنکی حفاظت ونگرانی اور اُنکے ساتھ اپنے محاسنِ سلوک قائم رکھنے کے لیے اپنے ماتحت والیانِ ملک کو ایسی تاکیدوں کے ساتھ ہدایت کرے اور نظامِ مُلکی کی ضرورت کے مطابق ہونیکے علاوہ اِن امور کو شریعتِ خداوندی کے موافق بھی پورا پورا ثابت کرے۔ کیا عرب کی تاریخ حکومت میں خلافتِ مرتضوی ؑ کی اِن حسن تدبیروں کی مثال دکھلائی جاسکتی ہے اور فرمانروایانِ اسلامی کی فہرست میں اُنکے سوا کسی دوسرے حکمران کا ایسا نام بتلایا جاسکتا ہے جس نے رعایا کی خبرگیری اُنکی رفاہ اور حفاظتِ حقوق کی نسبت ایسے نادر اور مشفقانہ

احکام صادر فرمائے ہوں۔ ہم کافی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ایسی حکومت۔ ایسی سلطنت اور ایسی خلافت اُس مُلک اور اُس رعایا کے لیے بیشک خدا کی رحمت۔ خدا کی نعمت اور خدا کی عین عنایت ہے جس نے اپنی خوش قسمتی سے ایسا ہمدرد۔ دلسوز اور شفیق فرمانروا پایا ہو۔

نظامِ ملکی کے ہر صیغے کی تفصیل

ہم اپنے موجودہ بیان کو عمّالِ ملکی کے انتقاد سے شروع کرتے ہیں۔ والیانِ ملک کا جیسا عظیم الشّان اور جلیل القدر منصب ہوتا ہے اس کو ہر شخص بخوبی سمجھتا ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ ہم اپنے سلسلۂ بیان کو اُنہی لوگوں کے احوال سے شروع کریں۔

عاملوں کے اوصاف

خلافتِ مرتضویؑ میں عام طور سے وہی بزرگوار اس معزز عہدے پر مامور فرمائے جاتے تھے جو اپنے محاسن اوصاف سے آراستہ و پیراستہ ہوا کرتے تھے۔ اور اِن تمام امور کے علاوہ جنابِ سید المرسلین سلام اللہ علیہ و آلہ اجمعین کی صحبت سے فیضیاب ہو چکے تھے اور خلفائے سابقین کی خدمات میں بھی اپنی استعداد و قابلیت کا اظہار کر چکے تھے۔ اِن امور سے قطع نظر کرکے وہ سب اوصاف اُن بزرگواروں میں ہوتے تھے جو ایک والیِ ملک کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اور تاوقتیکہ یہ اوصاف اُن میں پائے نہ جائیں کسی ملک یا علاقہ میں مقرر نہیں کیے جاتے تھے۔ اِنکے تعیّن کے وقت رعایا کی نگرانی۔ ملک کی آبادی۔ ظلم و تعدّی کی ممانعت۔ تقوٰے اور دینداری کی متابعت۔ خلافت کی اطاعت۔ فوج کی حفاظت اور بیت المال کی امانت وغیرہ وغیرہ۔ اِن امور کی نسبت ممیّزینِ اسلام کے سامنے اقرار لے لیا جاتا تھا۔

عاملوں کو اخلاقی ہدایتیں

والیانِ ملک کی ہدایتیں جو اُنکے دستور العمل میں درج کیجاتی تھیں جنکا ذکر کسی قدر اوپر ہو چکا ہے۔ صرف اُنکے امورِ ملکی ہی کے متعلّق نہیں ہوا کرتی تھیں بلکہ خاص اُنکے اخلاق کی درستی۔ شائستگی اور تہذیب کے متعلّق بھی اُنکے ادائے فرائض اور خدمات کی انجام دہی کے لیے اکثر کاموں کو اپنے ہاتھوں سے خود کرنیکی سخت تاکید کی جاتی تھی۔ اِسکے متعلّق جو ارشاد ہوا ہے وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے:-

ثم امور من امورك لابد لك عن مباشرتها منها اجابة عمالك بما يعيىٰ عنه كتّابك ومنها اصدار حاجات الناس عند ورودها عليك بما تحرج به صدور اعوانك وامض لكل يوم عمله فان لكلّ يوم مافيه۔

اپنا کام آپ کرو

اب چند باتیں ایسی ہیں جو خاصکر تمہارے (عمّال کے) لیے ضروری ہیں۔ اُن میں سے ایک مراسلات ہے۔ تم اپنے خطوط کے جواب آپ لکھا کرو۔ انکو اپنے دفتر کے لوگوں پر نہ چھوڑا کرو۔ دوسرے اہلِ احتیاج کی رفع حاجت ہے۔ اُنکی حاجتوں کو تم خود پورا کیا کرو۔ اپنے کسی خادم پر نہ اُٹھا رکھو۔ جو کام جس دن کا ہو اُسی دن انجام دو۔ کیونکہ شاید دوسرے دن تم کو اُس سے بھی کوئی بھاری کام نکل پڑے۔

اِسی طرح والیانِ مُلک کو خود نمائی اور اظہارِ تمکنت وغیرہ بُری باتوں سے ہمیشہ بچنے کے لیے اِن الفاظ میں تاکید فرمائی گئی ہے۔

فلا تطولنّ احتجابك عن رعيتك فان احتجاب الولاة عن الرّعية شعبة من الضيق وقلّة علم بالامور والاحتجاب منهم يقطع عنهم علم ما احتجبوا دونه فيصغر عندهم الكبير ويعظم الصغير ويقبح الحسن ويحسن القبيح ويشاب الحق بالباطل وانما الوالی بشر لا يعرف ما توارى عنه الناس به من الامور وليست على الحق سمات يعرف بها ضروب الصدق

رعایا سے پردہ میں نہ رہو

تم اپنی رعایا سے اپنے آپ کو پردے میں نہ رکھو۔ (عام صحبت یا دربار میں بیٹھو اور زیادہ خلوت میں نہ رہو) ایسی صحبت نہ رکھو کہ غریب رعایا تم تک نہ پہنچ سکے۔ اور یوں چھپکر اُنکے دلوں کو نہ توڑو۔ کیونکہ تمہارے پردے میں رہنے سے تمہاری رعایا کو تمہاری ناتوجہی اور بے التفاتی کی شکایت کا پورا موقع ملیگا۔ اور تمہارے اِس امر پر رعایا کو تم پر غفلت کا الزام لگانیکا قابو۔ اگر تمام والیانِ ملک اِس قاعدہ کو پڑھ لیں گے اور اپنے لیے عام دربار مقرر نہ کرینگے تو بہت سے امورِ ملکی اُنکی آنکھوں سے پوشیدہ رہینگے۔ پھر وہ اپنی تحقیق کی نظر کو اپنے ممالکِ محروسہ کی چاروں طرف نہیں پھرا سکتے۔ چھوٹے کام اُنکی نگاہوں میں بڑے معلوم ہونگے۔ اور بڑے کام چھوٹے۔ اچھی اور عمدہ باتیں نازیبا اور قبیح معلوم ہونگی اور بُری اور نازیبا باتیں اچھی اور مناسب نظر آئینگی۔ اور حق کو حق اور باطل کو باطل نہ سمجھینگے۔ اور جب اتنی باتیں ایک آدمی سے جاتی رہیں تو پھر اُس میں کیا رہا۔ تم ایک ملک کے والی ہو۔ اِس سے زیادہ نہیں۔ اور مستغیث یا کوئی اور تمہارا حاجتمند ایک آدمی ہے تمہارے ایسا۔ اُس کو غیب کی باتوں کا علم نہیں اور وہ اُنپر کچھ عبور نہیں رکھتا جو عموماً اُسکی آنکھوں سے چھپا ہے۔ امرِ حق کی کوئی صورت خاص نہیں ہوتی ہے جس سے ہمیشہ اُسکی پہچان ہو جایا کرے

والیانِ ملک کو اُنکے تعین کے وقت اُنکے ادائے فرض کے لیے خاصکر ایک علحدہ ہدایت نامہ دیا جاتا تھا۔ جس میں اُنکے معزز عہدے کی تمام خدمات اور اُنکی تعمیل کے طریقے نہایت تفصیل سے بتلادیے جاتے تھے۔ وہ یہ ہے:۔

اعلم انی قد وجهتك الی بلاد قد جرت علیه دول قبلك من عدل وجور وان الناس ينظرون من امورك فی مثل ما كنت تنظر فيه من امور الولاة قبلك ويقولون فيك ما كنت تقول فيهم وانما يستدل على الصّالحين بما يجری الله لهم على السن عباده فليكن احب الذّخائر اليك ذخيرة العمل الصّالح فاملك هواك وشح بنفسك عما لا يحل لك فان الشّح بالنفس الانصاف منها فيما احببت او كرهت واشعر قلبك الرحمة للرعية والمحبة لهم واللطف بهم ولا تكونن عليهم سبعا ضاريا تغتنم اكلهم فانهم صنفان امّا اخ لك فی الدّين او نظير لك فی الخلق يفرط منهم الذلل وتعرض لهم العلل ويوتی على ايديهم فی العمد والخطاء فاعطهم من عفوك وصفحك مثل الذی تحبّ ان يعطيك الله من عفوه وصفحه فانك فوقهم ووالی الامر عليك فوقك والله فوق من ولّاك وقد استكفاك امرهم وابتلاك بهم ؛

والیان ملک کے فرائض کا عام دستور

اسکو تم سمجھ لو کہ میں نے تمہیں ایک ملک کی امارت پر بحال کرکے بھیجا ہے۔ جہاں تم سے قبل بھی دوسروں کی حکومت ہو چکی ہے اور اُن حکومتوں میں انصاف بھی ہوا ہے اور ظلم بھی۔ اب اِس وقت یہاں کی رعایا خاصکر تمہارے محاسنِ سلوک پر نظر ڈالیگی اور اس امر کی آزمائش کرنیکا اُسکو پورا موقع ملیگا کہ وہ لوگ دیکھیں کہ تم اُنکے ساتھ اُنہی کے ایسے پیش آتے ہو جیسے اُنکے پہلے حکمران تھے۔ اور تم بھی دیکھو کہ یہ لوگ تمہارے حق میں بھی وہی باتیں کہتے ہیں جو اپنے سابق فرمانرواکے

حق میں کہتے تھے۔ اور کسی والیِ ملک کی ناموری اور نیکنامی کی دلیل اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتی کہ اُسکے ملک کی رعایا اُسکی نیکنامی اور محاسنِ سلوک پر گواہی دے اور اُنکا اعتراف کرے اور اُسکے دوستانہ اشفاق کے تذکرے اپنی صحبتوں میں کریں۔ تم کو لازم ہے کہ اپنی نیکیوں کے ذخیرے کو سب ذخیروں سے زیادہ سمجھو۔ اور نیک نامیوں کے ذخیرے میں سے سب سے اچھا وہی ذخیرہ ہے جو بندگانِ خدا کو راضی اور خوشنود رکھکے جمع کیا جائے۔ اپنی خود غرضی کے تابع نہ بنو اور جو کچھ تم پر جائز نہیں کیا گیا اُسکی طرف نظر نہ کرو۔ اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں تم تنگدلی نہ کرو مگر اُن چیزوں میں جو ضروری ہوں۔ اُن تمام چیزوں سے تم اپنی حفاظت کرو جن کو تم چاہتے ہو۔ تم اپنے دل کو ہمیشہ رعایا کی محبّت۔ مجبور اور ضعیفوں کے ساتھ رحمت کرنیکے لباسوں سے آراستہ رکھو۔ اور اُن کو معاملت کے مستحسن طریقے تعلیم کرو۔ رعایا کے ساتھ حیوان درندہ کے ایسا نہ پیش آؤ کہ اُنکو پکڑ کر کھا جاؤ اور اُنکی جان و مال کو نقصان پہنچاؤ۔

یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری ماتحت رعایا دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو باعتبار اسلام کے تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو باعتبار بشریت اور خلقت کے تمہارے ہمسر ہیں۔ مگر تمہارے دین میں شریک نہیں ہیں پس اگر ان لوگوں سے کوئی نادانستہ خطا سرزد ہو یا دانستہ تو تم کو چاہیے کہ اُن امور سے خبردار ہو لو۔ اور اُسکی پوری تحقیق کر لو۔ وہ صرف تم کو اپنا متلاشی پاکر اُس خطا سے باز آئینگے اور پھر اُسکے پاس نہ جائینگے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حق سبحانہ و تعالےٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے تو تم اپنی رعایا کے قصوروں کو معاف کر دیا کرو۔ کیونکہ تم ان سے قوی ہو۔ اور خدا تعالےٰ تم سے کہیں قوی ہے۔ خدائے تبارک و تعالےٰ نے تمہیں اِنکے انجاحِ مطالب کے لیے اجازت دی ہے اور تم کو انکے امور کا نگراں بنایا ہے۔

خلافتِ روحانی اور سلطنتِ آسمانی کے احکام ایسے ہوتے ہیں جنکے حرف حرف سے کمال عدالت۔ شفقت۔ اخلاق اور اشفاق کا پورا پورا اظہار ہوتا ہے۔ سمجھ لینے کو یہی کافی ہے کہ جس ہمدرد اور شفیق فرمانروا نے اپنے بیرونی ماتحتوں کو ان محاسن کے ظاہر کرنے اور قائم رکھنے ایسی تاکیدیں اور تائیدیں فرمائی ہیں اُسکے ذاتی محاسنِ اخلاق اور مکارمِ اشفاق کیسے ہونگے۔ ان احکام میں ملک کی رعایا کے رفاہ و فلاح کی نسبت وہ اور کونسے امور باقی ہیں جو اِس مختصر سے دستور العمل میں نہیں پائے جاتے۔

اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں اُن بزرگواروں کی فہرست اور اُنکے ذاتی محاسن اور اعلےٰ خدمات ذیل میں درج کرتے ہیں جو جنابِ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے زمانہ میں بیرونی ممالک اور صوبجات پر امارت و ولایت کے عظیم الشان عہدوں کے ساتھ ممتاز تھے۔

خلافت مرتضوی کے والیان ملک کی فہرست اور ان کا حال

ذاتی محاسن	مقام مامور یت	نام	نمبر شمار
حبیب العلم بین الصحابہ۔ ان کے اوصاف میری کسی تقریح کے محتاج نہیں۔	یمن	عبد اللہ ابنِ عباس رضؓ	۱

کتبخانہ وقف مدرسہ

نمبر	نام	مقام ماموریت	ذاتی محاسن
۲	معقل ابنِ قیس ریاحی رضہ	بصرہ	کوفہ کے مشہور رئیسوں میں تھے۔
۳	عبید اللہ ابنِ عباس رضہ	بصرہ	فضل وکمال میں اپنے بھائی کے ہمسر تھے۔
۴	عثمان ابنِ حنیف انصاری رضہ	بصرہ	خلافتِ ثانیہ میں اضلاع فرات کے افسرِ بندوبست تھے۔ اور حساب وکتاب اور علم المساحت کے بہت بڑے ماہر تھے۔ غزوۂ بنی نضیر میں آپکے محاسنِ خدمات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مسرّت کے بہت بڑے باعث ہوئے۔
۵	سہیل ابنِ حنیف الانصاری رضہ	مدینہ	جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مشہور صحابی تھے۔
۶	ابو ایوب انصاری رضہ	مدینہ	جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے معزز اور ممتاز صحابیوں میں شمار ہوتے تھے۔ غزوۂ احد میں حضرت حمزہؑ اور حضرت علی مرتضےٰ علیہ السّلام کے ہمراہ انکی کوششیں بہت کچھ قابلِ قدر ثابت ہوئیں۔ انکا مزارِ شریف قسطنطنیہ میں واقع ہے جو سلطان المعظم کی طرف سے نہایت آراستہ وپیراستہ ہوکر آج تک مرجع خاصؐ وعام بنا ہوا ہے۔
۷	قثم ابنِ عباس رضہ	مکہ	فضل ومراتب میں یہ اپنے بھائیوں کے ہمسر تھے۔
۸	مالک ابنِ کعب رضہ	عین التمر	اکابر صحابہ میں داخل ہیں۔ ابیُ ابنِ کعب کے بھائی ہیں۔
۹	قیس ابنِ سعد ابن عبادہ رضہ	علاقۂ مصر	جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جلیل القدر صحابیوں میں تھے شجاعت۔ دلیری اور معرکہ آرائی میں تمام عرب کے سرمایۂ ناز تھے۔
۱۰	محمدؐ ابنِ ابی بکرؓ الصدّیق	یمن	خلیفۂ اول کے بڑے صاحبزادے۔ ان کے اوصاف میرے کسی بیان کے محتاج نہیں۔
۱۱	حذیفہ ابنِ الیمان رضہ	مدائن	جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مشہور رازدار تھے جن کو آپ نے تمام منافقین کے نام تبلادیے تھے۔
۱۲	مالک اشتر رضہ	حمص	شجاعت اور دلیری میں بے نظیر تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں محاصرۂ روم کے وقت جو دلیرانہ کوششیں انہوں نے اسلامی فتوحات کے لیے کیں وہ نہایت ہی قابلِ قدر تھیں۔ انکے محاسن خدمات کی تفصیل راس کتاب میں بالتّصریح موجود ہے۔
۱۳	مخنف ابنِ سلیم رضہ	اصفہان	بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔
۱۴	عمرو ابنِ سلیمہ ہروی رضہ	بحرین	سیاست وتدبّر میں مشہور ومعروف تھے۔

نمبر شمار	نام	مقام ماموریت	ذاتی محاسن
۱۵	اسود ابنِ قرطبہ رضہ	حلوان	بہت بڑے رتبہ کے بزرگ تھے۔
۱۶	کمیل ابنِ زیاد نخعی رضہ	ہیت	دینداری۔ تقوے اور علم المساحت میں آپ بہت بڑے ممتاز تھے۔
۱۷	محمد ابنِ سلیمہ رضہ	اردکشیر	عرب کے بہت بڑے خاندانی تھے
۱۸	یزید ابنِ قیس رضہ	مدائن	نہایت بڑے بزرگ تھے۔
۱۹	مخنف ابنِ سلیم رضہ	ہمدان	مشہور و معروف صحابی ہیں۔
۲۰	قدامۃ ابنِ کعب انصاری رضہ	بہقازات	مشہور و معروف صحابی ہیں۔
۲۱	قدامۃ ابنِ مظعون رضہ	علاقۂ کسکر	جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے جلیل القدر صحابی۔
۲۲	ابو حسّان بکری رضہ	آستانِ عالی	بہت بڑی لیاقت کے آدمی تھے۔
۲۳	ربعی ابنِ کاسن تمیمی رضہ	سجستان	سیاست اور تدبیر میں بہت بڑی قابلیت رکھتے تھے۔
۲۴	خلید رضہ	خراسان	ایضاً
۲۵	شنصب رضہ	غور	ایضاً
۲۶	زیاد ابنِ سمیہ	کوفہ	ایضاً

یہ وہ ذی جوہر اور صاحبِ استعداد بزرگ تھے جو خلافتِ مرتضوی کے ارکان تھے۔ اور جن کے مقدس ہاتھوں میں بلادِ اسلامیہ کے تمام اندرونی و بیرونی ملکی تعلّقات کے اختیارات تفویض فرمائے گئے تھے۔ امیر المومنین علیہ السّلام کی بیدار مغزی اور عاقبت اندیشی کی ایک بہت بڑی مثال اِس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے کہ جنابِ امیر علیہ السّلام نے عمالِ مُلکی کو اُنہی کی ذات تک ہدایتیں نہیں فرمائی ہیں۔ بلکہ یہ سمجھکر کہ اتنے بڑے جلیل القدر منصب والے کے لیے ایک مشیر اور وزیر کی بھی اکثر ضرورت ہوتی ہے۔ اِس خاص طبقہ والوں کے متعلق بھی ویسی ہی مفید اور ضروری ہدایتیں ارشاد فرمائیں جن کا خلاصہ ذیل میں مندرج ہے۔

وزیر اور سلطنت کے مشیر:۔ ثم انظر فی حال کتابك فولّ علےٰ امورك خیرهم واخصص رسائلك التی تدخل فیها مکائدك واسرارك باجمعهم لوجود صالح الاخلاق ممن لا تبطره الکرامة فیجتری بها علیك فی خلافٍ لك بحضرہ ملاء ولا تقصّر به الغفلة عن ایراد مکاتبات عمالك علیك واصدار جواباتها علے الصواب عنك فیما یاخذ لك ویعطی منك ولا یضعف عقداً اعتقده لك ولا یعجز عن اطلاق ما عقد علیك ولا یجهل مبلغ قدر نفسه فی الامور فان الجاهل بقدر نفسه یکون بقدر غیره اجهل ثم لا یکن اختیارك ایاهم علےٰ فراستك واستنامتك وحسن الظن منك فان الرجال یتعرفون لفراسات الولاة بتصنعهم وحسن خدمتهم ولیس وراء ذالك من النّصیحة والامانة شیء ولکن اختبرهم بما ولوا للصالحین قبلك فاعمد لاحسنهم وکان فی العامه اثرا واعرفهم بالامانة وجها۔

اب تم اپنے دفتر کے لوگوں - وزیروں اور مشیروں کی طرف توجہ کرو - جو ان میں یہہ صفت موصوف ہو اُسی کو اختیار کرو۔ تمہارا وزیر وہ ہونا چاہیے جو تم سے خدمت پاتے ہی اپنے جامہ سے باہر نہ ہو جائے اور اپنی راہ سے بے راہ نہ چلے۔ اور دوسرے جلسوں میں بیٹھکر تمہاری مخالفت پر جرأت نہ کرے اور اُن حالات کے بیان کرنے اور اُن عرائض کے پڑھنے میں خطا نہ کرے جو تمہارے ماتحت لوگ تمہاری خدمت میں بھیجتے ہیں اور پھر تم سے اُنکے جواب لینے میں توقف نکرے۔ تمہارے اور تمہاری رعایا کے درمیان جو اقرار ہوں وہ خود اُن کو اچھی طرح جانچ لے اور جب رعایا کے ساتھ تمہارے خاص معاہدہ کا موقع آجائے تو وہ اُس تعہد میں خوب غور و فکر کرے۔ جو معاہد تمہاری طرف سے وہ کرے اُنکو مضبوط ہونا چاہیے اور جو معاہد دوسروں سے تمہارے لیے ہوں وہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہ پھر وہ اُسکی تعمیل میں عاجز نہ پایا جائے۔ عام لوگوں میں اپنے حفظِ مراتب کو پہچانتا رہے اور اپنے انداز اور بساط کو کبھی نہ بھولے۔ اور تاوقتیکہ کوئی شخص اپنی ذات کو اچھی طرح نہ پہچانیگا دوسروں کی قدر کو کیا سمجھیگا۔ بااینہمہ تم جس شخص کو اپنا مشیر یا وزیر بناؤ تو اُسکی خوبی اور صلاح کی وجہ سے اپنی خاص عقل کو معطل نہ چھوڑو۔ اور صرف اپنے حسنِ ظن کو جو اُسکی ظاہری خوبیوں کی وجہ سے تمکو حاصل ہوا ہے کافی نہ سمجھو۔ کیونکہ ایسے لوگ صرف اپنے محاسنِ ظاہری کے اظہار کے لیے طرح طرح کے مصنوعی تعلقات سے اپنے آپ کو آراستہ رکھتے ہیں اور اپنی دلکش اور دلفریب باتوں سے تمکو اپنا معتقد بناتے ہیں اور حالانکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ اُسپر عمل نہیں کرتے اور جو کچھ وہ تمہیں دکھاتے ہیں اُن میں سے اُن کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ تم کو اُنکا امتحان اُن کی ایسی خدمات سے لینا چاہیے جو اُنہوں نے کسی وقت میں دکھلائی ہوں۔ اور جو نمود اریاں اور نیکنامیاں تم سے قبل اُن سے عمل میں آئی ہیں۔ تم اُنہی کو اُنکی قابلیت کی دلیل مانو۔ اب ایسے لوگوں میں سے جن لوگوں کے محاسنِ خدمات تم پر اچھی طرح ظاہر ہو گئے ہوں اور جو تمہاری تحقیق میں امانت اور دیانت اور ذاتی فضیلت کے اعتبار سے سب میں زیادہ ہو وہی تمہاری پیشدستی اور وزارت کے قابل ہوگا۔

بہرحال۔ والیانِ ملک اپنے اپنے ماتحت علاقوں اور صوبوں کے نگران تھے اور اُنکی نگرانی خلیفۂ عصر اور خلافت سے متعلق تھی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے محاسنِ سلوک ایسے ہی انصاف و عدالت پر مبنی تھے کہ کبھی والیانِ ملک کی کسی امر کی شکایت کا موقع رعایا کو نہ ملا۔ مگر تاہم امیر المؤمنین علیہ السلام کی خبر گیری کی آنکھ اُن کے تفحصِ احوال سے غافل نہیں رہی۔ اور باوجود روزانہ ترددات کے امیر المؤمنین علیہ السلام ہمیشہ اُن کے حالات کی تلاش اُسی طرح فرماتے رہے۔ جس طرح مخالف کی حرکات کی۔ معمولی سے معمولی شکایتوں پر بھی اُنسے سخت کیفیت طلب کیجاتی تھی۔ اور ذراسی اطلاع پر بھی اُنکی پوری تحقیق کیجاتی تھی۔

اشعث ابنِ قیس۔ حضرت ابی بکر صدیق کے سالے آذربائجان کے عامل تھے۔ مگر یہ خراج اور خود پسند ضرور تھے۔ چند دنوں کے بعد انہوں نے بیت المالِ اسلامی پر دستِ تصرف دراز کرنا چاہا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اِسکی خبر لگ گئی۔ اُنکے نام جو چشم نمائی کا خط لکھا گیا اُس کے مضامین عمّال کی ہدایت میں اوپر لکھے گئے ہیں۔

اِسی طرح عثمانؓ ابن حنیف الانصاری کا واقعہ ہے۔ یہ بزرگ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت عمر کی خلافت میں اضلاع فرات کے افسرِ بندوبست تھے۔ اِس وقت بصرہ کے عامل تھے۔ بصرہ کے کسی متموّل شخص کے ہاں دعوت تھی جس میں خاصکر عمائد اور امراء طلب کیے گئے تھے۔ عثمان بھی مدعو تھے۔ یہ اُس صحبت میں شریک بھی ہوئے۔ دار الامارۃ بصرہ سے دار الخلافتِ کوفہ تک اس دعوت کی بو پھیل گئی۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو امراء کی تخصیص نہایت بُری معلوم ہوئی۔ عثمان ابنِ حنیف کو سخت چشم نمائی میں بہت بڑا ہدایت نامہ لکھا گیا جس کے تمہیدی مضامین کی نقل پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

یا بن حُنیف الانصاری قد بلغنی ان رجلاً مِن فتیة اهل البصرة دعاك اِلیٰ مائدۃ فاسرعت الیها تستطاب لك الالوان وتُنقَلُ الیك الجفانِ وماظننت انّك تُجیب اِلیٰ طعام قوم عائلهم مجفوٌّ وغنیُّهم مدعو +

میں نے سُنا ہے کہ رؤسائے بصرہ میں سے کسی شخص نے تمہاری دعوت کی۔ تم کو بُلایا اور تم جلدی سے دوڑے چلے گئے اور اُس دعوت میں حاضر ہوگئے۔ وہاں تمہارے لیے اچھے اچھے اور لذیذ کھانے چُنے گئے۔ اور کھانوں سے بھرے ہوئے خوانوں پر خوان تمہارے پیشکش کیے گئے۔ مجھ کو تمہاری طرف سے اِس امر کا یقین ہرگز نہیں تھا کہ تم اُن لوگوں کی دعوت قبول کروگے جو خاصکر اپنے شہر کے فقراء اور محتاجین کو بھوکا رکھیں اور اپنے شہر کے رؤساء کی دعوت پر دعوت کریں۔

عمّالانِ ملکی سے اتنی اتنی باتوں کے لیے بھی پوری کیفیت طلب کی جاتی تھی اور اِن تدبیروں سے رعایا کے مختلف طبقات میں اصولِ مساوات قائم رکھنے کی اُنکو تعلیم کیجاتی تھی۔ جو فرمانروا کے انصاف اور معدلت پروری کا اقتضا تھا۔ زیادؔ ابنِ سمیہ کی نسبت بیت المال کی کچھ شکایت ہوئی۔ فوراً دار الخلافہ میں طلب کیے گئے۔ جن الفاظ میں اُنکی طلبی کی گئی وہ یہ ہیں:۔

قد بلغنی عنك امرٌ ان کنت فعلته فقد اسخطت ربّك وغضبت امامك واخزیت امانتك بلغنی انك جردت الارض فاخذت ماتحت قدمیك واکلت ماتحت یدیك فارفع الیّ حسابك واعلم ان حساب الله اعظم من حساب النّاس۔ والسّلام۔

میرے پاس تیری نسبت ایسی خبر پہنچی ہے کہ اگر حقیقت میں تو ایسی حرکات کا مرتکب ہوا ہے تو بیشک تونے اپنے خدا کو سخت غضبناک کیا اور واقعی تونے اپنے امام کی نافرمانی کی۔ اپنی امانت کو ذلیل کیا اور اپنے آپکو بدنام اور رسوا۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تونے بیت المالِ اسلامی میں جو کچھ تیرے اختیار کے اندر تھا خیانت کی اور اُسکو خرچ کر ڈالا ہے۔ تو بس تو اپنے مُلک کا حساب وکتاب لیکر میرے پاس جلد حاضر ہو جا۔ مگر اتنا سمجھ لے کہ اسپر بھی خدا کا حساب لینا آدمیوں کے حساب لینے سے کہیں زیادہ ہے۔

مصقلہ ابن ہُبیرہ الشیبانی جو سیاستِ مُلکی میں مشکل سے اپنا جواب رکھتا تھا۔ حضرت عثمان کے وقت سے

علاقۂ اردشیر کا عامل تھا۔ اُس نے کسی مقام پر اپنی فوج بھیجی تھی۔ فوج نے مخالف کو پوری ہزیمت پہنچائی اور بہت کچھ مالِ غنیمت حاصل کیا جو اُن کی شکایت کا باعث ہوا۔ فوج نے اسکی خبر دار الخلافۂ اسلامی میں پہنچائی۔ اگرچہ یہ شکایت ملکی خراج۔ بیت المال یا صدقات وغیرہ کے لیے نہیں تھی۔ صرف مالِ غنیمت یا تقسیم غنیمت کے متعلق کمی و بیشی کا اعتراض تھا۔ یہ امر اگرچہ ایسا کچھ قابلِ لحاظ نہیں تھا مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اِس اتنی شکایت کو بھی نہایت ضروری سمجھا اور مصقلہ ابنِ ہبیرۃ الشیبانی کے نام سخت چشم نمائی کا ہدایت نامہ لکھکر اُنکی پوری تنبیہ کردی۔ وہ خط یہ ہے:-

امابعد بلغنی عنك امرٌ ان كنت فعلته فقد اسخطت الٰهك واغضبت امامك انّك تقسِمُ فی المسلمین الّذی حازقه رماحهم وخیولهم واُرِیقَتْ علیه دماؤهم فیمن اِعْتامك ومن اعراب قومك فوالّذی فلق الحبّة وبرالنسمة لئن كان ذٰلك حقا لتجدنّ بك علیّ هوانًا ولتخفن عندی میزانا فلا تستهن بحقّ ربّك بحقّ ربّك ولا تُصلح دنیاك بمحق دینك فتكون من الاخسرین اعمالاً وانّ حق من قبلك وقبلنا من المسلمین فی قسمة هٰذا الالفیٔ سواءٌ یردون عندی علیهٗ یصدرون عنهٗ

تیری طرف سے مجھ کو ایک خبر پہنچی ہی اور وہ ایسی ہی ہے کہ اگر تو نے حقیقت میں یہ کام کیا ہی تو اپنے خدا کو تو غضب میں لایا اور اپنے امیر کو اپنا دشمن بنایا۔ وہ اَمر یہ ہی کہ تو نے مسلمانوں کی مالِ غنیمت کو جو اُنہوں نے لڑائی میں حاصل کیا ہے۔ اور اپنی تلواروں اور نیزوں کی زور سی اپنے قبضہ میں کیا ہے اپنے گھوڑوں کو اُنکی دستیابی میں تھکایا ہے۔ تم اُن کو ایسے لوگوں میں تقسیم کرتے ہو جو خوشامد سے تجھ کو اپنا امیر اور رئیس کہتے ہیں اور خاصکر اُنہی عربوں کو تم وہ مال دیتے ہو جو تمہاری قوم اور قبیلہ سے ہوتے ہیں۔ اُس خدا کی قسم جسکی قدرت سے دانہ شگافتہ ہوا ہے اور وہی انسان کی روح کو کتمِ عدم سے قالبِ وجود میں لاتا ہی کہ اگر یہ باتیں میری تحقیقات میں سچ ثابت ہوئیں تو تم میرے آگے ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا وہ اعتبار جو اس وقت تک میرے پاس ہی بالکل جاتا رہیگا۔ تم کو لازم ہے کہ حقوقِ خدا کو ضائع نہ کرو۔ صلاح دنیا کے لیے زوالِ آخرت کو نہ اختیار کرو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم اُن لوگوں کی طرح ہو گے جنکی خدا نے سخت ملامت فرمائی ہی اور اُنکو بدکاروں میں شمار فرمایا ہے اور ہمیشہ یہ یاد رکھو کہ مالِ غنیمت میں اُن تمام مسلمانوں کا حصّہ برابر ہے جو تقسیم کے وقت حاضر ہیں۔

یہ حضرات تو وہ تھے جو عمّال معمولی ہونیکے علاوہ اور کسی خاص ذاتی اوصاف و شرافت سی ممتاز نہیں سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ سا بزرگوار بھی ان چشم نمائیوں سے نہ بچ سکا۔ یہ مدت تک شہرِ بصرہ کے عامل رہے۔ ایک بار بیت المالِ بصرہ میں ان کی طرف خیانت کی شکایت سُنی گئی جو تحقیق سے صحیح ثابت ہو گئی۔ پھر کیا تھا جن الفاظ میں عتاب نامہ تحریر ہوا ہے وہ آپ ہی شاہد کامل ہے۔

امّا بعد فانی کنت اشرکتك فی امانتی وجعلتك شعاری وبطانتی ولم یکن فی اهلی رجل اوثق منك فی نفسی لمواساتی وموازرتی واداء الامانة الیّ فلمّا رایتَ الزمان علی ابن عمّك قد کلب والعدو

قد حرب و امانة الناس قد خزيت و ھذہ الامۃ قد فنکت و شغرت قلبت لابن عمک ظھر المجن ؛ ففارقتہ مع المفارقین وخذلتہ مع الخاذلین وخنتہ مع الخائنین فلا ابن عمک آسیت ولا الامانۃ ادیت وکانک لم تکن اللہ ترید بجھادک وکانک لم تکن علی بینۃٍ من ربک وکانک انما کنت تکید ھذہ الامۃ عن دنیاھم وتنوی غرتھم عن فیئھم فلما امکنتک الشدۃ فی خیانۃ الامۃ اسرعت الکرۃ وعاجلت الوثبہ واختطفت ما قدرت علیہ من اموالھم المصونۃ لاراملھم وایتامھم اختطاف الذئب الأزل دامیۃ المعزی الکسیرۃ فحملتہ الی الحجاز رحیب الصدر بحملہ غیر متأثمٍ من اخذہ کانک لا ابا لغیرک حدرت علی اھلک تراثاً من ابیک وامک فسبحان اللہ اما تؤمن بالمعاد او ما تخاف نقاش الحساب ایھا المعد وکان عندنا من ذوی الالباب کیف تسیغ شراباً وطعاما وانت تعلم انک تاکل حراما وتشرب حراما وتبتاع الاماء وتنکح النساء من مال الیتٰمی والمساکین والمومنین والمجاھدین الذین افاء اللہ علیھم ھذہ الاموال واحرز بھم ھٰذہ البلاد فاتق اللہ واردد الی ھٰؤلاءِ القوم اموالھم فانک ان لم تفعل ثم امکننی اللہ منک لاعذرن الی اللہ فیک ولاضربنک بسیفی الذی ما ضربت بہ احداً الا دخل النار وواللہ لو ان الحسن والحسین فعلا مثل الذی فعلت ما کانت لھما عندی ھوادۃ ولا ظفرا منی بارادۃ حتی آخذ الحق منھما وازیح الباطل عن مظلمتھما واقسم باللہ رب العٰلمین ما یسرنی ان ما اخذتہ من اموالھم حلال لی اترکہ میراثا لمن بعدی فضح رویدا فکانک قد بلغت المدیٰ ودفنت تحت الثریٰ وعرضت علیک اعمالک بالمحل الذی ینادی الظالم فیہ بالحسرۃ ویتمنی المضیع فیہ الرجعۃ ولات حین مناص

اس میں شک نہیں کہ میں تمہیں اپنے اُس جامۂ بیرونی کی طرح سمجھتا تھا جو جسم سے قریب ہوتا ہے اور تمام عزیزوں میں تم جس قدر میرے نزدیک معتمد علیہ تھے اور جس قدر مجھ کو تمہاری امانت اور دیانت پر اعتبار تھا اُتنا اور کسی پر نہیں۔ اور میں تمہاری امانت سے اپنی وزارت کا کام لیتا تھا۔ پس جب تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے چچازاد بھائی کی ساتھ زمانہ سختی سے پیش آنے لگا اور دشمن اُسپر دلیر ہوگیا اور آدمیوں کی امانت خیانت سے تبدیل ہوگئی اور اُمتِ اسلام کا نتیجہ قتل وخون پر آگیا اور خیر وصلاح اُن کے درمیان سے اُٹھ گیا۔ تم نے بھی اپنا مُنہ اپنے ابنِ عم کی طرف سے پھیر لیا اور اُسکی اعانت کو معطل چھوڑا۔ اور باوجود اِس کے کہ تمہارا مُنہ اُسکی طرف تھا تم نے اُسکی طرف پشت کردی اور تم بھی اُسکی مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اور جو اُس سے علٰحدہ ہوگئے تھے تم بھی اُنہی لوگوں میں شامل ہوگئے۔ اور تم بھی اُنہی کے ایسے ہوگئے جو اُسکی رعایت کو مہمل خیال کرتے تھے اور اپنی صداقت وامانت کے وعدوں میں خیانت کو روا رکھا اور خیانت کرنیوالوں اور نقضِ عہد کرنیوالوں کے ساتھ مل گئے نہ اپنے ابنِ عم کے حقوق کی رعایت کی اور نہ امانت ودیانت کے فرائض ادا کیے۔ اِس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسلام کو سچی اور قوی دلیلوں کے ساتھ قبول ہی نہیں کیا تھا اور نیتِ خالص سے کسی جہاد میں شرکت ہی نہیں کی تھی بلکہ حصولِ دنیا کی غرض سے اور اموالِ غنیمت میں شریک ہونیکے لالچ سے تم نے اسلام قبول کیا تھا۔ تم کو اسی لیے جب موقع ملا

تو تم نے ادائے حقوقِ امّت میں غفلت اور تساہل اختیار کیا۔ اور نہایت عجلت کے ساتھ مسلمانوں کے مال پر دست تصرّف دراز کیا۔ اور مسلمانوں کے حقوق کو ضائع کیا۔ اور وہ مال جو بیوہ اور یتیموں کا خاص حق تھا لوٹ لیا۔ اُنکو اُٹھا لے گئے۔ اور کھا گئے۔ جیسے تیز دوڑنیوالا بھیڑیا گوسفند کی بریدہ اور خون آلود استخوان کو اُٹھا لیجاتا ہے اور جلدی سے کھا جاتا ہے اور نہایت خوشدلی کے ساتھ تم نے اُن مالوں کو حجاز روانہ کر دیا۔ اِس طرح کہ شاید ان اموال میں کسی دوسرے کا کوئی حق ہی نہیں تھا۔ اور شاید یہ تمہارے باپ کی طرف سے تمہیں وراثت میں پہنچا تھا کیا تم خدا تعالےٰ اور روزِ قیامت پر یقین نہیں کرتے ہو۔ اور تم کو اُس دن کے حساب و کتاب کا بھی خوف دل میں باقی نہیں رہا۔ افسوس۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمہارے ماں باپ کا شمار صاحبانِ عقول میں ہوتا تھا ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ باوجود اس امر کے کہ تم جانتے ہو کہ میں غیروں کا مال ناجائز تصرّف کرتا ہوں پھر کیونکر لقمہ تمہارے حلق کے نیچے اُترتا ہے اور پھر تم باوجود اِس علم کے اُن مالوں سے کس طرح لونڈیاں خریدتے ہو اور اُن سے نکاح کرتے ہو۔ اور یہ مال اُن بیووں۔ یتیموں اور مؤمنوں اور مجاہدوں کا ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے تمہاری امانت میں دیا ہے۔ اور یہ سب ملک اور علاقے اُنہی کی کوششوں سے ہمکو ملے ہیں۔ اب تم خدا اور اُسکی قوتوں کی طرف خیال کرو اور مسلمانوں کے مال و دولت کو واپس دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو یہ سمجھ لینا کہ خدا مجھ کو تم پر قادر کر دیگا اور میں تم سے اُن حرکات کا بدلہ اُس تلوار کے ذریعہ سے لیلونگا جسے آج تک میں نے سوائے اُن لوگوں کے جو ضرور آتشِ جہنم میں ڈالے جائینگے اور کسی پر نہیں کھینچا ہے۔ اور اس امر پر بھی میں اپنے خدائے لایزال کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر حسن و حسین علیہما السّلام نے بھی ایسے امور کیے ہوتے تو اُن کا اعتبار بھی میرے نزدیک کچھ باقی نہ رہتا۔ اور وہ اُن امیدوں پر ہرگز نہ پہنچتے جو اُنکو میری ذات سے وابستہ تھیں۔ میں انکی وجہ سے اُن مظالموں کو کب پسند کرتا اور ان ناجائز امور کو اُن کی خاطر سے کب روا رکھ سکتا تھا۔ میں خدا کی قسم اس امر کا اعتراف کرتا ہوں اور تمکو یقین دلاتا ہوں کہ میری یہ خواہش ہرگز نہیں ہی کہ میں مسلمانوں کے مال کو جو اُنہوں نے حلال طور پر حاصل کیا ہے اپنے قبضہ میں لاکر اُسکو اپنی مملوکات میں شامل کر دوں۔ اور پھر اُس سے نفع اُٹھاؤں اور اپنے بعد اپنے وارثوں کے لیے میراث چھوڑ جاؤں۔ دنیا میں تندرستی اور نیکنامی سے رہو اور یہ تھوڑے دن آسانی اور فراغت سے کاٹ دو کہ وہ زمانہ بہت قریب آتا ہے کہ تمہارا کام ہو جائے۔ آج کے بعد وہ دن ضرور آنیوالا ہے کہ دنیا سے تمہارا گھر مٹّی کے نیچے بنایا جائے اور وہاں تمہارے اعمال اچھے یا بُرے جو کچھ دنیا میں تم نے کیے ہیں تمہارے سامنے حاضر کیے جائیں اور وہ وقت ایسا ہی ہوگا جہاں ظالم حسرت اور ندامت اُٹھائیگا اور غافل کو دنیا میں پھر واپس آنے کی آرزو باقی رہجائیگی۔ مگر نہ اُسکی ندامت کام آئیگی۔ نہ اُسکے لوٹ آنیکی تمنا اُسکو کوئی فائدہ پہنچائیگی۔

صیغۂ تحصیل خراج

اس صیغہ میں دو قسم کے لوگ شامل تھے ایک تو وہ جو عموماً رعایا سے ملکی خراج وصول کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو رعایا

سے صدقات اور زکوٰۃ کی رقوم کی تحصیل کرتے تھے۔ پہلی رقم کی تحصیل تو زیادہ تر نقد۔ چاندی اور سونے کے رائج الوقت سکوں میں ہوتی تھی۔ مگر دوسری تحصیل یعنی صدقات و زکوٰۃ کی رقم کے معاوضہ میں غلّہ اور حیوانات سے تبادلہ کیا جاتا تھا جیسا کہ آیندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔ ان رقوم کے علاوہ ایک خاص رقم جزیہ کی بھی تھی جو غیر مذہب والوں سے اُنکی حفاظت و حراست کے معاوضہ میں وصول کیجاتی تھی۔ ان تین رقموں کے علاوہ اور کوئی چوتھی رقم خلافتِ مرتضوی میں ملکی رعایا سے وصول نہیں کیجاتی تھی۔

رقمِ خراج کے وصول کرنیوالے جُدا ہوتے تھے اور رقمِ صدقات و زکوٰۃ کے لینے والے علٰحدہ۔ اور یہ لوگ کبھی خلافت سے مقرر کیے جاتے تھے اور کبھی عمالانِ مُلکی اپنے اپنے ملکوں میں ایسے لوگوں کا آپ بندوبست کر لیتے تھے۔ خراج کے تحصیل کرنیوالے تو کم مگر صدقات و زکوٰۃ کے لینے والے اکثر خلافت کے خاص انتظام سے معین کیے جاتے تھے۔ اور یہ وہی بزرگوار ہوتے تھے جن کی امانت اور دیانت کی طرف سے خلیفۂ عصر کو پورا اطمینان ہوتا تھا۔ رقمِ خراج اور اُسکا حساب و کتاب بالکل عمالِ ملکی سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اوقاتِ مقررہ پر بیرونی علاقجات سے دار الخلافہ کو روانہ ہوتا تھا۔ مگر صدقات و زکوٰۃ کی رقمیں عمالانِ ملکی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی تھیں۔ اُن کا حساب و کتاب براہِ راست دار الخلافہ سے ہوتا تھا۔ اور اُس کی رقم بھی بخطِ مستقیم دار الخلافہ کے خاص بیت المال میں داخل کیجاتی تھی۔

ہم صدقات و زکوٰۃ کی تحصیل کی کیفیت پیچھے لکھینگے۔ اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو ہم تحصیلِ خراج کی تفصیل سے شروع کرتے ہیں۔ خلافتِ مرتضوی کے ایک علاقہ کے خراج کا تحصیلی افسر بھی اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کیلیے اتنا ہی جواب دہ شمار کیا جاتا تھا جتنا اُس علاقہ کا ایک مستقل عامل۔ خراج کے معاملات میں تشخیص کا مسئلہ نہایت دشوار تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو ملک کی کسی جدید مساحت کی تو ضرورت ہوئی نہیں مگر ہاں رعایا کی معذرت کے وقتوں میں تحقیقات کی البتہ ضرورت ہوئی۔ تشخیص کی گاہ بیگاہ ضرورتوں کے موقع پر دربارِ خلافت سے ایک متدین شخص مقرر کیا جاتا تھا اور وہ تشخیص کا کام بھی کرتا تھا اور عذرداریوں کے وقت اُن کی مجبوری اور تحصیلی افسروں کی بے اعتدالیوں کی بھی کامل تحقیقات کرتا تھا۔ مصعب ابن یزید انصاری کو اکثر ایسی خدمات سپرد ہوا کرتی تھیں۔ ان امور کے علاوہ یہ بزرگ مدائن کے علاقہ میں چار مختلف مقامات پر تشخیص کی اتفاقی ضرورت سے بھیجے گئے تھے۔ علاقۂ بہقارات۔ نہر سیر۔ نہر جوزا اور نہر ملک۔ انکی بار دیگر تشخیص سے ان چار علاقوں کی مجموعی آمدنی ایک کروڑ اسّی ہزار وصول کی گئی تھی۔

ان واقعات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے ایّامِ حکومت میں خراج کا صیغہ باوجود اسکے کہ تمام ملک میں فساد اور بد آئینی پھیل رہی تھی۔ نارسائی کی حالتوں میں نہیں چھوڑ دیا گیا تھا بخلاف اسکے اسپر غور کیا جاتا تھا۔ اسکی کامل تلاش کیجاتی تھی اور اُن اہتماموں سے حتی الامکان تحصیلِ خراج میں مخصوص اضافہ فرمایا جاتا تھا۔

مگر ان معاملات کے ساتھ ہی رعایا کے حقوق پامال نہیں کیے جاتے تھے۔ اُن پر کبھی شدت اور سختی کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ اُنکے آرام و اطمینان کے لیے بھی وہی تاکیدیں اہلِ خراج کو بھی کیجاتی تھیں جو والیانِ ملک کو۔ ان کے ساتھ نرمی اور سہولت سے سلوک کرنے کے لیے افسرانِ خراج بھی ویسے ہی جواب دہ تھے جیسے عمالِ ملکی۔ جس طرح والیانِ ملک کو دار الخلافہ سے دستور العمل ملتا تھا اُسی طرح افسرانِ خراج کو جسکے مطابق کام کرنے کی اُنکو ہمیشہ ہدایت ہوتی تھی۔ اُس کی اصلی عبارت یہ ہے۔

من عبد اللہ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب (علیہ السلام) الی اصحٰب الخراج آما بعد فان من لم یحذر ما ھو صائرٌ الیہ لم یقدّم لنفسہ ما یحرزھا و اعلموا انّ ما کُلّفتم یسیرٌ و ان ثوابہ کثیر ولو لم یکن فیھما نھی اللہ عنہ من البغی والعد وان عقاب یخاف لکان فی ثواب اجتنابہ ما لا عذر فی ترک طلبہ فانصفوا الناس من انفسکم و اصبروا لحوائجکم فانکم خزان الرّعیّۃ و وکلاء الامّۃ و سفراء الائمّۃ ولا تحسموا احدا عن حاجتہ ولا تحبسوہ عن طلبتہ ولا تبیعنّ للنّاس فی الخراج کسوۃ شتاء ولا صیف ولا دابّۃ یعتملون علیھا ولا تمسّنّ مال احد من النّاس مصلّ ولا معاھد الّا ان تجدوا فرسا او سلاحا یعدٰی بہ علی اھل الاسلام فانہ لا ینبغی للمسلم ان یدَعَ ذٰلک فی ایدی اعداء الاسلام فیکون شوکۃً علیہ ولا تدخروا انفسکم نصیحۃً ولا الجند حسن سیرۃ ولا الرّعیّۃ معونۃً ولا دین اللہ قوّۃ و ابلوا فی سبیل اللہ ما استوجب علیکم فان اللہ سبحانہ قد اصطنع عندنا و عندکم ان نشکرہ بجھدنا و ان ننصرہ بما بلغت قوتنا ولا حول ولا قوّۃ الّا باللہ العلیّ العظیم۔

بندۂ خدا امیر المؤمنین علیؑ ابنِ ابیطالب کی طرف سے صاحبانِ خراج کو لکھا جاتا ہے کہ وہ شخص جو اپنی پیش آنیوالی چیزوں سے نہیں ڈرتا۔ یا جس کے پاس ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو۔ وہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کی فرائض اُسکی ذمہ بہت تھوڑی ہیں لیکن اُنکے ادا کرنے میں ثواب بہت کثرت سے ہے۔ اگر خدا تعالیٰ امورِ ممنوعہ کے لیے کوئی عذاب مقرر نہیں کرتا تو دنیا میں صرف ثواب ہی ثواب رہجاتا۔ پھر کوئی آدمی اُسکے ترک کرنے کا ثواب ہی حاصل نہیں کرتا۔ اب تمہارے فرائضِ منصبی کی متعلق ذیل کی ہدایتیں درج کیجاتی ہیں۔ تم ہر شخص کے معاملہ میں انصاف کی خاص نظر رکھو۔ لوگوں کی رفعِ احتیاج میں تغافل نہ کرو کیونکہ تم رعایا کے امین ہو۔ امتِ عامہ کے وکیل اور اپنے خلیفہ کے سفیر۔ کسی شخص کو اُس کے حق سے ناامید نہ کرو۔ اور کسی کو اُسکی مطلب براری سے محروم نہ رکھو اپنے خراج کی تحصیل کے لیے رعایا کے جاڑے اور گرمیوں کے کپڑے نہ اُتارو اور اُنکو گھرکے داموں یا زمین نہ بیچو۔ اُنکی سواری کی گھوڑے نہ نیلام کرو۔ اُنکی غلام اور لونڈیاں نہ چھین لو۔ اُنکو بقایا خراج کی لیے تازیانہ نہ مارو یا اُنکے اموال کو اپنی بقایا کے لیے نقصان نہ کر ڈالو۔ یہ محاسن سلوک اُنکے ساتھ ہونی چاہییں جو تمہاری ملت میں تمہارے شریک ہیں یا تمہیں جزیہ دیتے ہیں۔ ہاں اُن لوگوں کا مال تم البتہ ضبط کر سکتے ہو جو نہ تمہاری ملت میں شریک ہیں اور نہ جزیہ کی رقم ادا کرتے ہیں۔

اگر تم اُنکے ساتھ بھی ایسی ہی رعایت کیا کروگے تو اُن لوگوں کو مسلمانوں پر قوت حاصل ہو جائیگی۔ مسلمانوں کی تنبیہ یا موعظت میں تمہیں جو کچھ بیان کرنا ہو وہ علانیہ بیان کرو۔ خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی طرف سے جو کچھ تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے اُس کے ادا کرنے میں توقف نہ کرو۔ سوچو اور غور کرو کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے تمہارے ساتھ بہت احسان اور بہت سے انعام فرمائے ہیں اور وہ سب اِسی لیے کہ ہم اپنی غایت درجہ کی کوششوں کے ساتھ اُسکی شکر گزاریوں میں مصروف رہیں اور ہم سے جہانتک ہو سکے اُس کے سچے دین کو قوت پہنچانے میں سعی کریں۔ اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ کوئی قوت بغیر اُس کی قوت کے نہیں ہو سکتی۔

خراج ہر علاقہ سے دار الخلافہ کو روانہ ہوتا تھا۔ بعض مقامات کا خراج جو اتنا کثیر نہیں ہوتا تھا کہ وہاں کے مصارف سے زائد ہو وہ وہاں کے عامل کے متعلق کر دیا جاتا تھا اور پھر اُسکا حساب و کتاب اُس ملک کے والی سے متعلق ہوتا تھا۔ مگر ایسے خراج کی رقمیں جو مُلک کے مصارف سے بچ رہی ہوں وہ سہ ماہہ شش ماہہ سالانہ قسطوں میں دار الخلافہ کے بیت المال میں داخل کر دی جاتی تھیں۔

خراج کی تشخیص عموماً پیداوار زمین کی حیثیت پر ہوتی تھی۔ خلافتِ مرتضوی میں ذیل کی شرح سے خراج وصول کیا جاتا تھا:۔

خراج کی شرح

نمبر شمار	قسم خراج	تعداد زمین	رقم	کیفیت
۱	شاداب اور گنجان زراعت پر	فی جریب (پون بگھہ)	۱½ درہم	
۲	اوسط پر	ایضاً	۱ درہم	
۳	ناقص پر	ایضاً	⅔ درہم	
۴	انگور پر	ایضاً	۱۰ درہم	
۵	عام نخلستان پر	ایضاً	۱۰ درہم	

قبیلۂ بنی تمیم کے لوگوں نے ایک بار اپنے والی ملک عبید اللہ ابن عباس رضؓ کی تندمزاجی کی شکایت دار الخلافہ میں لکھ بھیجی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اُنکی سفارش اور اُنکے حقوق کو قائم رکھے جانیکے لیے جو خط تحریر فرمایا اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

بنی تمیم کے ساتھ رعایت

وان بنی تمیم لم یغب لهم نجم الا طلع لهم اخر وانهم لم یسبقوا بوغم فی جاهلیة ولا اسلام وان لهم بنا رحما ماسة وقرابة خاصة نحن ماجورون علی صلتها ومازورون علی قطیعتها فاربع ابا العباس رحمك الله فیما جری علی یدك ولسانك من خیر وشر فانا شریكان فی ذلك وكن عند صالح ظنی بك ولا یفیلن رایی فیك

ہمکو خبر پہنچی ہے کہ تم نے قبیلۂ بنی تمیم سے شاید بدمعاملگی کی اور اُنکے امور میں صفائی سے کام نہیں لیا۔ اُنکے معاملہ میں تم نے جانورانِ درندہ کی خصلت اختیار کی اور آخر کار تم نے اُنکو آزردہ کیا۔ اور حالانکہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اِن میں سے کسی کا ستارہ ایسا غروب نہ ہوا کہ دوسرے کے اقبال کا زمانہ نہ چمک اُٹھا ہو۔ یعنی انکو ہمیشہ سے نسلاً بعد نسلٍ ترقی حاصل ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں برے نہیں تھے اور ان کا خون کسی وقت

ضائع نہیں کیا گیا۔ اِن لوگوں کو ہمارے ساتھ ایک قرابت بھی ہے۔ اگر ہم اُن کا حق قرابت ادا کریں تو جائز ہوگا۔ اور اُنکے ساتھ اتفاق کرکے رہیں تو مناسب ہوگا۔ اور خدا کی طرف سے بھی ثواب کے مستحق ہونگے۔ اگر اُن کی قرابت کو ہم ضائع کردیں تو بیشک اُن کو ہم آزردہ کرینگے۔ اور خدا کے عذاب میں ہم گرفتار ہونگے۔ ای ابو العباس خدا تم پر رحم کرے۔ جو تمہاری زبان اور مُنہ سے نکلا کرے پہلے تم اُسپر غور اور تامّل کر لیا کرو۔ کیونکہ اچھّی یا بُری باتیں جو تمہاری طرف سے ہونگی اُن میں ہم بھی تو شریک ہیں۔ اور چونکہ تم میری نیابت میں کام کر رہے ہو اس لیے میں تمہاری بُرائیوں کے الزام سے بری نہیں کہا جا سکتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے نیک خیالوں کی ضرور رعایت کروگے جو میں تمہاری نسبت رکھتا ہوں اور مسلمانوں کی اصلاح حال کے سوا اور کسی طرف اپنے خیال کو منعطف نہ کروگے کیونکہ اسی سبب سے میری رائے تمہاری نسبت صواب پر رہیگی۔ اور اِسی لیے میرا گمان تمہارے لیے غلط نہو سکیگا۔ والسّلام۔

بنی تمیم تو اہلِ اسلام تھے۔ اب ہم ذیل کا واقعہ لکھکر ثابت کیے دیتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے کچھ اہلِ اسلام کی ساتھ رعایت اور حقوقِ قرابت ملحوظ رکھے جانیکے لیے حکم نہیں فرمایا تھا بلکہ اہلِ ذمّہ اور اہلِ جزیہ اور وہ دوسری قومیں بھی جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ جزیہ کی شرائط قبول کرکے اسلام کو اپنے امن و امان کا ذمّہ دار بنا لیا تھا اس میں شریک تھیں۔ جس طرح اہلِ اسلام کے حقوق کی رعایت کیجاتی تھی اُسی طرح ایک یہودی اور عیسائی کے حقوق کا بھی ہمیشہ خیال رکھّا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ اہلِ ذمّہ جو قدیم سے بصرہ میں آباد تھے دار الخلافت میں آکر اپنے عامل عبداللہ ابن عبّاس کی کج خلقی اور بے مروّتی کی شکایت لائے اور بیان کیا کہ وہ ہمکو کسی قابل نہیں سمجھتا۔ ہمیشہ ذلیل و حقیر سمجھا کرتا ہے۔ یہ محض معمولی باتیں تھیں۔ اگر اِن پر توجّہ بھی نہ کیجاتی تاہم کوئی اعتراض لازم نہیں آسکتا تھا۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اِس امر کو اپنی مساوات کے اصولِ سیاست کے بالکل برخلاف سمجھا جو آپکی خلافت اور اُسکے نظامِ حکومت کے اصلی جوہر اور سچّے معیار تھے۔ ان لوگوں کی شکایت سُنکر عبداللہ ابنِ عباس کے نام ذیل کے مضمون میں مخصوص ہدایت نامہ تحریر فرمایا گیا۔

رعایا کے ساتھ نرمی اور گرمی سے پیش آنے کے لیے عبداللہ ابن عباس کو ہدایت

اما بعد فان دھاقین اھل بلدك شکوا منك قسوۃ وغلظه واحتقارا وجفوۃ فنظرت فلم ارھم اھلا لان یدنوا لشرکھم ولا ان یقصوا ویجفوا لعھدھم فالبس لھم جلبابا من اللین تشوبه بطرف من الشدۃ وداول لھم بین القسوۃ والرافة وامزج لھم بین التقریب والادناء والابعاد والاقصاء ان شاء اللہ تعالی

تمہارے شہر کے دہقانوں نے میرے پاس تمہاری تندمزاجی کی شکایت کی اور وہ سختی جو تم اُنپر روا رکھتے ہو مجھ سے بیان کی اور وہ جور و ستم جو تم اُنکے لیے جائز سمجھتے ہو ظاہر کیے۔ میں نے خود اُنکے معاملات پر غور کیا ہے اور میں نے ہر طرح اُنکو اس قابل سمجھ لیا ہے کہ تم اُنکو اپنے پاس بلاؤ اور بٹھلاؤ۔ یہ اتنے ہی ہیں کہ مشرک ہیں۔ مگر اب اِس کے لائق بھی نہیں کہ تم اِنکو اپنے پاس سے نکالدو۔ اور اُنکے حق میں اِس سختی اور جور و ستم کو روا رکھو۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنکے ساتھ تم نے عہد

کیا ہو۔ پس تم کو انکے ساتھ محاسن سلوک قائم رکھنے کی غرض سے ایسا نرمی کا جامہ پہن لینا چاہیے جس میں سختی بھی ہو اور نرمی بھی۔ مگر وہ نرمی سختی کے ساتھ اور وہ سختی نرمی کے ساتھ ملی جلی ہو۔ مثلاً کبھی کبھی اُن کو اپنے پاس بھی بلایا کرو۔ اور کبھی موقع دیکھکر اپنے پاس سے علٰحدہ بھی کر دیا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ احکام وہ احکام ہیں جنکی نسبت ہمیں ہمارا خیال یقین دلاتا ہی کہ یہ احکام اور مساوات قائم رکھنے کے اعلان خلافتِ مرتضوی کے پہلے کسی دوسری خلافت میں شائع نہیں ہوئے تھے اور نہ اس ہمدردی و محبت سے رعایا کے حقوق میں مساوات کے اصول قائم کیے گئے تھے اور انکے جملہ امور کی اصلاح اُنکی خبرگیری ایسی مستعدی سے نہیں کی گئی تھی حقیقت میں وہ رعایا بڑی خوش قسمت سمجھی جائیگی جو ایک ایسے فرمانروا کے زمانہ میں جو کسی وقت اپنے تردد اور پریشانی سے دم لینے کی بھی فرصت نہ پاتا ہو اپنے حقوق کی رعایت اور نگرانی میں ایسے آسان اور مہربانی کے احکام کا موقع پائے۔

تحصیلی کاروبار میں سلطنت کے ملازموں کی سختی اور زیادتی کی شکایت دار الخلافہ تک پہنچتی تھی اور یہ عموماً تمام سلطنتوں میں سُنی جاتی ہے۔ مگر جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام ہمیشہ ایسے موقعوں پر رعایا ہی کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ اگرچہ ایسی شکایتوں میں اکثر کے محض بے ضرورت اور بے اصل ہونیکا آپکو یقین ہوتا تھا مگر تاہم اپنے محاسن سلوک اور نیز ملکی رعایا کی دلجوئی اور اطمینان کی غرض سے تحصیلی افسروں اور رعایا کے حقوق قائم رکھنے اور اُنکے ساتھ بملائمت پیش آنے کی سخت سے سخت تاکید کیجاتی تھی ایسے اوقات میں افسرانِ تحصیل کے نام جو تاکید نامے لکھے جاتے تھے اُنکی عبارت یہ ہوتی تھی۔

وتفقد امر الخراج بما یصلح اهله فی صلاحه وصلاحهم صلاحا لمن سواهم ولا صلاح لمن سواهم الا بهم لان الناس کلهم عیال الی الخراج واهله ولکن نظرك فی عمارة الارض ابلغ من نظرك فی استجلاب الخراج لان ذلك لا یدرك الا بالعمارة ومن طلب الخراج بغیر عمارة اخرب البلاد واهلك العباد ولم یستقم امره الا قلیلا فان شکوا ثقلا او علة او انقطاع شرب او بالة او احالة ارض اغتمرها غرق او اجحف بها عطش خففت بما ترجوا ان یصلح به امرهم ولا یثقلن علیك شیٔ خففت به المؤنة عنهم فانه ذخر یعودون به علیك فی عمارة بلادك وتزئین ولایتك مع استجلابك حسن ثنائهم وتبجحك باستفاضة العدل فیهم معتمدا افضل قوتهم بما ذخرت عندهم من اجمامك لهم والثقة منهم بما عودتهم من عدلك علیهم فی رفقك بهم فربما حدث من الامور ما اذا عولت فیه علیهم من بعد احتملوه طیبة انفسهم به فان العمران محتمل ما حملته وانما یؤتی خراب الارض من اعواز اهلها وانما یعوز اهلها لاشراف انفس الولاة علی الجمع وسوء ظنهم بالبقاء وقلة انتفاعهم بالعبر۔

خراج کے باقی رہجانے پر تم کو اپنے خراج گزاروں کو تکلیفیں نہیں پہنچانی چاہییں کیونکہ تم خراج صرف زمین سے لیتے ہو اور جب زمین ہی غیر آباد ہو جائیگی اور خلائق خدا ہلاک ہو جائیگی تو تمہارے استحکامِ مملکت میں بھی ضرور خلل پڑیگا۔ اگر خراج گزار لوگ تمہارے پاس زیادتی خراج کا عذر کریں یا تمہارے اُس افسر کی شکایت کریں جو اُن پر تحصیل کی غرض سے مقرر ہوا ہی۔ یا آفتِ آسمانی کے سبب غلہ کی کم پیداواری کا عذر دکھلائیں یا غیر سیرابی اور خشک سالی کا دعوےٰ کریں یا زمین کے کم پیدا کرنے والی حیثیت کا باعث دکھلائیں یا شدتِ آب اور غرقی کے عذرات پیش کریں تو تم کو چاہیے کہ ان تمام

حالتوں پر تم غور کرو اور تخفیفِ خراج کر دو۔ مگر اُسی قدر کہ اُنکے رفاہ کے لیے کافی ہو۔ اُنکی معاملت میں آسانی اختیار کرو اور اُنکی تخفیف میں اِس اندازہ کا خیال رکھو کہ وہ تم پر گراں نہ گزرے۔ کیونکہ ملک کے محاصل ہی پر ملک کی آمدنی اور ترقی منحصر ہے۔ بیرونجات کی درستی اور آرائش بھی اُسی پر موقوف ہے۔ اگر تم اِن تمام امور کے ساتھ اپنی رعایا کی صلاح و رفاہ بھی مدِ نظر رکھو گے تو بیشک تم کو اپنے دوسرے والیانِ ملک کے مقابلہ میں وہ فخر و مباہات حاصل ہوگا۔ خاصکر اِس وجہ سے کہ تم نے اپنے ملک میں قانونِ معدلت کو جاری رکھا ہے اور تمہاری رعایا بھی خوشحال ہے۔ اور تم نے اُنکے تمام امور آسانی اور نرمی کے ہاتھوں سے انجام دیے ہیں۔ اب اسی رسم و راہ کی وجہ سے تم کو اُنکے خاص مال میں بھی ایک قسم کی شرکت ہو گئی ہے۔ اور جو کچھ اُن کے مصارف سے بچ رہیگا وہ تمہارے لیے بچا رہیگا۔ اور اُس کی مثال یہ ہے کہ اگر تم پر کوئی سخت وقت آلگیگا اور تم اُسکے دور کرنیکی کوششوں میں بالکل عاجز ہو جاؤ گے اور تمہیں اُس سے نجات پانے کی کوئی صورت نہیں معلوم ہو گی تو ایسی حالت میں اگر تم نے رعایا کے ساتھ محاسنِ سلوک پہلے سے قائم کیے ہونگے تو وہ بیشک ایسے موقع میں جہانتک اُن کا دسترس ہوگا تمہاری ضرور مدد کرینگے اور جس وقت کے واسطے تم اُن سے کہوگے وہ اُسکے قبول کرنے میں کبھی انکار نہ کرینگے کیونکہ ملک اُسی وقت تک آباد ہے جب تک رعایا مطمئن اور خوشنود ہے۔ تم جس قدر اُن کو تکلیف دوگے پہلے تو وہ سب کو برداشت کرتے جائینگے مگر ملک خراب ہونے لگیگا تو پھر رعایا بھی کچھ نہیں کر سکیگی۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ ملک کی خرابی۔ رعایا کی تنگ دستی اور غربت سے پیدا ہوتی ہے اور رعایا کی غربت اور پریشانی والیانِ ملک کی حرص و طمع کی زیادتی کے سبب سے واقع ہوتی ہے۔ اور عموماً یہی اصلی وجہ ثابت ہوتی ہے۔

زکوٰۃ و صدقات کی تحصیل کا صیغہ

یہ دونوں طرح کی رقمیں ایک قسم کے سالانہ ٹیکس ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور اُنکی ہر قسم کی آمدنی اور جائداد از قسمِ طلاؤ نقرہ شتر و گاؤ و گوسفند و اسپ وغیرہ پر حساب لگاکر برابر وصول کی جاتی تھیں۔

صدقات یا زکوٰۃ کی آمدنی فقرا، مساکین۔ عمّالِ صدقہ۔ مؤلفۃ القلوب۔ غلاموں کی آزادی۔ قرضوں کی ادائگی مجاہدین اور مسافرینِ حجاج کی امداد میں صرف ہوتی تھی۔ (المرتضےٰ صفحہ ۱۲۷)

جو لوگ صدقات کی وصولی پر مامور کیئے جاتے تھے اُنکو بھی افسرانِ خراج اور والیانِ ملک کی طرح دار الخلافت سے ایک دستور العمل تیار کرکے دیا جاتا تھا۔ وہ دستور العمل یہ تھا

امّا بعد انطلق علی تقوی اللہ وحدہ لا شریک لہ ولا تروعن مسلما ولا تجتازنّ علیہ کارھا ولا تاخذن منہ اکثر من حق اللہ فی مالہ فاذا اقدمت علی الحی فانزل بمائهم من غیر ان تخالط ابیاتهم ثم امض الیهم بالسّکینۃ والوقار حتّی تقوم بینهم فتسلّم علیهم ولا تخدج بالتحیّۃ لهم ثم تقول یا عباد اللہ ارسلنی الیکم ولی اللہ وخلیفتہ لآخذ منکم حق اللہ فی اموالکم فهل للہ فی اموالکم من حق فتؤدوہ الی ولیہ فان قال قائل لا فلا تراجعہ ان انعم لک منعم فانطلق معہ من غیر ان تخیفہ وتوعدہ او تعشفہ او ترھقہ

فخذ ما اعطاك من ذهب او فضة فان كان له ماشية او ابل فلا تدخلها الا باذنه فان اكثرها له
فاذا اتيتها فلا تدخل عليها دخول متسلط عليه ولا عنيف به ولا تنفرن بهيمة ولا تفزعنها ولا تسوئن
صاحبها فيها واصدع المال صدعين ثم خيره فاذا اختار فلا تعرضن لما اختاره فلا تزال بذلك حتی يبقی
ما فيه وفاء لحق الله في ماله فاقبض حق الله منه فان استقالك فاقله ثم اخلطهما ثم اصنع مثل الذی صنعت
اولا حتی تاخذ حق الله فی ماله ولا تاخذن عودا ولا هرمة ولا مكسورة ولا مهلوسة ولا ذات عوار ولا
تامنن عليها الا من تثق بدينه رافقا بمال المسلمين حتی يوصله الی وليهم فيقسمه بينهم ولا توكل بها الا
ناصحا شفيقا وامينا حفيظا غير معنف ولا مجحف ولا ملغب ولا متعب احدر الينا ما اجتمع عندك
نصيره حيث امر الله فاذا اخذها امينك فاوعز اليه ان لا يحول بين ناقة وبين فصيلها ولا يمصر لبنها
فيضر ذلك بولدها ولا يجهدنها ركوبا وليعدل بين صواحباتها فی ذلك وبينها وليرفه علی اللاغب
وليستأن بالنقب والظالع وليوردها ما تمر به من الغدر ولا يعدل بها عن نبت الارض الی جواد
الطريق وليروحها فی الساعات وليمهلها عند النطاف والاعشاب حتی تاتينا بها باذن الله بدنا
منقيات غير متعبات ولا مجهودات لنقسمها كتاب الله وسنة نبيه صلی الله عليه وآله
وسلم فان ذلك اعظم لاجرك واقرب لرشدك ـ ان شاء الله تعالیٰ ـ

اب تم تقوے پر ثابت قدم ہو جاؤ۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرو کسی مسلمان کو خوف ودہشت میں ڈالو۔ اور جس وقت وہ تمہارے آنے کو نہ پسند کریں تم اُنکے پاس نہ جاؤ اور جس قدر کہ خدا کے حقوق اُنپر واجب ہیں اُنسے زیادہ مت لو اور کسی خلقت کو آزار نہ پہنچاؤ اور اُنکے چشمہ کے پاس اُترو تو اُنکے جانوروں پر ستم نہ کرو۔ نہایت آہستگی اور عظمت سے اُنکے قریب جاؤ تو پہلے اُن کو سلام کرو اور واجبات تہنیہ بجا لاؤ۔ پھر کہو۔ اے خدا کے بندو! خدا کے ولی اور اُسکے خلیفہ نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تم سے خدا کے اُن مالوں کو جو تمہارے ذمہ ہوتے ہیں لوں۔ کیا تمہارے مالوں میں خدا کا کوئی حق نہیں ہے؟ اگر تمہارے اس سوال کے جواب میں کوئی تم سے کہے۔ نہیں۔ اور دینے میں مضائقہ کرے تو تم پھر اُسکو ادائے زکوٰۃ کی تکلیف نہ دو۔ اگر تم سے کہے کہ ہاں ہے۔ تو تم اُسکے ساتھ رہو۔ اُس کے دل کو تقاضہ اور غصّہ کے ناخونوں سے نہ تراشو۔ نہ اُس کو ڈراؤ۔ اور نہ کوئی آزار پہنچاؤ۔ سونے اور چاندی میں سے جتنا وہ تم کو دے تم لے لو۔ اور جو چیز وہ تم کو نہ دینے پر راضی ہوں وہ تم نہ لو۔ اگر وہ اُس کے عوض میں اونٹ اور چارپائے دے تو تم بغیر اجازت اُس کے گاؤں میں نہ گھس پڑو۔ اور صرف حق اللہ کے لینے کے لیے جو محض قلیل ہے اُنکی جان پر بار نہو۔ جب وہ تم کو اجازت دیدیں اور اپنے ساتھ تم کو اپنے گلے میں لیجائیں تو تم اُنکے پورے گلے پر قبضہ نہ کر لو۔ اور اُنپر سختی نہ کرو۔ اُنسے نفرت نہ کرو۔ درشتی روا نہ رکھو۔ اُنکے جانوروں اور مویشیوں کو پریشان نہ کرو۔ اُنکے ساتھ یوں پیش آؤ کہ وہ تم سے ملول اور غمگین نہوں۔ پہلے اُنکے مال کو دو حصّوں پر برابر تقسیم کرو۔ اس تقسیم میں وہ جس حصّہ کو پسند کریں اُنکو دیدو۔ پھر اُس بچے ہوئے

حصّہ کو تقسیم کرو۔ اِس میں بھی وہ جس کو پسند کریں لے لیں۔ یہانتک کہ اِس تقسیم کے بعد جتنا کہ حق العباد ہوتا ہے
باقی رہجائے اُسی قدر وہ اُس کے حقوق کو کفایت کریگا۔ اب تم اِن مالوں (حق اللہ) کو اپنے قبضہ میں کرو
اور اِنہی کو مالِ زکوٰۃ میں شمار کرو۔ اور اگر وہ اِس تقسیم سے راضی نہو تو تم اُسکی خاطر خواہ اطمینان کو ملحوظ
رکھو اور تمام مال کو پھر جمع کرکے تقسیم کردو۔ اور تقسیم میں وہی پہلا طریقہ اختیار کرو۔ بوڑھے اونٹ یا اونٹنیوں کو
نہ لو۔ لنگڑے بیمار اور عیب دار جانوروں کو نہ پسند کرو۔ اور جو مویشی کہ تم کو ملے تم ایسے آدمی کو سپرد کرتے جاؤ
جو متدیّن ہو اور تم کو اُسکی دیانت پر اعتماد ہو اور کبھی ایسے آدمی کو جس میں مسلمانوں کے ساتھ رعایت اور
امارت قائم رکھنے کے مادّے نہ ہوں اپنے مال کے ہمراہ نہ روانہ کرو۔ اور اُسکو بھی نہ دو جو اِن جانوروں کو
مسلمانوں کے ولی تک نہ پہنچا سکے۔ پھر مسلمانوں کا ولی اِن مالوں کو تقسیم کرے اور شرعی تقسیم کے مطابق
اِس میں مسلمانوں کا جتنا حصّہ ہو اُنکو بانٹ دے۔ اپنے جانوروں پر اُسی شخص کو امین مقرر کرو جو تمہارا بہی خواہ،
معتمد اور شفیق ہو کہ جانوروں پر سختی نہ کرے اور اُنکو شدّت سے نہ دوڑائے اور اُنکو تکلیف نہ پہنچائے اور
ضعیف و لاغر نہ کردے۔ پھر تمہارے پاس جتنے مال جمع ہوں ہمارے پاس بھیجے جاؤ۔ تاکہ ہم اُسکو خدا کے
حکم کے مطابق اُسکے مستحقین کو پہنچا دیں۔ اور جب تم اپنے مال کو امین کے حوالے کرو تو اِن باتوں کی بابت اُسکو
خاص طور پر ہدایت کردو کہ وہ بچّوں کو ماں سے جُدا نہ کرے اور اُس کا تمام دودھ دوہ نہ لے۔ کیونکہ اگر بچّے
کے لیے کچھ نہ چھوڑا جائیگا تو بچّے کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ سواری کے وقت جانوروں کو تکلیف نہ دے۔ اور
ہر روز ایک ہی سواری پر سوار نہ ہوا کرے بلکہ برابری اور اعتدال کو اِن طریقوں میں مدّ نظر رکھے۔ اور جو اونٹ
زیادہ مسافت طے کرنے کی وجہ سے تھک گیا ہو اُسکو آرام دے اور اونٹنیوں کے ساتھ جن کے پاؤں نازک
ہوتے ہیں۔ اگر کثرتِ راہ سے اُنکے پاؤں زخمی ہوگئے ہوں۔ رعایت کرے اور اُنکو زیادہ نہ چلایا کرے۔
اور جسکی رفتار میں فطرتی طور پر کجی واقع ہو اور سیدھی راہ نہ چل سکے اُسکو تیز نہ ہنکائیے۔ اُنکو آہستہ چلائے
اور راستہ میں جو حوض و تالاب ملے جانوروں کو چھوڑ دو۔ اور کوئی چشمہ یا تالاب راہ میں ایسا نہ چھوڑ دو
جس سے جانوروں کو پانی نہ پلایا کرو۔ اور جب راستہ میں سبزہ زار یا چراگاہیں ملیں تب بھی اپنے جانوروں
کو چھوڑ دو۔ اور جس راستہ میں دانہ گھانس وغیرہ نہ ملتا ہو اُس راستہ سے جانوروں کو نہ لیجاؤ۔ مویشیوں
کو روزانہ چلنے سے باز رکھو۔ اُن کو صاف پانی کے نزدیک ٹھیرایا کرو اور جس جگہ سبز گھانس دیکھو جانوروں
کو ضرور چھوڑ دو۔ اور اُن کو زیادہ تیز نہ ہنکاؤ تاکہ جس وقت وہ ہمارے پاس آئیں موٹے تازے اور صحیح ہوں
نہ لاغر ضعیف اور مریض۔ پس میں خدا کے اِن تمام و کمال اموال کو اُسی کے حکم کے مطابق اُنکے مستحقین پر
تقسیم کردوں۔ جو کچھ اس دستور العمل میں بیان کیا گیا ہے اگر تم اُسپر عمل کروگے تو تمہارے اجر زیادہ ہونگے۔
اور تمہاری رشاوت ظاہر ہوگی انشاء اللہ المستعان والسّلام۔

امیر المومنین علیہ السّلام نے صدقات و زکوٰۃ کی رقمیں وصول کرنے میں رعایا کے ساتھ حد درجہ کی نرمی

اور ملائمت ظاہر کرنیکے لیے جو اتنی تاکیدیں فرمائی ہیں اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ اِن رقوم کو خراجِ ملکی میں شامل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور انکو بھی عمال یا افسرانِ وصولی کی سخت گیری کے حوالہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ خلافت اوّل کے دور میں اسی تحصیل زکوٰۃ کی وجہ سے ملک کے شمالی حصّہ میں ایک خوفناک شورش پیدا ہو کر خالد ابن ولید کی سخت گیری اور زبردستی کی بہت بڑی شکایت کا باعث ہو چکی تھی۔

جزیہ۔ اُسکی شرح اور اُسکے مصارف

یہ رقم اُن غیر مسلم قوموں سے لی جاتی تھی جو مسلمانوں کی حفاظت اور حمایت میں رہتی تھیں۔ یہ قومیں ایک سالانہ رقم مقررہ ادا کیا کرتی تھیں۔ اُنکی جائداد چاہے کتنی ہی کثیر المحاصل ہو اُس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ جزیہ کی رقم تعدادِ نفوس پر منحصر تھی۔ جزیہ کی شرح فی کس حسب ذیل مقرر تھی:۔

نمبر شمار	مدارج	فی کس	رقم مقررہ	کیفیت
۱	امراء	"	۴۸ درم	
۲	متوسط الحال	"	۲۴ درم	
۳	تجّار	"	۴۲ درم	
۴	عامة النّاس	"	۱۲ درم	

وصولی کے وقت فقراء مساکین ضعیف اور کم استطاعت والے عموماً ادا کاری سے بری کر دیے جاتے تھے۔ اور مفصلۂ ذیل اشخاص تو ہمیشہ کے لیے رقمِ جزیہ کی ادا کاریوں سے مستثنےٰ سمجھے جاتے تھے:۔

۱۔ پچاس برس سے زیادہ عمر کا مرد۔
۲۔ بیس برس سے کم عمر کا
۳۔ عورتیں۔
۴۔ مفلوج الاعضاء مرد۔ چاہے وہ کسی عمر کے ہوں۔
۵۔ معطل العضو ایضاً ایضاً
۶۔ نابینا ایضاً ایضاً
۷۔ مجنون ایضاً ایضاً
۸۔ مفلس۔ جس کے پاس سو درم سے کم ہو۔

جزیہ کا روپیہ لشکر کی آراستگی۔ درستی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں کی تعمیر میں لگایا جاتا تھا۔ اور جو اس سے بچ رہتا تھا وہ راستوں کی تیاری اور پلوں کی تعمیر میں کام آتا تھا۔ اِس تجویز سے غیر مسلم اشخاص کو بھی جزیہ کی رقم سے اور اُسکے مصارف سے فائدہ پہنچتا تھا۔ (المرتضےٰ صفحہ ۱۲۰)

قضا کا محکمہ یا عدالت کا صیغہ

خراج کے صیغہ کے بعد ہم اس محکمہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ یہ وہ محکمہ ہے جس کو خلافت کی طرف سے جوڈیشل پاورس (اختیارات انفصال تنازعات) عنایت ہوتے ہیں۔ اور انہی اختیارات کے ساتھ وہ تمام ملکی تنازعات کا فیصلہ احکامِ شریعت کے مطابق کرتا ہے۔ اور اپنے تمام احکام کی بنا اُسکو قرآن کے احکام اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے موافق رکھنی ہوتی ہے۔ اس محکمہ کا جواب دہ افسر قاضی ہے جو اور والیانِ ملکی کی طرح ہر علاقہ۔ ہر صوبہ بلکہ قریب قریب ہر شہر میں مقرر ہوتا ہے۔ اپنے ذاتی اعزاز کے امتیاز سے قاضی ایک والی ملک یا عاملِ خراج سے کم نہیں خیال کیا جاتا۔ والی ملک۔ عاملِ خراج اور قاضی۔ یہی لوگ ہیں جو اعلیٰ اعلیٰ مجلسوں میں صدر بٹھلائے جاتے ہیں اور دار الخلافت کے دربار میں انکے مدارج کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کو اس صیغے سے خاص دلچسپی تھی۔ فقہہ میں جو علم القضا کا اصل الاصول ہے آپکو جیسی لیاقت تھی ویسی صحابہ میں سے کسی کو بھی نہیں۔ کیونکہ احکامِ شرعیہ کو قاضی کے نوکِ زبان ہونا چاہیے۔ اور شریعت کا کوڈ (قانون) علم القرآن اور علم الحدیث پر تمام ہے۔ ان دونوں علوم کا جاننے والا امیر المؤمنین علیہ السّلام سے بڑھکر دوسرا اسلام میں پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ علم القرآن کی نسبت حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام کا یہ دعوے نہایت صحیح اور درست تھا کہ کلامِ مجید کی ہر آیت کی نسبت میں یہ بتلاسکتا ہوں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں۔ رات کو اُتری یا دن کو۔ وہ سفر کی حالت تھی یا قیام کی۔ وہ مقام پہاڑ یا کسی اونچی زمین پر واقع تھا یا ہموار زمین پر۔

اب رہا علم الحدیث اُسکی تحصیل کی تکمیل کے ثبوت میں صلّیت مع النبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سبع سنۃ قبل احد کافی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں انا مدینۃ العلم وعلی بابہا وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ تینتیس ۳۳ برس تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صحبت میں ہر وقت حاضر رہنا ہمارا پورا اطمینان کرتا ہے۔ انہی مخصوص محاسن کے اعتبار سے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تمام صحابہ میں آپ ہی کو ملکِ یمن کا قاضی بنایا۔ اور اتنے بڑے قبیلہ کی ہدایت کا منصب جو علمی کمالات کے اعتبار سے تمام قبائلِ عرب میں سر برآوردہ شمار کیا جاتا تھا آپ ہی کو سپرد فرمایا اور اقضاکم علی فی دینی کی مستند من الفریقین حدیث کا تمغہ آپ ہی کی ذاتی قابلیت اور افضلیت کا جوہر تھا۔

جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد بہت سے قضا کے متعلق ایسے فقہی مسائل پیش ہوئے جن میں بڑے بڑے قاضی کوئی حکم نہیں لگا سکے۔ آخر اُن کو امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فیصل فرمایا اور بہت سے احکامِ شریعت ایسے ہوتے تھے جو اہلِ اسلام کو معلوم بھی نہیں ہوتے تھے۔ ایسے اوقات میں زیادہ تر انہی کے محاسن سے مدد لیجاتی تھی۔ مسائل دربارِ خلافت سے آپکی خدمت میں بھیجدیے جاتے تھے اور امیر المؤمنین علیہ السّلام اُنکی نسبت حکمِ مناسب نافذ فرماتے تھے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے اِسی فضل وکمال نے اپنی عدیم المثالی اور افضلیت کا حضرت عمرؓ کے ایسے شخص سے بھی اقرار کرالیا۔ نعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن حضرت عمرؓ ہی کا قول ہے یعنی پناہ مانگتا ہوں میں خدا سے اُس امرِ مشکل کے واسطے جسکے حل کرنے کے لیے ابوالحسنؑ موجود نہوں۔ لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر مارے جاتے۔ یہ اور انکے ایسے اور دیگر کلمات اُنہی مقامات میں لکھے جاتے تھے جنکا ذکر تفصیل کے ساتھ آپکے علم الفقہ کے بیان میں مندرج ہے۔

اِنکے علاوہ حضرت عمرؓ نے احکامِ شریعت کی فتویٰ کی نسبت عام طور سے حکم دیدیا تھا لایفتین احد فی المسجد وعلیؑ حاضر کوئی شخص مسجد میں فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے جب حضرت علی علیہ السلام موجود ہوں (امام سیوطی)

اِن امور کے علاوہ ایسے واقعات کثرت سے اسلامی تاریخ میں موجود ہیں جن سے جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام کی قوتِ فیصلہ کا پورا امتیاز ہوتا ہے۔ انہی وجہوں سے ثابت ہے کہ جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام کو اس صیغے سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ اور اسکی نسبت آپنے جس قدر کوشش فرمائی ہے وہ بالکل نادر اور عدیم المثال ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے مہاجر اور انصار میں سے یہ عہدے اور منصب اُنہی بزرگوار دنکو سپرد فرمائے جو اپنے تقدس۔ تقوے۔ امانت۔ صداقت اور راستبازی کے معاملات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ تعیّن کے وقت اُنکے اعزاز محفوظ رکھے جاتے تھے۔ مگر فرائضِ منصبی کی اداکاریوں میں غفلت یا کسی قسم کی شکایت سنی جانیکے وقت اِن حضرات کی تنبیہ اور زجر و توبیخ ایک معمولی حیثیت میں کیجاتی تھی۔

ہر قاضی کو بے لوثی۔ صفائی اور امانت سے کام لینے کے لیے ہمیشہ سے سخت سے سخت تاکید کیجاتی تھی اور ذراسی شکایت پر ان لوگوں کو پورا جواب دینا ہوتا تھا۔ ذیل میں ہم قاضی کے خاص احکام اور ہدایتیں درج کرتے ہیں جو ہمارے بیان پر کافی روشنی ڈالینگی۔

ثم اختر للحکم بین الناس افضل رعیتک فی نفسک ممن لا تضیق بہ الامور ولا تمحکہ الخصوم ولا یتمادی فی الزلۃ ولا یحصر من الفیٔ الی الحق اذا عرفہ ولا تشرف نفسہ علی طمع ولا یکتفی بادنی فھم دون اقصاہ واوقفھم فی الشبھات واخذھم بالحجج واقلھم تبرما بمراجعۃ الخصم واصبرھم علی تکشّف الامور واصرمھم عند اتضاح الحکم ممن لا یزدھیہ اطراء ولا یستمیلہ اغراء واولئک قلیل ثم اکثر تعاھد قضائہ وافسح لہ فی البذل مایزیح علتہ یقل معہ حاجتہ الی الناس واعطہ من المنزلۃ لدیک مالا یطمع فیہ غیرہ من خاصتک لیامن بذلک اغتیال الرجال لہ عندک فانظر فی ذٰلک نظرا بلیغا فان ھٰذا الدین قد کان اسیرا فی ایدی الاشرار یعمل فیہ بالھواء ویطلب بہ الدنیا۔ (نہج البلاغہ)

تمہاری ملکی رعایا میں جو سب سے زیادہ تمہارے نزدیک معتمد علیہ ہے تم اُسی کو قاضی مقرر کرو اور ذیل کی باتوں کو اُس میں اچھی طرح دریافت کرلو:۔ قاضی وہ ہو جو کثرتِ معاملات میں نہ گھبراتا ہو۔ اگر وہ اپنے کسی فیصلہ میں خطا کرے تو اُس پر اصرار نہ کرتا ہو۔ اور جب کوئی امر اُس پر اچھی طرح ثابت ہوجائے اور اُسکی طرف اُسکو پورا یقین ہوگیا ہو تو وہ پھر

اُسکے اجرا میں توقف نہ کرتا ہو۔ کسی حال میں کسی چیز کی طمع نہ کرتا ہو۔ جب تک معاملات کی تہ کو نہ پہنچ لے اپنی کم فہمی پر کفایت نہ کرتا ہو اور صرف اپنی سمجھ پر نہ رہتا ہو۔ جب کسی امر واجب میں اُسکو شبہہ واقع ہو تو جلدی نہ کرتا ہو بلکہ غور و تامّل کرتا ہو۔ اور جب غور کرنے سے بھی نہ پہنچ سکے تو اور دلیلوں پر توجہ کرے اور اُن میں جو حق اور صحیح ثابت ہو اُسپر اعتبار کرلے۔ مرجوعات کے وقت فریقین مقدمہ کی ساتھ کج خلقی سے نہ پیش آتا ہو اور ترش رو ہو کر نہ بولتا ہو۔ ہر معاملہ کی تحقیق میں تلوّن کو راہ نہ دیتا ہو۔ جب کسی معاملہ میں اُسکی تجویز حق پر ہو پھر اُس کے جاری کرنے میں دیر نہ کرے۔ اگر ملک کے لوگ اُسکی حد سے زیادہ تعریف کریں تو وہ اپنے اعتدال سے آگے نہ بڑھ جائے کسی کی سفارش۔ کسی کے کہنے سُننے سے فیصلہ نہ کرتا ہو۔ والیانِ ملک کو قاضی ملک کے معاملات کی پوری خبر لینی ہوتی تھی۔ اور ان لوگوں کے متعلق ذیل کے مخصوص امور کی خبرگیری والیانِ ملک کے ذمّہ واجب اور فرض ہے:۔

جن لوگوں کو قاضی مقرر کیا جائے اُنکے معاملات کی پوری خبرگیری کیجائے۔ قاضی کی تنخواہ براہِ راست بیت المال کی رقم سے دیجائے تاکہ اُنکو پھر کسی غیر سے سوال کرنیکی احتیاج اور ضرورت باقی نہ رہے اور پھر وہ رشوت نہ لے سکیں۔ اُنکو اپنی صحبتوں اور مجلسوں میں ممتاز جگہیں دو تاکہ عام لوگوں کو اُن پر غلبہ یا دست رسی کا موقع نہ ملے۔

قاضی اور محکمۂ قضا کے متعلق اتنے احکام لکھکر ہمارا یہ دعوے ہرگز بیجا اور ہمارا یہ سوال کسی طرح نازیبا نہیں خیال کیا جا سکتا۔ اگر ہم یہ پوچھیں کہ اِن امور کے علاوہ اور وہ کونسی چیزیں اور باقی رہگئی ہیں جو اس صیغے کے متعلق نہیں بیان کی گئیں اور جنابِ علی مرتضٰے علیہ السّلام نے اُن کا ذکر نہیں فرمایا۔ یا وہ کونسے اس میں زائد امور ہیں جو بیش از ضرورت اس میں داخل کردیے گئے ہیں۔ یہ ہدایتیں جو محکمۂ قضا کے افسر کے لیے ضروری اور لابدی خیال کیجاتی ہیں۔ مگر باایںہمہ اُسکو اتنی قوّت اور آزادی بھی نہیں دی گئی کہ وہ حدّ اعتدال سے باہر ہو جائے۔ بلکہ وہ اپنے والیِ ملک کے زیرِ نگرانی رکھا گیا۔ سمجھنے کے لیے قاضی اپنے صیغے کا خود مختار افسر تو ضرور تھا مگر پھر بھی اُسکی آزادی اور خود اختیاری ایک دوسرے شخص کی قوّت کے ذریعہ سے کامل طور پر محدود کردی گئی۔

جنابِ امیر المومنین علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا نے اپنے ایّامِ خلافت میں اِس صیغے کی نسبت نہایت سخت تحقیق سے کام لیا۔ اور مہاجر و انصار میں سے جو اس منصب کے لیے لائق ہوتا تھا اُسکو یہ منصب تفویض کیا جاتا تھا جو لوگ کہ پہلے سے مقرر تھے اگر وہ حقیقت میں اِس عہدے کی لیاقت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ اُنکے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اور وہ اُسی طرح بحال رکھے گئے۔ اُنکے اختیارات بھی قائم رکھے گئے اور اقتدار بھی جیسے قاضی شریح اور عبادہ ابن صامت۔

اور ایسے لوگ جو اس منصب کے لیے لائق نہیں سمجھے گئے وہ اِس سے علٰحدہ کردیے گئے اور اُنکے اختیارات اُن سے واپس لے لیے گئے اور محض خانہ نشینی پر مجبور کردیے گئے۔

والیانِ ملک اور اُن کے تمام امور کی نگرانی جس احتیاط اور اہتمام سے کیجاتی تھی اُسی کوشش اور اُسی احتیاط سے اُنکی کارروائیوں پر بھی غور کیا جاتا تھا۔ جس طرح والیانِ ملک سے اُنکی شکایت پر اُنسے پوری کیفیت طلب کیجاتی تھی اُسی طرح قضا کے افسروں سے بھی کسی شکایت پہنچنے پر جواب طلب کیا جاتا تھا۔ اور جس طرح اُنکی موعظت۔ ہدایت اور سیاست کیجاتی تھی اُسی طرح اِنکی بھی۔

کوفہ کے مشہور و معروف قاضی شریح نے جو حضرت عمر کے زمانہ سے کوفہ میں قاضی تھے۔ اپنی ضرورت سے زائد ایک مکان خریدا۔ وہ مکان نہایت آراستہ و پیراستہ تھا۔ وہ کوفہ کی مشہور اور معروف عمارتوں میں شمار ہوتا تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اِسکی خریداری کی نسبت رشوت کی خبر دیگئی۔ قاضی شریح کو صفین کی قیامت خیز میدان سے نہایت گرم الفاظ میں ہدایت نامہ لکھا گیا جس کے مضامین یہ تھے۔

اے شریح سمجھ لو کہ تم کو اُس سے مقابلہ ہونیوالا ہے جو نہ تمہارے اِس مکان کے وثیقہ پر لحاظ کریگا اور نہ اِس وثیقہ کے گواہوں سے کچھ پوچھیگا۔ اور تم کو اس گھر سے یکہ و تنہا نکالدیگا۔ اور تم کو ایک محض گڑھے میں ڈالدیگا۔ وہ آدمی نہیں ہے۔ بلکہ تمہاری موت ہے۔ جو آج یا کل تمہارے پاس عنقریب آنیوالی ہے۔ دیکھو شریح! اب پھر ہم تم کو یاد دلائے دیتے ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ تم نے یہ مکان ناجائز طور پر خریدا ہو اور تم اُس پر اسی طرح متصرف ہوئے ہو تو ایسی حالت میں تم کو دونوں طرف کا خسارہ اُٹھانا ہوگا۔ اور تم بیشک دنیا میں بھی گھاٹا اُٹھاؤگے اور آخرت میں بھی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام خود بھی اِن احکام کے بہت بڑے پابند تھے۔ اپنے خاص معاملات میں بھی جنہیں آپ خود فیصل فرما سکتے تھے مگر قاضی ہی کو اکثر اُنکے فیصلہ کا حکم فرماتے تھے۔ اور خود ایک معمولی حیثیت میں فریق بنکر اپنے حقوق کو فیصل کراتے تھے۔

جنگِ صفین میں آپ کی ایک زرہ کھو گئی تھی۔ بہت تلاش کیگئی۔ نہ ملی۔ ایک دن امیر المؤمنین علیہ السلام نے وہی زرہ ایک شخص کو پہنے دیکھا جو عیسائی تھا۔ زرہ پہچان کر امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُسے قاضی شریح کے پاس مجرم بناکر کھڑا کر دیا۔ اور بیان فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے۔ نہ میں نے اِس عیسائی کے ہاتھ اسے بیچا ہے۔ نہ اِسکو بخشا ہے۔ نصرانی سے پوچھا گیا کہ یہ زرہ کسکی ہے؟ اُس نے کہا میری۔ اور میرا قبضہ میری ملکیت کی دلیل ہے۔

شریح نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے اُنکے دعوے کی نسبت گواہ طلب کیے۔ امیر المومنین علیہ السلام اُس وقت کوئی گواہ اِس امر کی تصدیق میں کہ یہ زرہ میری ہی ہے پیش نہ کر سکے۔ قاضی شریح کو امیر المومنین علیہ السلام کی وجہ سے فیصلہ سُنانے میں کچھ تامل ہوا۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السلام نے فوراً ٹوک دیا کہ فیصلہ مطابق شریعت کے ہونا چاہیے۔ قاضی کو سخت مجبوری ہوئی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام پر معاذ اللہ جھوٹی گواہی کا گمان کیسے ہو سکتا ہے نصرانی کی چیز نصرانی کے پاس موجود ہے اور القبض دلیل الملک کی روشن دلیل موجود۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے قاضی کی خاموشی کو بخوبی سمجھ کر فرمایا کہ ایسے معاملات میں خلافت یا امارت کا

خیال کرنا سخت ظلم ہے۔ شریح نے یہ سنکر امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلاف فیصلہ کیا۔ اور امیر المؤمنین اور وہ عیسائی دار القضا سے واپس آئے۔

فریقین کی بعض کتابوں کے مطالعہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ وہ مرد عیسائی اِس معاملہ کے بعد امر حق کے اظہار کرنے پر مجبور ہوا اور امیر المؤمنینؑ کے ہاتھوں پر اسلام لا کر کہنے لگا کہ حقیقتِ امر تو یہ ہے کہ زرہ آپ ہی کی ہے اور میں نے اِسے میدانِ صفین میں پڑا پایا تھا۔ پھر وہ سعادتمند امیر المؤمنین کی رکاب میں جنگِ نہروان میں فائز بہ شہادت ہوا۔

فوج اور لشکر کا صیغہ

فوج اور لشکر کا صیغہ

فوجی بندوبست اور لشکر کے انتظام کے ساتھ بھی امیر المؤمنین علیہ السلام کو ایک خاص دلچسپی تھی کیونکہ لشکر اور فوجی تعلقات کے ساتھ جسقدر امیر المؤمنین کی مقدس حیات کا زمانہ گزرا ہے ہم یقین کرتے ہیں کہ اِنکے اسلامی ہمعصروں میں کسی کو بھی اتنا موقع نہ ملا ہوگا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے نہایت کم سنی سے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں اسلامی مجاہد کا اعزاز پایا اور غزوۂ احد سے لیکر حنین و طائف کے آخر معرکوں تک فوجِ اسلامی کے منصبِ امارت پر ممتاز رہے۔ اپنی مبارک عمر کا بیش بہا وقت فوجی انتظام۔ فوجی بندوبست۔ لشکر کی ترتیب اور لشکر کی درستی میں صرف فرمایا۔ پھر اِس زمانہ میں ایسے ایسے معرکے پڑے اور عرب کے ایسے ایسے نمودار اور دلیر جوانمردوں سے سامنا ہوا جنکی دلیری کا شہرہ۔ شجاعت کی دھوم۔ ہیبت کی دھاک۔ عرب کے بڑے بڑے پہلوانوں کے بدن میں تھرتھری ڈالدیتی تھی۔ اِن سب کو علی مرتضےٰ کی شجاعت نے زیر کیا اور مار گرایا۔ امیر المؤمنین کے ذاتی تجربہ اور ذاتی لیاقت نے کُل دس یا گیارہ برس کی مدت میں اسلام کی وسعت کو حجاز اور یثرب سے اُٹھا کر بحرِ فارس اور عراق عرب تک پہنچایا۔

یہ فنونِ جنگ کے کمال ہی تھے۔ اور یہ فوجی معاملات کی قابلیت ہی تھی جسنے امیر المؤمنین علیہ السلام کی اقتدا اور استمزاج پر حضرت عمر کے ایسے شخص کو مجبور کر دیا۔ اور خلیفۂ ثانی نے اپنے زمانہ کے غزوات کو زیادہ تر انہی کی ہدایت پر موقوف رکھا۔ اور حقیقتِ امر یہ ہے کہ اِس صیغے کے شورے میں جیسے اعلےٰ اور قابلِ قدر مشورے اور صلاحیں حضرت عمر کو جنابِ امیر المؤمنین سے ملی ہیں ویسی صحابہ میں کسی اور صاحب سے نہیں ملیں۔ تینوں خلافتوں کے زمانہ کو چھوڑ دو۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی چار سالہ حکومت کا تمام زمانہ بلکہ اُسکا ایک ایک دن اور ایک ایک لحظہ فوجی انتظام اور لشکر کی ترتیب میں گزر گیا۔ اور اتنی مدت میں ایک وقت بھی اِن امور کی دیکھ بھال اور غور و فکر سے خالی نہ رہا۔ جب کسی ملکی فرمانروا کو کسی خاص صیغے سے اتنی دلچسپی ہو اور وہ اُسکے ہر اندرونی اور بیرونی امور سے پورا تجربہ حاصل کر چکا ہو تو یہ قاعدہ کی بات ہے کہ وہ بادشاہ اُس صیغہ کو ایک خاص توجہ کی نظر سے ہمیشہ دیکھتا ہے۔ اِسکے علاوہ امیر المؤمنین کی روزانہ ضرورت کیا کم تھی جو اِن امور کی طرف سے آپ کو

ایک دم بھی مطمئن اور مستغنی نہ رکھ سکی۔

امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی تخت نشینی کے وقت اسلامی فوج کی کیا کیفیت تھی۔ اسکے جواب کے لیے ہمارا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ جب نظامِ ملکی کے تمام صیغوں میں سابق خلیفہ کے وقت سے بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور تمام کاروبار ابتر ہو رہے تھے تو تنہا اس صیغے کی حالت کیسے درست رہ سکتی تھی؟

ملکی بغاوت کا اثر بہت جلد لشکر اور اہلِ لشکر پر پڑتا ہے۔ جب ملک میں اندرونی بغاوت پھیلیگی تو لشکر میں بدنظمی ہوجانیکا بھی قوی احتمال ہوتا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی خلافت میں بھی لشکر کی وہی کیفیت تھی جو اور صیغوں کی حالت۔ مروان کی خودمختاری اور مطلق العنانی نے جس طرح خلافت ثالثہ کے تمام نظامِ ملکی کو پارہ پارہ کردیا تھا اُسی طرح فوج کی ترتیب اور لشکر کی درستی کے بند بند بھی جُدا کردیے تھے۔ ان کے بعد امیر المؤمنین نے جہاں اور نظامِ ملکی کی درستی فرمائی وہاں اس کی بھی۔ اور ملک کی تقسیم اور والیانِ ملکی کے تعین کے بعد وہاں کی فوج بھی اُسی کی نگرانی میں سپرد فرمائی۔ اور بیت المالِ اسلامی اور رقومِ خراج میں سب سے پہلے اہلِ لشکر کی تنخواہ کا خرچ نکالدیا۔ جو والیانِ ملک ملکی انتظام کے علاوہ فوجی تعلقات میں بھی بہت بڑے تجربہ کار اور ہوشیار تھے وہی اُس مُلک کی افواجِ متعینہ کے کمانڈنگ آفیسر Commanding Officer بھی بنادیے گئے۔ جیسے مالک ابنِ اشتر۔ یہ بزرگ علاقۂ الجزائر کے امیرِ مُلک بھی تھے اور امیر افواج بھی۔ مگر بہت سے ایسے لوگ جو نظامِ مُلکی میں تو پوری مہارت رکھتے تھے مگر فوجی امور میں بہت کم مداخلت رکھتے تھے اُن کے صوبوں میں البتہ ایک فوجی امیر کا علٰحدہ اضافہ فرمایا جاتا تھا۔ جیسے عبداللہ ابنِ عباسؓ یمن کے امیر تو تھے مگر فوج کی امارت سعید ابنِ قیس ہمدانی سے متعلق تھی۔

اس انتظام کی نسبت ہمارا یہ گمان صحیح ہے کہ اسکی ابتدا زیادہ تر اسی زمانہ سے ہوئی۔ سابق خلافتوں کے عہد میں ان امور کی طرف کم توجہی کی گئی۔ اس وقت اسلامی لشکر میں دو قسم کے لوگ بھرتی ہوتے تھے۔ ایک تو وہ جو ہمیشہ ایک مقامِ خاص پر متعین رہتے تھے۔ دوسرے وہ جنکا نام فوج کے رجسٹر میں درج تھا اُنکی روزانہ حاضری ضروری نہیں تھی۔ ضرورت کے وقت بُلالیے جاتے تھے۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السلام کی ضرورتوں نے اس تقسیم کو توڑ دیا۔ اور جمل وصفین کی لڑائیوں نے دونوں قسم کی فوجوں کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی رکاب میں حاضر رہنے پر مجبور کردیا۔ اس لیے ہم کو اس امر کا اعتبار کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ انتظام امیر المؤمنین علیہ السلام کے وقت میں باقی رہا۔ یا نہیں۔ مگر ہاں اتنا ہم البتہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجود روزانہ معرکہ آرائیوں کے امیر المؤمنین علیہ السلام نے مُلک کو فوج سے بالکل خالی نہیں کردیا تھا۔ جو مقامات فوج کے لیے مخصوص تھے وہاں فوجیں موجود رہتی تھیں۔ جب اُن کی ضرورت ہوئی بُلالی گئیں اور تھوڑی بہت وہاں بھی ملک کی حفاظت اور نگرانی کے لیے چھوڑدی گئیں۔

لشکر اور اہلِ لشکر نے جتنی محنت امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانہ میں اُٹھائی اُسی قدر آرام بھی۔ اور

جس قدر اُن کی خاطرداری۔ دلجوئی اور مروّت امیر المؤمنین علیہ السّلام کے دل میں تھی۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ اُتنی اور کسی فرمانروا کے دل میں نہ ہوگی۔

والیانِ مُلک کو جن کے حقوق کے محفوظ رکھنے کے لیے سب سے پہلی تاکید کیجاتی تھی وہ لشکر اور اہلِ لشکر تھے۔ اہلِ خراج۔ عاملانِ صدقات، والیانِ ملک و حاکمانِ بندوبست۔ اِن تمام لوگوں کو جن کے ساتھ رعایت۔ ہمدردی اور مروّت سے پیش آنے کے لیے ہدایت فرمائی جاتی تھی۔ وہ یہی تھے لشکر اور اہلِ لشکر اور تمام امور سے پہلی انہی لوگوں کی راحت رسانی کی نسبت تاکید کیجاتی تھی۔ محمد ابنِ ابی بکر الصدیق کو اُس دستور العمل میں جہاں رعایا کی تقسیم اور اُنکے مختلف حقوق بتلائے گئے ہیں اُن میں نمبر اوّل یہی ہیں۔ اِنکی نسبت جو دستور العمل میں درج ہوا ہے اسکو ابھی ابھی ہم نظام ملکی کے بیان میں لکھ چُکے ہیں۔ مگر ہمارے سلسلۂ بیان کی ضرورت ہمکو پھر اُس عبارت کے بعض مقامات کے انتخاب درج کرنے پر مجبور کرتی ہے جسکو ہم اپنی ضرورت کے موافق ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فالجنود باذن اللہ حصون الرعیۃ وزین الولاۃ وعزّ الدین وسُبُل الامن ولیس تقوم الرعیّۃ الا بھم

تمہارے لشکر تمہاری رعایا کے قلعے اور محافظت کے ذریعہ ہیں۔ تمہارے لشکر تمہارے ملکوں کی زینت ہیں۔ اور تمہارے دین کی عزّت اور تمہارے راستوں کے امن ہیں۔ رعایا کو ملک میں بغیر لشکر کے قیام مشکل ہے۔

یہ تو لشکر کی پوری تعریف ہے اور کیسی سچی۔ فوج کی ماہیت اور فوجی لوگوں کی ضرورت اِس سے مختصر الفاظ میں اور بہتر نہیں ہوسکتی۔ انکے ادائے حقوق کی نسبت امیر المؤمنین علیہ السّلام کے جو خیال تھے وہ ذیل میں مندرج ہیں۔

ثم تفقد من امورھم ما یتفقد الوالدان من ولدھما ولا یتفاقمنّ فی نفسك شیٔ قویتھم بہ ولا تحقرن لطفا تعاھدتھم بہ اِنّ عطفك علیھم یعطف قلوبھم علیك ولا تصحّ نصیحتھم الا بحیطتھم علی ولاۃ امورھم وقلۃ استثقال دولھم وترك استبطاء انقطاع مدتھم فافسح فی اٰمالھم وواصل من حسن الثناء علیھم وتعدید ما ابلیٰ ذو البلاء منھم فان کثرۃ الذکر لحسن افعالھم تھزّ الشجاع وتُحرّض النّاکل۔

اپنے لشکروں کے ساتھ تم ایسے پیش آؤ جیسے تم اپنے بیٹوں کے ساتھ اور تم اُن سے اِس طرح ملو کہ وہ تم سے ہمیشہ ملتے رہیں کیونکہ اگر تم اُنکے ساتھ کسی ادنےٰ چیز سے بھی سلوک کروگے تو یہ اُنکی قوّت کی زیادتی کا باعث ہوگی۔ اور یہ سمجھ لو کہ اُن کے ساتھ تمہارا مہربانی سے پیش آنا اُن کو تم پر مہربان کردیگا۔ اور اُن کی مہربانیوں سے تم کو بہت بھلائیاں ہونگی۔ تم اُن کی ثنا و صفت سے اور اُن کی کوشش اور جانفشانیوں کے ذکر سے اُنکو خوش رکھو۔ جو اُنہوں نے تمہارے لیے اُٹھائی ہیں۔ کیونکہ اُنکے محاسن اوصاف کا ذکر کرنا اُنکی ہمّت۔ دلیری اور شجاعت کو بڑھاتا ہے۔ اور اُن میں جو بزدل ہوتے ہیں اُنکو دلیر کرتا ہے۔

اہلِ لشکر کے محاسنِ سلوک قائم رکھنے کی نسبت ہم اتنی ہی ہدایتوں کو کافی سمجھتے ہیں اور ہمکو انہی مختصر

الفاظ سے امیر المؤمنین علیہ السلام کی اُس ہمدردی اور خاص توجہ کا پورا ثبوت ملتا ہے جو اُنکو اپنے لشکر اور اہلِ لشکر کے ساتھ مدِّ نظر رہتی تھیں۔

ہم نے اِن تمام ہدایتوں کو نہایت تفصیل کے ساتھ اوپر لکھا ہے۔ جن میں اُنکی رعایتِ حقوق کی نسبت امیر المؤمنین علیہ السلام نے کوئی ایسی بات اُٹھا نہیں رکھی جس کے لیے پورے طور سے اپنی ملکی افسروں یا اُنکو جو اس صیغے کے خاص افسر ہوں۔ ہدایت نہ فرمائی ہو۔ ایسا مہربان فرمانروا۔ ایسا شفیق حکمران۔ جسکو اپنے لشکر سے ایسی سچی ہمدردی اور محبت کے دعوے ہوں۔ اُنکے لیے ایک عدیم المثال نعمت ہے اور وہ اِن حالتوں پر بھی اگر اُس کے ساتھ کوئی مخالفت کریں تو یہ اُنکی شامت اور بدبختی میں شامل ہوگا۔

مگر اِن تمام رعایتوں کے ساتھ بھی اُنکے اختیارات ایک حد تک محدود کر دیے گئے اور حقوقِ رعایا کے مقابلہ میں اُنکی مطلق العنانی غیر مفید سمجھکر فوراً روک دی گئی۔ ایسا نہیں کیا گیا کہ اہلِ لشکر کے محاسنِ سلوک کے آگے رعایا کے تفقدِ احوال کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی گئی۔ ایسا نہیں کیا گیا کہ لشکر کی خاطرداری اِس درجہ تک بڑھا دی گئی ہو کہ وہ خود مختار اور خود غرض ہو کر رعایا کے حقوق کو پامال کریں یا اُن کی پریشانی۔ خوف۔ اور ایذا رسانی کے باعث ہوں۔ رعایا اور لشکر کے درمیان بھی امیر المؤمنین علیہ السلام نے وہی اصول قائم رکھے جو اِس دستور العمل کی ابتدا میں درج کر چکے تھے۔ اور بتلا چکے تھے کہ اہلِ لشکر رعایا کے قلعے اور جائے حفاظت۔ مُلک کی زینت۔ دین کی عزت اور راستوں کے امن و راحت ہیں۔ رعایا بغیر لشکر کے کسی مُلک میں قیام نہیں کر سکتی۔

یہ وہی امور ہیں جو جانبین کے حقوق کو دونوں طرف سے مستحکم بناتے ہیں۔ اور دونوں کو اپنے اپنے منصب پر قائم رکھتے ہیں۔ رعایا کے آرام اور آبادی کی ضرورت لشکر کے ساتھ ملحق ہے اور لشکر کے اطمینان و راحت کے سامان رعایا کے ساتھ۔ جانبین کو اِن اصول کی کافی طور پر تعلیم دی گئی اور ایک کو دوسرے کی ضرورت کامل طور سے دکھلا دی گئی۔ ایسی مساوات کی حالتوں میں نہ لشکر سے مُلک جُدا ہو سکتا ہے اور نہ مُلک سے لشکر۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے خود ہمیشہ انہی اصول کو مدِّ نظر رکھا اور جانبین سے ایک کو کبھی دوسرے پر ترجیح کا موقع نہیں دیا۔ جس حد تک مُلکی رعایا کے حقوق تھے ادا کیے جاتے تھے۔ اور جہانتک لشکر کے حقوق تھے اُنکی ہمیشہ تعمیل کی جاتی تھی۔

ہم اِن واقعات کی مثال کثرت سے امیر المؤمنین علیہ السلام کے اُس سفر میں پاتے ہیں جو کوفہ سے شام تک معاویہ کے مخالفانہ حملات کی مدافعت کی غرض سے کیا گیا تھا۔ اِس سفر میں نوّے ہزار سے زائد فوج امیر المؤمنین علیہ السلام کی رکاب میں ساتھ تھی۔ مدینہ سے عراق۔ عراق سے شام کی سرحد تک کی پوری مسافت لشکر کے ساتھ طے فرمائی گئی۔ مگر مُلک میں کہیں کسی شخص نے ایک اہلِ لشکر کی زیادتی۔ زبردستی یا ایذا رسانی کی شکایت نہیں کی۔ اِسکی کیا وجہ تھی۔ صرف یہی کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی نگاہ میں لشکر اور رعایا دونوں کے استحقاق

بدرجۂ مساوی قائم تھے۔ اِسی سفر میں جب امیر المؤمنین علیہ السلام کا لشکر شہر انبار میں پہنچا تو وہاں کے امراء نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کا رسم استقبال ادا کیا۔ اور اچھے اچھے عجمی گھوڑے نذر کے طور پر پیش کیے۔ اور یہ استدعا کی کہ ہم نے لشکر کی دعوت کا پورا سامان کیا ہے۔ قبول فرمایا جائے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اُنکے اظہارِ اطاعت سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم کیوں اتنی تکلیف اُٹھاتے ہو۔ تمہارے یہ تحفے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ میں تمہارے ہدیے اِس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ تمہارے خراج میں اُن کی قیمت مجرا دوں۔ اور فوج کی رسد (دعوت) قطعی قبول نہیں کیجائیگی۔ اُن لوگوں نے اپنی استدعا پر پھر اصرار کیا اور نہایت خلوص و عقیدت کا اظہار کیا تو آخر میں یہ حکم صادر فرمایا گیا کہ گھوڑے خراج میں قیمت محسوب کیے جانے کے بعد لیے جائیں۔ اور لشکر میں جن لوگوں کو جن لوگوں کے ساتھ تعارف ہو وہ مہمان کیے جائیں۔ بقیہ اور عام رسد کی قیمت اُنکو خزانہ سے ادا کر دی گئی۔ مگر اہلِ خراج کو نہایت سختی سے تاکید کر دی گئی کہ ہمارے لشکر میں سے کوئی شخص تم سے کوئی چیز بہ جبر لینا چاہے تو اُس سے مجھ کو فوراً مطلع کرنا۔

امیر المؤمنین کی ایک نظر نے لشکر اور رعایا دونوں کے استحقاق پر برابر نظر رکھی۔ ایسی بغاوت کے زمانہ میں اتنی احتیاط۔ محافظت اور بیدار مغزی سے کام لینا اُسی فرمانروا کا کام ہے جو اپنے استقلال اور ثابت قدمی کے محاسن میں اپنی آپ مثال ثابت ہوا ہو۔

یہاں تک تو وہ حالات تھے جو رعایا اور اہلِ لشکر کے فیمابین مشترک تھے۔ اب ہم لشکر اور اہلِ لشکر کے خاص قواعد اور اُنکے احکام کا ذکر کرتے ہیں جو امیر المؤمنین علیہ السلام نے نافذ فرمائے ہیں لشکر کی ترتیب باعتبار مختلف حصوں کی امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانہ میں حسبِ ذیل کیجاتی تھی:۔

تقسیم لشکر وقت مقابلہ

١	قلب	امیر لشکر اسی حصہ میں رہتے تھے۔
٢	مقدمۃ الجیش	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر قائم رہتا تھا
٣	میمنہ	قلب کے داہنے ہاتھ پر رہتا تھا
٤	میسرہ	اُلٹی طرف والا فوجی حصہ
٥	ساقہ	پیچھے رہنے والا حصہ
٦	رادہ	جو ساقہ سے پیچھے رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ فوج کو دشمن کی پچھلے حملوں سے بچائے۔

یہ تقسیم تو مقابلہ یا ترتیب فوج کے وقت کیجاتی تھی۔ اب اُن کے منصب اور خدمات کی اعتبار سے اُنکے حسبِ ذیل حصے کیے جاتے تھے۔

لشکر کی عام تقسیم

١	رکبان	شتر سوار۔ یہ سب سے آگے رہتا تھا

۲	فرسان	گھوڑے سوار۔ جو شتر سواروں سے پیچھے رہتے تھے۔
۳	راجل	پیادے۔
۴	رماۃ	تیرانداز۔ یہ خاصکر ریزروڈ ڈیوٹی کا کام دیتے تھے اور ضرورت کے وقت کام آتے تھے۔
۵	طلیعہ	حفاظت فوج۔ غنیم کی سُراغ رسانی انکے سپرد ہوتی تھی۔
۶	رائد	اِس کے متعلق فوج کی رسد رسانی ہوتی تھی۔

محاصرہ یا مقابلہ کے وقت اہل لشکر کو جن جن باتوں کی ہدایت کیجاتی تھی اُس سے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی جنگی لیاقتوں کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم ذیل میں وہ ہدایتیں درج کرتے ہیں جو فوجی افسروں کو ان مخصوص اوقات میں دی جاتی تھیں۔

فاذا انزلتم بعدٍ او نزل بکم فلیکن معسکرکم فی قُبل الاشراف وسفاح الجبال او اثناء الانہار کمایکون لکم ردءاً ودونکم مردّاً ولتکن مقاتلتکم من وجہ واحدٍ او اثنین واجعلوا لکم رقباء فی صیاصی الجبال ومناکب الہ لئلا یاتیکم العدو من مکان مخافۃ او امن واعلموا ان مقدمۃ القوم عیونھم وعیون المقدمۃ طلائعھم وایاکم والتفرق فاذا انزلتم فانزلوا جمیعاً فاذا ارتحلتم فارتحلوا جمیعاً واذا غشیکم اللیل فاجعلوا الرماح کفۃً ولا تذوقوا النوم الا غراراً او مضمضۃً۔

جب تم دشمن کے سر پر چڑھ جاؤ یا دشمن تمہارے سر پر چڑھ آئے اور مقابلہ کی ضرورت واقع ہوجائے تو تم اس کا خیال ضرور رکھو کہ تمہارا اُس وقت قیام کسی پہاڑ پر ہو یا کسی اونچی زمین پر۔ یا دریا کا کنارہ ہو۔ تاکہ تمہارے لیے پناہ کی جگہ کافی ہو۔ اور پھر دشمن تم پر مشکل سے پہنچ سکے۔ اپنے لشکر کو ہمیشہ یکجا رکھو۔ ایسے وقتوں میں پارہ پارہ اور متفرق نہ ہونے دو۔ اپنی موجودہ جمعیت میں سے تھوڑا سا حصّہ پس پشت یا کسی اونچی زمین پر علٰحدہ تیار رکھو تاکہ وہ تم کو ضرورت کے وقت یا دشمن کے لامعلوم اور ایکبارگی حملہ کے وقت کافی مدد پہنچا سکے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ لشکر کا مقدمہ اُسکی آنکھیں ہیں۔ اور مقدمۂ لشکر کی آنکھیں طلیعہ ہوتی ہیں جو مقدمۂ لشکر کے آگے رہتی ہیں۔ اُنکی خدمت یہ ہے کہ وہ دشمن کا پتہ لگائیں اور محافظت اور جاسوسی کی خدمت بجالائیں۔ اِس لیے مناسب ہے کہ وہ لشکر کے آگے رکھے جائیں جس جگہ قیام کرو وہاں متفرق نہ اُترو۔ اور جہاں سے کوچ کرو تو یکجا اور اکٹھا ہوکر۔ جب شب کے وقت کہیں اُترو تو اپنے نیزوں کو لشکر کے چاروں طرف گاڑ دو اور اُن سے اپنی حفاظت کر لو۔ اور رات کے وقت ضرورت سے زائد نہ سویا کرو۔

یہ وہ احکام ہیں جو عموماً فوجکشی کے زمانہ میں افسرانِ فوج کو دیے جاتے تھے اور اُنکے متعلق تمام امور کی اُسی طرح سخت تاکید کیجاتی تھی صِفّین کے معرکوں میں جو فوج سب سے پہلے دار الخلافہ کوفہ سے روانہ کی گئی اُس کی امارت معقل ابن قیس ریاحی کے متعلق تھی معقل کو چلتے وقت جو ہدایتیں کی گئیں وہ یہ تھیں:۔

اتق اللہ الذی لا بدلک من لقائہ ولا منتہی لک دونہ ولا تقاتلن الا من قاتلک وسر البردین وغوّر بالناس ورفّہ بالسیر ولا تسر اوّل اللیل فان اللہ تعالیٰ جعلہ سکنا وقدرہ مقاما لا ظعنا فارح فیہ بدنک وروّح ظہرک فاذا وقفت حین ینبطح السحر او حین ینفجر الفجر فسر علیٰ برکت اللہ فاذ القیت العدوّ وفقف من اصحابک وسطا ولا تدن من القوم دنوّ من یرید ان ینشب الحرب ولا تباعد منہم تباعد من یھاب الباس حتی یاتیک امری ولا یحملنکم شنآنہم علیٰ قتالہم قبل دعائہم والاعذار الیہم۔

خدا سے ہر حالت میں ڈرو کہ بغیر اِسکے تمکو چارہ نہیں ہی اور بغیر اُسکے لطف کے تمہارے لیے پناہ نہیں ہی کسی کو قتل نہ کرو جبتک وہ تمہارے قتل کا پورا ارادہ نہ کرلے۔ صبح وشام دونوں وقت سیر کیا کرو کہ یہ ٹھنڈا وقت ہی اور قیلولہ کے وقت اپنی ہمراہیوں کو آرام کرنے کی اجازت دیا کرو۔ اور اپنی سواری کے جانوروں اور اونٹوں کو روز پانی پلایا کرو۔ (ملک کے لیے یہ نہایت ضروری ہے) اور ابتدائے شب سے سفر نہ کرو کیونکہ یہ خاص وقت آرام کا ہی۔ نہ تکلیف اُٹھانے اور سیر کرنے کا۔ اوّل شب میں اپنے ہمراہیوں کو آرام دو اور سواری کے جانوروں کو آرام پہنچاؤ۔ جب سفیدۂ صبح ظاہر ہو اور طلوعِ صبح کا وقت قریب ہو تو اُس وقت راہ چلو۔ اگر راستہ میں تم سے اور تمہارے حریف سے مقابلہ ہوجائے تو اپنے اور اُس میں فاصلہ نہ رکھو اور اُسکو دیکھکر کنارہ کنارہ نہ پکڑو۔ اگرچہ وہ تمہارے کتنا ہی نزدیک آجائے کیونکہ اگر تم اُس سے زیادہ دوری یا کنارہ اختیار کروگے تو وہ سمجھینگے کہ تم اُنکے خوف سے ڈر گئے۔ اِن باتوں کی پوری پابندی کرنا جبتک کہ تم کو خاص کوئی حکم ثانی ہماری طرف سے نہ ملے۔ اپنے حریف کو سمجھانے اور ہدایت پر لانے کی غرض سے پہلے اُنکے قتل وخون یا لڑائی کا ارادہ نہ کرو۔

امیر المومنین علیہ السلام کے اِن احکام سے ہم اُنکے اُن اشفاق وخاطرداریوں کا اندازہ کرتے ہیں جو آپکو اپنی لشکر اور اہلِ لشکر کے ساتھ منظور تھیں۔ وہ کونسا امر انکی راحت وآرام کے متعلق تھا جسکی نسبت امیر المومنین علیہ السلام نے اُنکے افسر کو تاکید نہیں فرمائی۔ دشمن کا سراغ۔ لشکر کی حفاظت ہمراہیوں کی راحت۔ باربرداری کی پرداخت۔ کوچ اور مقام کے متعلق ضروری اور مفید ہدایت۔ مقابلہ۔ محاصرہ کے اوقات کی ضروری باتیں۔ حریف سے پیش آنیکے طریقے۔ اِنکے علاوہ اور وہ کونسی دوسری باتیں تھیں جو اِس حکمنامہ میں نہیں درج کی گئیں۔ کیا کوئی فرمانروا اپنے ایسے ترددات اور انتشار کے زمانہ میں اِس استقلال اور اِس ثابت قدمی سے ایک ایک صیغہ کے ہر ہر پہلو پر اِس توجہ سے غور کرسکتا ہے۔

اور اُن پر اِس تفصیل اور تشریح سے ایسے ضروری اور مفید احکام جاری کرسکتا ہی؟ یہ اُسی کا کام ہے جو اپنی شبانہ روز کے انتشار کو اپنی استقلال کے آگے کچھ نہ سمجھتا ہو۔ اور ہمکو یہ احکام اِس امر کا پورا یقین دلاتی ہیں کہ یہ اوصاف امیر المومنین علیہ السلام میں تھے اور ضرور تھے۔ شجاعت کی ساتھ رعایت۔ یہ امیر المومنین علیہ السلام کے اصولِ جنگ میں سے ایک خاص اصول ہے جسکو ہم اِس کتاب کے ابتدائی مضامین میں متعدد واقعات سے

ثابت کر چکے ہیں۔ اب ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ اِس اصول کی پابندی کچھ مخصوص موقع پر ظاہر نہیں فرمائی جاتی تھی بلکہ اِن اصول کی تعلیم آپنے اپنے تمامی ملکی۔ مالی اور فوجی افسر کو پہنچائی ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نہایت سختی سے اپنی حریف کا مقابلہ کرتے تھے لیکن اگر خیال کرو اور غور سے کام لو تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے حریف کی مقابلہ میں جتنی نرمی اور مروّت کو راہ دی ہے اُتنی کسی اور نے نہیں۔ اب ہم وہ احکام ذیل میں لکھے دیتے ہیں جن میں حریف سے مقابلہ کے وقت یا اُس وقت جب وہ ہزیمت اُٹھائے یا شکست کھائے اُسکے ساتھ پیش آنے کے طریقے درج ہیں:

لا تقاتلوهم حتی یبدؤکم فانکم بحمد الله علی حجة وترککم ایاهم حتّی یبدؤکم حجة اخری لکم علیهم فاذا کانت الهزیمه باذن الله فلا تقتلوا مدبرًا ولا تصیبوا مُعوِرًا ولا تجهزوا علی جریح ولا تهیجوا النسآء باذیً وان شتمن اعراضکم وسببن امراءکم فانهن ضعیفات القویٰ والانفس والعقول ان کنا لنؤمر بالکف عنهن وانهن لمشرکات وانکان الرّجل لتناول المراءة فی الجاهلیة بالفهر او الهراوة فیعیر بها وعقبه من بعده +

امابعد۔ جب تک کہ تم پر وہ قتل کے ہاتھ نہ اُٹھائیں تم اُنکے قتل کا ارادہ نہ کرو۔ وہ جب تک کہ تمکو نہ ماریں تم دست بقبضہ نہ ہو۔ کیونکہ اُنکے مقابلہ میں تمہارے پاس خدا کی سچی اور روشن دلیل موجود ہے۔ اور اِس تاخیر کے لیے تمہارے پاس خدا کی طرف سے دوسری حجّت ہے۔ جس وقت تمہارا حریف تم سے شکست پا جائے اور اُسکی جمعیت منہزم ہو جائے اور وہ بھاگنے لگیں تو اُن کے بھاگنے والوں کو قتل نہ کرو۔ اور اُن میں سے اگر کوئی انتہا درجہ کی عار اور ذلت گوارا کرکے اپنے ستر کو کھولدے تو تم اُس کو نہ مارو۔ جو اُن میں زخمی ہو گئے ہوں اُنکو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ ہر چند وہ تمہیں گالیاں بھی دیں اور بُرا بھلا بھی کہیں تم اُنکو کچھ نہ کہو۔ کیونکہ عورتیں جیسی ضعیف الاعضاء ہوتی ہیں ویسی ہی ضعیف العقل اور ضعیف الطبع۔ اس لیے کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو باوجود اِس کے کہ وہ کافر اور مشرکہ ہوتی تھیں تکلیف دینے کا حکم نہیں تھا۔ اور ہم اُن کی ایذا رسانیوں سے سخت منع کیے گئے تھے۔ دیکھو زمانۂ جاہلیت میں بھی اگر کوئی مرد کسی عورت کو پتھر سے بھی مار دیتا تھا تو وہ ہمیشہ اُسکے لیے سخت شرم کی بات ہو جاتی تھی۔ اور قوم کے لوگ اُسکو اور اُس کی اولاد کو نفرت سے برابر دیکھتے تھے اور بُرا کہتے تھے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کے یہ احکام اُس اصول کی کامل طور سے تصدیق کرتے ہیں جو اسلام کی صداقت اور مقبولیت کے معیار تھے۔ اسلام نے اپنے حریف سے مقابل ہونیکی جتنی اجازت دی تھی وہ اُتنی ہی تھی۔ اور غنیم کے ساتھ سختی کے مقابلہ میں نرمی کرنیکی جو صورتیں بتلائی تھیں وہ یہی تھیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو اگر اسلام کی سچّی ہمدردی۔ خلوص اور محبت کا دعوٰے نہ ہوتا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ صفین۔

جمل اور نہروان کے ایسے سخت اور خوفناک معرکوں میں لتنے بڑے حریف کے ساتھ اس نرمی اور آسانی سے پیش نہ آتے۔

مگر اسلام کی تخصیص کے ساتھ ہمارا یہ خیال غلط ہے۔ کچھ اسلام ہی پہ منحصر نہیں۔ ہمارے پاس کثرت سے ایسے واقعات موجود ہیں جنسے یہ امور پورے طور سے ثابت ہوتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے غیر مسلم شخصوں کے ساتھ بھی ایسی ہی نرمی اور آسانی کو ملحوظ رکھا ہے۔ طلحہ ابن ابی طلحہ کے مقابلہ کی کیفیت غزوۂ احد میں دیکھو۔ یہودی اور اُس کے تھوک دینے کی نقل مشہور ہے۔ اور مثنوی مولوی روم میں مذکور ہے ؎

اوخیو انداخت بر روئے علی　　　افتخار ہر دصی و ہر ولی

امیر المؤمنین علیہ السلام کے یہی احکام تھے جنہوں نے اُنکے لشکر اور اہلِ لشکر کو اپنی اعتدال سے قدم باہر رکھنے نہ دیا۔ اور سفر سے لیکر مقابلہ کے وقت تک ملک کی رعایا پر اُنہیں کوئی زبردستی اور ظلم نہیں کرنے دیا۔ رات دن فوجیں حجاز سے۔ یمن سے۔ جزائر سے برابر عراق میں آتی جاتی رہیں۔ مگر کبھی کسی مقام کی رعایا ذاہل لشکر کی زیادتی کی شکایت نہیں کی۔ رعایا کے آرام و اطمینان کی مزید احتیاط کے لیے جن کے علاقوں سے لشکر عبور کرتا تھا۔ وہاں کے عاملوں کے نام رعایا کے تحفظ اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے جو حکمنامے لکھے جاتے تھے اُنکی بجنسہ عبارت ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

من عبد اللہ علی امیر المؤمنین الی من مرّ بہ الجیش من جباۃ الخراج و عمال البلاد اما بعد فانی قد سیرت جنودا ھلی مارۃ بکم انشاء اللہ وقد اوصیتہم بما یجب للہ علیہم من کف الاذی و صرف الشذ اوانا ابرء الیکم والی ذمتکم من معرۃ الجیش الا من جوعۃ المضطر لا یجد عنھا مذھبا الی شبعہ فنکلوا من تناول منھم شیئا ظلما عن ظلمہم وکفوا ایدی سفہائکم من معاداتہم والتعرض لھم فیما استثنیناہ منھم وانا بین اظھر الجیش فادفعوا الیّ مظالمکم وما عراکم مما یغلبکم من امرھم ولا تطیقون دفعہ الا باللہ و لی فانا اُغیرہ بمعونۃ اللہ ۔ ان شاء اللہ۔

عمالِ ملکی کے نام روانگیِ لشکر کے وقت حکم نامے

اما بعد۔ انشاء اللہ۔ لشکر تمہارے۔ ملکوں میں ہوکر عبور کریگا۔ میں نے اُنکو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ وہ تم لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اور اپنی مضرت کے ہاتھ تمہاری طرف نہ بڑھائیں جس قدر کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے اُن کے لیے واجب ٹھیرایا ہے۔ وہ اُسی قدر تم سے لیں اور کسی قسم کا ظلم کافر یا اہلِ اسلام کے ساتھ روانہ رکھیں۔ اس ہدایت پر بھی اگر وہ لوگ کسی کافر یا اہلِ اسلام کے ساتھ کوئی زبردستی کریں تو میں تمہارے سامنے اُن کے افعال سے بری ہوتا ہوں مگر ایسی مخصوص حالتوں میں کہ لشکر کو کافی رسد نہ پہنچے اور وہ بھوکوں مرے تو اُس وقت اُن کو بغیر رعایا کے کوئی دوسری صورت نہ ہوگی۔ تو ایسی حالتوں میں وہ رعایا سے اپنی رسد کی چیزیں لے سکتے ہیں۔ اگر لشکر والوں میں سے کوئی ظلم اور جبر دکھلا کر رعایا سے کوئی چیز لے لے تو تم اُس کی پوری سزا کرو۔ مگر اہلِ لشکر کو ایسی ہی ضرورت ہو اور وہ رعایا کی چیزوں سے کچھ لینا چاہیں تو اپنے آدمیوں کو جو اُن کو ان چیزوں کے لینے سے باز رکھیں۔ منع کردو۔

میں بھی تمہارے ملکوں میں قریب آتا ہوں اور فوراً لشکر کے پیچھے پہنچتا ہوں۔ اگر تم کو کوئی ظلم اہل لشکر سے پہنچے اور تم اُن کی پوری سیاست نہ کرسکو تو مجھ کو آنے دو۔ میں آکر تمہاری شکایت کی پوری مدافعت کردونگا۔ اور کسی شخص کو اُن کی ایذارسانیوں کی حالت میں تنہا نہ چھوڑونگا۔

جنگ جمل کی فتح کے بعد امیر المؤمنین علیہ السّلام کے لشکریوں کو حریف کے تعاقب میں ایک عورت ملی وہ حمل سے تھی۔ جنگی سپاہیوں کو دیکھتے ہی وہ خوف زدہ ہوکر بھاگی۔ حمل ساقط ہوگیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بھی فنا ہوگئی۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو اس کی خبر ہوئی تو بچّہ اور بی بی دونوں کی دیت بیت المال سے اُس کے شوہر کو دلوادی۔

یہ وہی واقعات تھے جن سے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی ہمدردی اور رعایا کے احوال سے خبرگیری پورے طور سے ثابت ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے ایسے منتشر اور متردد فرمانروا کے لیے اتنے اتنے امور کی محافظت نہایت دشوار تھی۔ وقت تنگ سے تنگ۔ فرصت کم سے کم۔ انتشار و ترددات کے عالم میں کوئی کیسا ہی مستقل مزاج کیوں نہو مگر ہوش و حواس اُسکے بھی بجا نہیں رہتے۔ ضروری باتیں اکثر چھوٹ جاتی ہیں لیکن امیر المؤمنین علیہ السّلام کا استقلال اور ثابت قدمی ایسی ہی تھی جو لشکر کی ضروریات کے ساتھ ملکی معاملات پر بھی ایک ہی نظر ڈالتی تھی۔

جمل و صفین کے معرکوں میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اگرچہ تمامی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی تھی مگر تاہم نوّے ہزار آدمیوں کی درستی اور ترتیب ایک شخص سے ہونی ناممکن تھی۔ اور اگر کسی طرح ہوتی بھی تو وہ اطمینان دہ اور کامل نہیں کہی جاسکتی تھی۔ اس لیے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ لشکر میں قبیلے کے قبیلے علیحدہ کرلیے گئے تھے۔ اُن میں جو ممیتنر۔ معتمد۔ متدین اور خاصکر فنونِ جنگ میں ہوشیار اور تجربہ کار ہوتے تھے وہ اُس قبیلہ کے سردار بنائے جاتے تھے۔ اُن کے اہل قبیلہ کے تمام امور کی نگرانی اُنہی کے متعلق کیجاتی۔ وہی اُن کے محافظ ہوتے تھے اور خبرگیراں۔ وہی اُن کی تمام ضرورتوں کو دربارِ خلافت میں عرض فرماتے تھے اور اُن کے آرام و آسائش کی خاطر خواہ سامان مہیا کرتے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے ان امراء قبائل اور افرانِ فوج کے محاسن خدمات کا جائزہ اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ جو مہینے میں دو مرتبہ یا اس سے زائد نہایت سختی سے لیا جاتا تھا۔

اب ہم اُن قبیلوں کی تقسیم اور اُن امراء کے نام ایک نقشہ میں لکھکر ناظرین کتاب کے پیشِ نظر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ فلاں قبیلہ یا قبائل کا فلاں شخص امیر تھا۔

نمبر شمار	امراء کے نام	قبائل کے نام	کیفیت
۱	سعید ابن مسعود ثقفی	قبیلۂ قیس و بنی عبد القیس	
۲	معقل ابنِ قیس الریاحی	قبائل تمیم ضبیہ۔ رباب۔ قریش بنی اسد	
۳	مخنف ابنِ سلیم	قبائل ازد۔ بجیلہ۔ بنی خثعم	

نمبر شمار	امراء کے نام	قبائل کے نام	کیفیت
۴	حجر ابنِ عدی	قبائل کندہ۔حضرموت۔قضاعہ	
۵	زیاد ابنِ نضر	" مذحج اور اشعری	
۶	سعید ابنِ ہمرۃ ہمدانی	" ہمدان اور حمیر	
۷	عدی ابن حاتم الطائی	قبیلۂ طے	
۸	خالد ابنِ معمر سدوسی	" کمیر ابنِ وائل	

رسد رسانی کا انتظام بیرونجات سے کیا جاتا تھا اور والیانِ مُلک کو اسکے متعلق حکمنامے بھیجے جاتے تھے کہ وہ لشکر کے لیے اپنے اپنے مُلکوں سے کافی رسد بھیجا کریں۔معاملاتِ صفّین میں آبِ فرات کی ممانعت کے بعد معاویہ نے رسد رسانی کے سلسلہ کو قطع کرنا چاہا تھا۔مگر اُن کی یہ کوشش پیش نہ چل سکی۔ہم اس واقعہ کو تاریخ طبری اور روضۃ الصفا کے ترجمہ سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

معاویہ نے آبِ فرات کے واقعہ کے بعد رسد کے روک دینے کی تجویز پیش کی۔عمرو ابنِ عاص نے باز رکھنا چاہا۔مگر معاویہ نے نہ سُنا اور عبدالرحمٰن ابنِ خالد ابنِ ولید کو اس امر پر آمادہ کرنا چاہا۔ اُس نے بھی قطعی انکار کر دیا تو آخرکار یہ عہدہ ضحّاک ابنِ قیس فہری کے سپرد ہوا۔اور ضحاک ہزار سپاہیوں کے ساتھ عراق کے رستہ پر جا بیٹھا جہاں سے جَو۔گیہوں۔خُرما۔اور روغنِ زیت اور دیگر اشیائے رسد امیر المؤمنین علیہ السلام کے لشکر میں پہنچائی جاتی تھیں۔یہ لوگ تاجر نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ اُن خاص لوگوں کا قافلہ تھا جو ممالکِ اسلامی کی طرف سے لشکر میں رسد رسانی کی اشیاء فراہم کرتے تھے۔

ضحاک کو یہ قافلہ مل گیا۔ضحاک نے ان سے کہا کہ اگر یہ چیزیں تم اہلِ شام کے لشکر میں لیچلو تو ہم امیر المؤمنین علی مرتضٰے علیہ السّلام کے لشکر سے دوگنی سہ گُنی قیمت دلوا دینگے۔اُنھوں نے کہا کہ ہم تاجر اور تجارت پیشہ نہیں ہیں اور نہ ہم نے کسی ذاتی نفع کے خیال سے یہ خدمت اپنے سر لی ہے۔بلکہ ہم خلافت کی طرف سے رسد رسانی کے منصب پر مامور ہیں اور اپنے مُلک سے امیر المؤمنین کے لشکر میں رسد کی چیزیں لیے جاتے ہیں۔

ضحاک نے انکی باتوں کو نہ سُنا۔انکو قید کیا اور شام کے لشکر میں بھیجدیا۔ان کی جماعت سے کسی نہ کسی طرح ایک آدمی جانبر ہوا جس نے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں اسکی خبر پہنچائی۔امیر المؤمنین علیہ السّلام نے زہیر ابنِ قیس کو پانچسو آدمیوں کے ہمراہ ضحاک کے مقابلہ کو روانہ کیا۔زہیر نے پہنچکر ضحاک کو جا گھیرا۔اور فیمابین بہت بڑی خونریزی ہوئی۔ضحاک کی ہزیمت ہوئی۔اور اہلِ شام ناکامیاب واپس آئے۔اور پھر انقطاع پر جرأت نہ کر سکے۔

محاصرہ کے وقت تو فوج کی رسدرسانی کا یہ انتظام تھا جو اوپر بیان کیا گیا۔ اب قیام کے وقت اس کا بندوبست اُس ملک کے عامل کے متعلق ہوتا تھا جس ملک میں وہ لشکر مقرر ہوتا تھا۔ مگر اس بندوبست کی پوری تحقیق ہمکو امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانہ میں مشکل سے ہوتی ہے کیونکہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی چار سالہ حکومت کو رات دن معرکہ آرائیوں سے سامنا رہا۔ اُنکا ایک جگہ قیام نہیں ہوا۔ آج اگر بصرہ کی مہم پر فوجیں روانہ کی گئی ہیں تو کل شام کی سرحد پر۔ آج یمن کے محاصرہ پر ہیں تو کل حجاز کے۔ اسی طرح ملکی بغاوت کے ہاتھوں لشکر کی قیامگاہ اور اُنکے مقامی انتظامات کی نسبت بہت کم تحقیق ہو سکتا ہے مگر ہم اتنا ضرور کہینگے جیسا کہ اکثر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوجوں کی مخصوص جگہیں بالکل لشکر سے خالی بھی نہیں کر دی جاتی تھیں۔ اگرچہ وہاں سے بھی فوجیں برابر صفین اور جمل کی مہمات پر بُلائی گئیں مگر وہ مقامات بالکل خالی بھی نہیں کر دیے گئے تھے۔ جس قدر فوجیں وہاں رہگئی تھیں اُنکے لیے وہی سابق کے انتظام قائم تھے۔

صیغۂ تقسیم بیت المال

ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں لکھ آئے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے ہی دن اس صیغہ کی طرف توجہ فرمائی۔ اسکی حالت حضرت عثمان کے وقت سے جیسی کچھ ابتر ہو رہی تھی وہ تاریخی واقعات سے ظاہر ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے جس وقت سے بیت المال کا چارج لیا آخر وقت تک اس کی تقسیم میں اپنی طرف سے خاص انتظام فرمایا اور اسکی درستی اور ترتیب کی کوششوں میں وہ توجہ فرمائی کہ اہل اسلام کی تمام شکایتیں جو اکثر اوقات اسکے متعلق ہوا کرتی تھیں رفع ہو گئیں۔

اسکی نسبت عام طور پر خیانت کی شکایتیں ہوتی تھیں۔ اور یہ خیانت بھی ایک صورت میں نہیں بیان کی جاتی تھی۔ کہیں خازن کی خیانت ظاہر کی جاتی تھی اور کہیں خلیفہ کی اقربا پروری جنبہ داری اور اسراف کی۔ غرض ان تمام شکایتوں سے خیانت کے ایک ہی معنی نکلتے تھے۔ یہ شکایت کچھ نئی نہیں تھی۔ بلکہ وہی قدیم جو مروان کی بدولت تیسری خلافت کے وقت سے برابر چلی آتی تھی۔ اور اصل وجہ یہ تھی کہ مروان کی خود غرضیوں نے تقسیم بالمدارج کے انتظام کو بھی بالکل پارہ پارہ کر دیا تھا اور وہ مدارج و مناصب جو دوسری خلافت کے زمانہ سے بیت المال کی تقسیم میں قائم ہوئے تھے انہی کی نفسانیت کی بدولت پانچ پانچ چھ چھ برس سے بالکل درہم و برہم ہو گئے تھے اور اُس کی کوئی صورت قائم نہیں باقی تھی۔ ہم ان بدانتظامیوں کی پوری کیفیت پوری تفصیل کے ساتھ اس کتاب کے پہلے حصہ میں اکثر مقام پر لکھ آئے ہیں۔ (تقسیم بیت المال کے متعلق سابق شکایتیں)

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس شکایت کے رفع کرنے کی پہلی صورت یہ نکالی کہ تقسیم بیت المال کی بالکل حالت تبدیل کر دی اور تقسیم بالسویہ کے انتظام کو اہل اسلام کی شکایت کے دفع کرنے کے لیے مناسب خیال فرمایا جو ان شکایتوں کے اصلی باعث ہو رہے تھے وہ جاتے رہے۔ تقسیم بالسویۃ بمقابلہ تقسیم بالمدارج کے امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانہ کی کوئی خاص ایجاد نہیں تھی بلکہ یہ وہی طریقہ تھا جو گیارہ برس تک (تقسیم بیت المال میں ترمیم)

قلمرو اسلامی میں جاری رہ چکا تھا۔ مگر تاہم اسکی ترمیم چند اہلِ اسلام کی شکایت کا باعث ہو ہی گئی۔ جن میں زیادہ وہی لوگ تھے جو مروانی داد و دہش کے مدت سے بار احسان چلے آرہے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُن چند آدمیوں کی شکایت کو عام اہلِ اسلام کے مقابلہ میں ضروری نہیں سمجھا۔ اور تقسیم بالتسویۃ کی بار دیگر انتظام کو بحال رکھا۔

تقسیم کا عام طریقہ

جب خراج کہیں سے آتا تھا تو آپ اُس کو اُسی دن سب مسلمانوں میں بحصۂ مساوی برابر بانٹ دیتے تھے۔ بیت المال میں صرف وہی مال رکھا جاتا تھا جو اُس دن کی تقسیم ہونے سے رہجاتا تھا۔ اپنے لیے ان میں سے کوئی شے مختص نہیں کیجاتی تھی اور نہ اپنے کسی دوست۔ قرابتمند اور عزیز کو بالخصوص کوئی چیز دی جاتی تھی۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ تقسیم بیت المال کے بعد مکانِ بیت المال میں خود اپنے ہاتھوں سے جھاڑو دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اے مکان! تو قیامت کے دن خدا کے آگے اِس امر کی شہادت دینا کہ جو مال تیرے اندر تھا علی نے اُسکو مسلمانوں سے روک کر جمع نہیں کیا۔

تقسیم میں احتیاط

مال کی تقسیم میں نہایت احتیاط فرمائی جاتی تھی کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی تقسیم سے مستثنےٰ نہیں رہنے دیتے تھے۔ اصفہان سے کچھ مال آیا تھا جس میں ایک روٹی بھی تھی۔ پہلے آپ نے مال کے سات حصے کیے۔ پھر اُس روٹی کے سات ٹکڑے کیے۔ اور ہر ایک ٹکڑا ہر حصہ میں شامل کرکے وہ تمام و کمال مال مستحقین پر تقسیم کر دیا۔[1]

بیت المال کی تقسیم بالکل اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ ہر ہفتہ میں شب پنجشنبہ کو مسجد سے بیت المال میں تشریف لاتے تھے۔ اور ہفتہ وار آمدنی کا حساب خازن سے لیکر اپنے ہاتھوں سے بیت المال کی تمام و کمال موجودہ رقم اہلِ اسلام پر تقسیم فرما دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جمعہ کا دن آئے اور بیت المال میں کچھ باقی رہجائے۔

امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ میرا بچپن تھا۔ میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتا کھیلتا کوفہ کے مشہور محلہ رحبہ میں جا نکلا۔ دیکھا امیر المؤمنین علیہ السلام بیت المال کی تقسیم فرما رہے ہیں اور سامنے سونے اور چاندی کے انبار ہیں۔ اہلِ اسلام کا مجمع گرد و پیش جمع ہے۔ تا اینکہ وہ تمام و کمال رقم تقسیم ہو گئی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام تقسیم سے فرصت کرکے جب گھر جانے لگے تو بالکل ہاتھ خالی تھے اور آپکے پاس کچھ نہیں تھا۔

تقسیم بالسویۃ [illegible]

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس تقسیم میں زمانہ رسالت کے مطابق مساوات کا عام قاعدہ جاری رکھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستور کے مطابق اہلِ اسلام اس تقسیم میں برابر حصہ پاتے رہے۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں تھی۔ اس قاعدے کی پابندی نہایت سختی اور احتیاط سے برتی جاتی تھی۔ اس میں کسی کی خصوصیت کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ الکثر ایسے لوگ جن کی طبیعتیں مساوات کی خوگر نہیں تھیں

---

[1] ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ۱۲

اسکی شکایت بھی وقتاً فوقتاً کرتے تھے۔ اُن کو نہایت آزادی سے جواب دیا جاتا تھا۔ اور اس اصول سے کبھی خلاف نہیں کیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ اصحابِ مخصوصین میں سے ایک صاحب نے مساوات کے خلاف عرض کی اور اُسپر یہ دلیل پیش کی کہ آپ قریش اور تمام عرب کے قبائل کو اہلِ عجم اور دیگر تازہ مسلمان شدہ قوموں کے برابر جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امیرِ شام کے پاس اہلِ عرب زیادہ رجوع ہوتے ہیں اور آپکے پاس بہت کم۔ امیر المومنین علیہ السلام نے نہایت متانت سے اور آزادی سے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہر گز میری یہ خواہش نہیں ہے کہ میں اسلام کی جماعت میں ایک قوم پر ظلم کرکے دوسری قوم کی اعانت کروں۔ میں کبھی اپنے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ یہ مال تو انھی مسلمانوں کا ہے۔ اگر میری خاص ملکیت بھی ہوتی تو میں اپنی عام ہمدردی کے خیال سے ان پر بحصّۂ مساوی تقسیم کر دیتا[1]۔

اسی طرح دو عورتیں امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اُن میں سے ایک عرب تھی دوسری عجم۔ تقسیم کا وقت تھا۔ یہ دونوں بھی اسلامی مستحقین میں شامل تھیں۔ اُن میں سے ہر ایک شخص کو پچیس پچیس درہم دیے گئے۔ زنِ عربیہ جل اٹھی اور کہنے لگی۔ یا امیر المومنین علیہ السلام! میری بہن عجم ہے۔ میرے برابر حصّہ پانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس مال میں بنی اسمٰعیل کو بنی اسحٰق پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔

تقسیم بالسویہ میں یہ احتیاط تو اُن کے ساتھ تھی جو عامۃ المسلمین میں داخل تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے اُنکو کوئی قرابت اور خصوصیت نہیں تھی۔ اب ہم اسکے بعد وہ واقعات لکھتے ہیں جو بیت المال کی تقسیم کے متعلق امیر المومنین علیہ السلام کو اپنے خاص قرابتداروں اور عزیزوں سے پیش آئے مگر تقسیم بالسویہ کے اصول ایسے ہی استقلال اور استحکام سے عدالت کی میزان میں تول لیے گئے تھے کہ پھر اُن کو نہ کسی کی قرابت بڑھا سکتی تھی اور نہ کسی کی خصوصیت گھٹا سکتی تھی۔

سب سے پہلے ہم عبداللہؓ ابن جعفر کا واقعہ لکھتے ہیں۔ یہ بزرگ حضرت جعفرؑ ابن ابیطالب کے بڑے صاحبزادے تھے۔ اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے خویش۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر۔ ان کو ایک گھوڑا خریدنے کی ضرورت ہوئی۔ بیت المال کی تقسیم والے دن پر ٹالا۔ یہ اپنی موجودہ ناداری اور تنگدستی کی حالتیں دکھلاکر اصرار کرنے لگے تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے جانِ عم! میں نے تم کو اپنی مجبوری دکھلادی۔ اب یہی باقی رہگیا ہے کہ میں اب چوری کروں اور تم کو پہنچاؤں۔ یہ جواب سنکر وہ خاموش ہو گئے اور آیندہ اصرار پر جرأت نہ کرسکے۔

اسی کے ضمن میں حضرت عقیل ابنِ ابیطالب کا قصّہ ایسا مشہور ہے جو قریب قریب تمام اسلامی

[1] کتاب غارات محمد ابن ابراہیم ثقفی۔ تہذیب صفحہ ۳۰۸

تاریخوں میں مذکور ہے۔ خراج میں کہیں سے گیہوں آئے تھے۔ بیت المال میں رکھے تھے۔ عقیل ایک تو عیالدار دوسرے اُن دنوں نہایت تنگدست ہو رہے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام سے اپنی حالتیں دکھلا کر اپنے حصّہ سے زائد کے خواستگار ہوئے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو اُن کی تنگدستی اور افلاس کی پوری کیفیّت معلوم تھی۔ اُن کے چہروں سے اُنکی پریشانی اور نہایت درجہ کا افلاس ظاہر تھا۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اپنی عدالت اور اصولِ مساوات کے مقابلہ میں اُنکی موجودہ حالتوں پر مطلق توجہ نہیں فرمائی اور اُنکو اس فقط استدعا کرنے کی سزا میں سخت تنبیہ فرمائی اور مسجد میں تشریف لا کر عقیل کی ساری روئداد اہلِ اسلام کے سامنے ذیل کے خطبہ میں بیان فرمائی۔

واللہ لان ابیت علی حسك السعدان مسھّدا او اُجرّ فی الاغلال مصفّد احبّ الیّ من ان القی اللہ ورسولہ یوم القیٰمۃ ظالما لبعض العباد وغاصبا لشیٔ من الحُطام وکیف اظلم احدا لِنفسٍ یُسرع الی البِلیٰ قفولھا ویطول فی الثریٰ حلولھا واللہ لقد رأیت عقیلاً وقد املق حتّیٰ استماحنی من بُرّکم صاعًا ورأیت صبیانہ شُعث الشعُور غبر الالوان من فقرھم کانّما سودت وجوھھم بالعظلم وعاودنی مؤکّدا وکرّر علی القول مردّدا فاصغیتُ الیہ سمعی فظن انی ابیعہ دینی واتّبع قیادہٗ مفارقا طریقتی فاحمیت لہ حدیدۃً ثم ادنیتھا من جسمہ لیعتبر بھا فضجّ ضجیج ذی دنف من المھا وکان دان یحترق من میسمھا فقلت لہ ثکلتك الثواکل یا عقیل اَتئنّ من حدیدۃ احماھا انسانھا للعبہ وتجُرّنی الیٰ نارٍ سجّرَھا جبارھا لغضبہ اَتئنّ من الاذی ولا اَئنّ من لظی واعجب من ذٰلك طارقٌ طرقنا بملفوفۃ فی وعائھا ومعجونۃٍ شنئتھا کانّما عجنت بریق حیّۃ اَو قیئھا فقلت اَصِلَۃٌ ام زکوٰۃ ام صدقۃ فذٰلك کلّہ محرم علینا اھل البیت فقال لا ذا ولا ذاك ولکنّھا ھدیہ فقلت ھبلتك الھبول اَعَن دین اللہ اتیتنی لتخدعنی مختبطٌ ام ذو جنّۃ ام تھجر واللہ لو اعطیت الاقالیم السبعۃ بما تحت افلاکھا علیٰ ان اعصی اللہ فی نملۃ اسلبھا جلب شعیرۃ ما فعلت وان دنیاکم عندی لاھون ورقۃ فی فم جرادۃ تقضمھا ما لِعَلیٍّ ولنعیمٍ یفنیٰ ولذّۃ لا تبقی نعوذ باللہ من من سُبات العقل وقبح الزلل وبہ نستعین۔

اگر میرے تمام بدن میں رنگینی کے کانٹے چبھو دیے جائیں اور میں اُنکی شدّت سے دم بھر سو نہ سکوں یا میری گردن میں بھاری طوق پہنائے جائیں۔ میں ان تمام تکلیفوں کو اس امر کے مقابلہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں قیامت کے دن خدائے منتقم کے آگے اُس کے کسی بندہ پر ظلم کرنے یا اُنکی چیزوں پر ناحق تصرّف کرنے اور غصب کرنیکے جرم میں پکڑا جاؤں۔ میں اپنے نفس کے لیے جو ابھی فنا ہو جائیگی اور مٹی میں مدّتوں تک گھُلتی رہیگی کیونکر اتنا بڑا مظلمہ گوارا کر سکتا ہوں۔ میں نے ابھی ابھی اپنے بھائی عقیل ابنِ ابیطالب کو دیکھا کہ اُس کی حالت غایت درجہ پر پہنچ چکی تھی اُسکے چہرے سے افلاس اور تنگدستی کے آثار نمایاں تھے۔ اُس نے صرف ایک پیمانہ گیہوں کی مجھ سے تمہارے گیہوؤں کی

ڈھیروں میں سے جو بیت المالِ اسلامی میں رکھے ہوئے ہیں درخواست کی۔ اس لیے کہ وہ اپنے بھوکے اور مصیبت زدہ بچوں کو کھلائے اور حقیقت میں میں نے اُس کے عیال کو ایسی حالت میں دیکھا کہ فاقوں کے سبب اُنکے رنگ بدل گئے تھے۔ اُنکے مُنہ سیاہ ہو گئے تھے۔ اگر تم اُن کی صورتوں کو دیکھتے تو کہتے کہ انھوں نے اپنے مُنہ کو نیل سے رنگا ہے۔ میں نے اوّل بار اُسے ٹال دیا۔ مگر وہ پھر میرے پاس آیا اور اُسی قدر گیہوں طلب کیے اور مجھ سے بہت اصرار کیا۔ میں نے اُس کے مُنہ سے اپنے کان قریب لگا دیے۔ وہ یہ سمجھا کہ میں اُسکی استدعا کو قبول کرتا ہوں اور اپنے دین کو اُسکی ضرورتوں کے ہاتھ بیچتا ہوں۔ یا اُس کی قربت اور اطاعت کی وجہ سے میں اپنے اصول کو توڑ دونگا۔ میں وہاں سے اُٹھا اور ایک لوہے کو گرم کرکے اُس کے بدن کے قریب پہنچایا۔ جلا دینے کے یقینی خیال سے نہیں۔ صرف تنبیہ اور عبرت کے لحاظ سے اور اس خیال سے کہ وہ اپنی طمع کی خواہش سے باز آئے۔ جب میرا لوہا گرم اُس کے بدن کے قریب پہنچا تو اُس نے اُسکی حرارت کی وجہ سے فریاد کی۔ اور بیماروں کی طرح آہ آہ کرتا رہا۔ اور قریب تھا کہ اُسکی حرارت سے اُسکے بدن پر داغ پڑ جائے اور اُسکی جلدِ بدن جل جائے میں نے اُسکی فریاد سنکر کہا کہ اے عقیل! تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ تم صرف ایک لوہے کی حرارت سے جس کو ایک انسان نے صرف تمہاری تنبیہ کے لیے گرم کیا ہے اس قدر روتے ہو اور فریاد کرتے ہو۔ اور مجھ کو اُس آگ کے سپرد کیا چاہتے ہو جو خدائے جبّار نے اپنے غضب کے اظہار میں روشن کی ہے۔ تم تو اس آگ کی گرمی سے پریشان ہو۔ میں دوزخ کی آگ سے خوف نہ کھاؤں اور اپنے آپ کو اُس کے ہیبتناک شعلوں سے نہ بچاؤں۔

تحفہ اور امیر المومنینؑ

اور اِس سے بڑھکر ایک کیفیت کل شب کو گزری ہے اِسکو بھی سُنلو۔ ایک شخص رات میرے پاس آئے اور سرپوش سے ڈھکی ہوئی ایک چیز لائے۔ میں نے دیکھا تو حلوا تھا۔ نہایت خوشگوار۔ مگر میری نظر میں وہ اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور میں نے اُسکی طرف مطلق رغبت نہ کی۔ وہ مجھ کو ایسا معلوم ہوا جیسا زہر میں پکایا گیا ہو۔ یا سانپ کے لعابِ دہن میں قوام کیا گیا ہو۔ میں نے اُس شخص سے پوچھا کہ یہ کیسا عطیہ ہے جو تم مجھ کو دیتے ہو۔ یہ مالِ زکوٰۃ سے ہے۔ صدقات سے یا خیرات سے؟ حالانکہ یہ تینوں چیزیں ہم اہلبیت (علیہم السّلام) پر مطلق حرام ہیں۔ اور ہم اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ نہ یہ عطیہ ہے نہ زکوٰۃ اور نہ صدقہ۔ بلکہ محض تحفہ ہے جو میں آپکے لیے لایا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ آیا تیری نیّت میں یہ آیا ہے کہ اس کی وجہ سے تم مجھ کو خدا کے کاموں میں فریب دو۔ تم کو خبط ہو گیا ہے۔ یا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ اگر کوئی مجھ کو تمام اقلیم کی دولت بھی دیدے مگر اس شرط پر کہ میں خدا کی نافرمانی کروں تو میں اُسکو چیونٹی کے پر کی برابر نہیں سمجھتا۔ دنیا میری نگاہ میں اُس پتّی کی برابر بھی نہیں ہے جو ٹڈی کے مُنہ میں آتی ہے۔ علیؑ کو دنیائے فانی کی نعمتوں سے کیا سروکار۔ اور اُسکی لذتوں سے کیا علاقہ میں خدا تعالےٰ سے اپنی عقل کی بدی اور گناہوں کے عوض پناہ مانگتا ہوں اور اُسی سے مدد۔

ایک مرتبہ کہیں سے خراج میں شہد کی بھری ہوئی مشکیں آئی تھیں۔ جناب امام حسن علیہ السّلام کے پاس چند مہمان آئے۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام نے ایک درہم دیکر بازار سے روٹیاں منگوائیں مگر سالن کی ضرورت پیش آئی۔ قنبرؓ سے کہا کہ ایک مشک کھولکر شہد دیدو۔ قنبر نے مشک کھولی اور اُس میں سے ایک رطل شہد لیکر بھیجدیا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام جب مشکوں کی تقسیم کے لیے بیٹھے۔ قنبرؓ سے فرمایا کہ اِس مشک میں مجھے فتور دکھائی دیتا ہے۔ قنبرؓ نے عرض کی کہ آپ سچ بیان فرماتے ہیں۔ پھر جناب امام حسن علیہ السّلام کے شہد لینے کی پوری کیفیت عرض کردی۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے غصّہ ہوکر فرمایا کہ حسنؑ کو میرے پاس بُلالاؤ۔ جب حضرت امام حسن علیہ السّلام آئے تو امیر المؤمنین علیہ السّلام نے غصّہ ہوکر حضرت حسنؑ کے مارنے کا قصد کر فرمایا حضرت امام حسن علیہ السّلام نے آپ کو اپنے چچا جعفر طیّار علیہ السّلام کی قسم دی۔ جب جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کو اُن کی قسم دی جاتی تھی تو آپکا غصّہ فرو ہوجاتا تھا۔ آپ نے جناب امام حسن علیہ السّلام سے فرمایا کہ تمکو اس بات پر کس چیز نے جرأت دلائی کہ تم نے تقسیم سے پہلے شہد لے لیا۔ امام حسن علیہ السّلام نے عرض کی کہ اس میں ہمارا بھی حق تھا۔ ہم نے یہ خیال کیا جب ہم کو ہمارا حق ملیگا ہم اُسی قدر اُس میں سے واپس کردینگے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا یہ سچ ہے کہ اسمیں تمہارا حق تھا مگر یہ حق تم کو کب حاصل تھا کہ تم اور مسلمانوں سے پہلے اس مال سے نفع اُٹھاؤ۔ یہ کہکر قنبرؓ کو بلایا اور ایک درہم دیا کہ بازار سے خالص شہد لے آؤ۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اب تک وہ بات میری نگاہوں میں ہے کہ امیر المؤمنین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مشک کا مُنہہ کھولا ہے اور قنبر اُس میں شہد ملا رہے ہیں۔ اور امیر المؤمنین علیہ السّلام کی یہ حالت ہے کہ آپ روتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں۔ بار خدایا! حسنؑ کو بخشدے کہ وہ جانتا نہ تھا۔[۱]

یحییٰ ابن سلمہ ناقل ہیں کہ عمر ابن سلمہ اصفہان کے عامل تھے ایک بار وہ وہاں سے آئے تو گھی اور شہد کی مشکیں بھری ہوئی اپنے ہمراہ لائے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی صاحبزادی حضرت امِّ کلثوم سلام اللہ علیہا نے عمر ابن سلمہ سے قدرے گھی اور شہد طلب فرمایا۔ عمر نے ایک برتن میں گھی اور ایک میں شہد بھیجدیا۔ دوسرے دن جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے وہ مشکیں ملاحظہ فرمائیں تو اُن میں سے دو مشکیں ٹوٹی ہوئی پائیں۔ عمر سے اُنکے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے اصل کیفیت عرض کردی۔ یہ روئداد سُنکر امیر المؤمنین علیہ السّلام نے وہ مشکیں جانچ کرنے والوں کے پاس بھیجدیں اور اُن کے نقصان کی جانچ کرنے کا حکم دیا۔ اُنھوں نے جانچ کرکے بتلایا کہ اِن میں پانچ درہم کا نقصان ہوا ہے۔ پس جناب امِّ کلثوم علیہا السّلام کے پاس ایک آدمی بھیجکر پانچ درہم منگوا لیے۔ پھر وہ مال مسلمانوں پر تقسیم فرمادیا۔[۲]

علی ابن ابو رافع جنکو خاندانِ اہلبیتؑ سے خدمت کا پشتینی شرف حاصل ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام

۱ے مطالب السئول ۱۲ ۲ے ابن اثیر ۱۲

کی طرف سے بیت المال کے خازن تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ بصرہ سے خراج میں ایک موتیوں کا ہار آیا تھا عید الضحیٰ قریب تھی۔ حضرت امّ کلثوم علیہا السلام بنت امیر المؤمنین علیہ السلام نے مجھ سے وہ ہار اس وعدہ پر لیا کہ عید کے روز پہنکر مجھ کو واپس کر دیا جائیگا۔ میں نے دیدیا۔ عید کے دن امیر المؤمنین علیہ السلام گھر میں تشریف لے گئے۔ صاجزادی کو وہ ہار پہنے دیکھا۔ استفسار فرمایا تو صاجزادی نے عرض کی کہ ابورافع سے عاریتاً میں نے اسکو لے لیا ہے۔ آج پہنکر کل واپس کر دونگی یہ سُنکر آپ باہر تشریف لائے اور ابورافع کو بُلا کر پوچھا کہ تم بیت المال اسلامی میں خیانت کرتے ہو؟ ابورافع نے کہا۔ معاذ اللہ! فرمایا پھر یہ ہار جو بیت المال میں رکھا ہوا تھا میرے گھر کس طرح پہنچ گیا؟ ابورافع نے سارا قصّہ کہہ سنایا جواب میں نہایت عتاب سے ارشاد ہوا کہ وہ ہار واپس لیکر بیت المال میں اسی جگہ رکھدو۔ اور پھر بارِ دیگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو یہ یاد رکھنا کہ میں نہایت سختی سے پیش آؤنگا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ میری لڑکی نے یہ ہار اگر تجھ سے بطورِ مستعار نہ لیا ہوتا تو زنانِ ہاشمیہ میں آج پہلی عورت وہی ہوتی جس کا ہاتھ بعلّتِ سرقہ قلم کیا گیا ہوتا۔

بصرہ میں تسلّط ہونیکے بعد۔ وہاں کے بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو معتدبہ رقم موجود پائی گئی۔ اُسی وقت وہ تمام و کمال رقم اہلِ اسلام پر تقسیم کر دی گئی اور امیر المؤمنین علیہ السلام کے حصّہ میں بھی اُسی قدر آیا جس قدر اور اہلِ اسلام کو ملا تھا۔ خادم امیر المؤمنین علیہ السّلام کے حصّۂ خاص کی رقم اُٹھا کرلے گیا۔ فوراً ایک بزرگ اہلِ اسلام میں سے تشریف لائے اور عرض کی کہ تقسیم کے وقت میں حاضر نہ تھا۔ میرا حصّہ مجھ کو ملنا چاہیے امیر المؤمنین علیہ السّلام نے بارِ دیگر خادم کو آواز دی۔ وہ آیا تو فرمایا کہ میرے حصّہ کی رقم انکو دیدو۔ وہ رقم اُنکو حوالہ فرمائی گئی۔ اور امیرؑ المؤمنین ویسے کے ویسے ہی رہ گئے[۱]

ایک دن قنبرؓ نے عرض کی کہ تمام بیت المال اسلامی کی رقم آپ تقسیم کر دیتے ہیں اور اپنے لیے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتے۔ میں نے اپنے حصّوں میں سے آپکے لیے کچھ بچا رکھا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہاں ہے؟ قنبرؓ آپکو وہاں لے گئے جہاں وہ مال رکھا ہوا تھا۔ وہ مال کچھ اور نہ تھا۔ تھوڑے سے روپے تھے۔ جو دو تھیلیوں میں لپیٹے ہوئے ایک جگہ رکھے ہوئے تھے۔ اُن تھیلیوں کو دیکھکر امیر المؤمنین علیہ السّلام اپنے آپ میں نہ رہے۔ اور قنبر کی طرف خشم آلود نگاہ سے دیکھکر فرمایا کہ تو میرے مکان کو آتش دوزخ سے بھرنا چاہتا ہے۔ یہ کہکر اپنی تلوار نکالی اور اُن تھیلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ وہ روپے تمام زمین پر پھیل گئے۔ پھر اُن روپیوں کو وہاں سے اُٹھوایا اور مسجد میں لیجا کر اُسی مساوات کے لحاظ سے تمام اہلِ اسلام پر تقسیم کر دیا۔ اور فرمایا یا بیضاء و یا صفراء غرّی غیری۔ اے زرِ سرخ و سفید مجھ کو چھوڑ کر تم کسی دوسرے کو فریب دینا[۲]

تقسیم بالمدارج کے انتظام کے وقت جب مجلسِ شورائے میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ حضرت عمر کو بیت المال

[۱] مستدرک ۱ [۲] تہذیب المتین ۱۲

سے مصارف ذاتی کے لیے کتنی رقم ملنی چاہیے تو تمام اسلامی جماعت میں سخت غور اور فکر پیدا ہوئی لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت علی علیہ السلام چُپ تھے۔ حضرت عمر نے اُنکی طرف دیکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس[۱]۔

خراج یا اور کسی قسم کی رقم جب کہیں سے آتی تھی اُسی دن تمام اہلِ اسلام کو اطلاع دیدی جاتی تھی کہ اِس قدر خراج آیا ہے۔ تم لوگ اپنا مال لے جاؤ۔ علیؑ ابنِ ابیطالب میں اتنی طاقت نہیں کہ تمہارا خزانہ دار بنا رہے[۲]۔

ایک معدلت پرور اور انصاف دوست فرمانروا کی بے لوثی اور عدالت کی ثبوت میں ان واقعات سے زائد اور دوسرے ثبوت پیش نہیں کیے جا سکتے۔ اور پھر اس میں بھی ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ عدالت کے اصلی معنی یہی ہیں کہ اُس میں کسی خصوصیت کا لگاؤ نہ ہو۔ اُسکے احکام اُسی حد تک جاری کیے جائیں۔ جس میں کسی کو کسی پر ترجیح پانیکے لیے استحقاق قائم نہو سکیں۔ ہم حضرت عقیلؓ۔ عبداللہؓ ابن جعفرؓ حضرت اُم کلثوم اور جناب امام حسن علیہ السلام کے واقعات کو پڑھکر کہہ سکتے ہیں کہ کوئی فرمانروا گو وہ اپنے اصول کیسا ہی پابند اور عدالت پسند ہو ان مخصوص حالتوں میں اپنے اُن اصول میں کچھ نہ کچھ تغیر کیے بغیر نہیں رہ سکتا مگر عدالت امیر المؤمنین علیہ السلام کی عدالت تھی جس میں نہ قرابت کو دخل تھا اور نہ خصوصیت کو۔ جیسے عام اہل اسلام اس میں شریک تھے ویسے ہی خواص۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے جو خیال بیس پچیس برس پہلے تھے وہی اب تک موجود تھے۔ عام اِس سے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی ذاتی حالتوں میں کتنا ہی اختلاف نہ پیدا ہو گیا ہو مگر انکے خیالاتِ طاہرہ میں کسی قسم کا تغیر نہیں واقع ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ اُسی طرح قائم تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام حضرت عمر کے لیے تو ایسی سختی کا حکم دیتے اور اپنے لیے اپنی حکومت کے زمانہ میں تمام بیت المالِ اسلامی کو وقف کر لیتے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی عدالت کا منشا یہی تھا کہ وہ تمام اہل اسلام کے حقوق کو برابر رکھتے۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ ہم نے جہاں تک حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اِن حالات پر غور کیا ہے ہم آپ کو ابتدا سے لیکر آخر تک انہی اصول کا پابند پاتے ہیں۔ اِن واقعات کے عدیم المثال ہونیکے ثبوت میں ہم اتنا ضرور کہینگے کہ فی زمانناد نیا کی تمام پولیٹکل قومیں ان امور میں راستبازی بے نفسی اور بے غرضی سے بہت کام لیتی ہیں۔

حج اور حجاج کے انتظام
رفاہِ عامہ کے کام

حج اور حجاج کے معقول انتظام ہمیشہ سے خلافتِ مرتضوی کی شہرت کا باعث رہے ہیں اگرچہ پہلی خلافتوں میں بھی ایسے ہی انتظام تھے اور بندوبست مگر اِس خلافت میں اِسکے اہتمام اور انتظام پہلے سے زیادہ

[۱] طبری واقعات ۱۵ ہجری الفاروق حصہ دوم ص ۹۲ [۲] تہذیب المتین ۱۲

بلیغ کوششیں کی گئیں۔ حجاج کے دور دور سے قافلوں پر قافلے آتے تھے۔ مصر سے یمن سے۔ عراق سے اور فارس سے منزلوں کا سفر ہوتا تھا۔ وہ بھی کہاں کی منزلیں؟ عرب کی۔ عرب بھی کون؟ حجاز۔ جہاں قدم قدم پر ہزاروں مصیبتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ اُنکی آرام رسانی کے لیے ہر سال دار الخلافت سے والیانِ ملک کے نام نہایت سختی کے ساتھ تاکیدی احکام لکھے جاتے تھے کہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں حجاج کے راستوں پر کھانے پینے کی چیزیں کثرت سے مہیا رکھیں اور اُن کی تمام ضروری چیزیں جن کی ضرورت اُن کو سفر میں ہوتی ہے فراہم رکھیں۔

۳۹ھ ہجری میں امیرِ شام کی کوتہ اندیشی اور خباثتِ نفسی نے ضحاک ابنِ قیس الفہری کے ذریعہ اس اتنی رفاہِ اسلامی پر بھی سخت حملہ کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فوراً حجر ابنِ عدی کو اُسکے تعاقب میں روانہ کیا اگرچہ حجر بہت ہی موقع پر پہنچے اور بہت ہی جلد مگر تاہم ضحاک کی دست برد اس انتظام میں بہت ہی نقصان پہنچا چکی تھی۔

اس سے بڑھکر امیر صاحب نے یہ غضب کیا کہ عین موسمِ حج میں بُسر ابن ارطاۃ کے ذریعہ مکّہ پر تاخت کرا دی اور سوچے کہ حجاج سے میری بیعت لیجائے اور میرا انتظامِ حکومت ٹھیک کیا جائے۔ امیر المومنین علیہ السلام کو اس کی خبر لگی تو آپنے قثم ابن عباس کے نام خط لکھا اور اسکے فوری انسداد کی سخت ہدایت کی۔

فان عینی بالمغرب کتب الی یعلمنی انّہ وجّہ الی الموسم اناس من اھل الشّام العمی القلوب الصّم الاسماع الکمہ الابصار الّذین یلبسون الحقّ بالباطل ویطیعون المخلوق فی معصیۃ الخالق ویحتلبون الدّنیا درھا بالدّین ویشترون عاجلھا باٰجل الابرار والمتقین ولن یفوز بالخیر الا عاملہ ولا یجزیٰ جزاء الشرّ الا فاعلہ فاقم علی ما فی یدیك قیام الحازم الصلیب والنّاصح اللبیب والتابع لسلطانہ المطیع لامامہ وایاك وما یعتذر منہ ولا تکن عند النعماء بطراً ولا عند الباساء فشلاً والسّلام۔

میرے مخبر نے مجھ کو مغرب سے لکھا ہے کہ اہلِ شام کی جماعت جنکے دل سیاہ۔ کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہیں موسمِ حج میں مکّہ کی طرف بھیجی گئی ہے کہ حق کو باطل کے لباس میں چھپائیں اور باطل کو حق کی صورت میں دکھلائیں وہ لوگ معصیت خالق کر کے مخلوق کی اطاعت کرتے ہیں اور دین کو دنیا کے عوض بیچتے ہیں۔ اسباب فانی کو متاعِ باقی سے بدلتے ہیں اور جو کچھ خدا کے بندگانِ ابرار کے لیے مہیّا کیا گیا ہے اُس سے اعراض کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز خیر پر فائز نہونگے مگر وہی لوگ جنکے اعمال خیر ہونگے اور اسی طرح شر کی سزا بھی وہی پائیگا جس نے شر کیا ہوگا۔ پس جہاں تک تمہارے امکان میں ہو تم محافظت میں قائم رہو اور ایک عاقبت اندیش اور عقلمند کی طرح اپنے کاموں کو دیکھو۔ اور اپنے کاموں کی حفاظت و حراست کرو اور ایسا طریقہ اختیار کرو جو ایک مطیع کو اپنے امام کے ساتھ اور ایک تابعدار کو اپنے آقا و سردار کے ساتھ اختیار کرنا لازم ہے۔ اور ہمیشہ ایسی خطاؤں سے اپنے آپ کو بچاؤ جس کی وجہ سے کل تمکو معذرت کرنی پڑے اور اگر کوئی نعمت تمہارے ہاتھ لگے تو تم اُس پر مغرور نہ ہو جاؤ اور لڑائی کے وقت کوئی اندیشہ اپنے دل میں نہ رکھو۔

ایک بار بہت سے خرموں کی گٹھلیاں آپ کے پاس جمع دیکھی گئیں۔ دریافت کیا گیا کہ یہ گٹھلیاں کیوں اکٹھا کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ درخت ہیں جن کو تم بہت جلد دیکھو گے۔ وہ تمام گٹھلیاں مکہ اور مدینہ کے عاملوں کے پاس بھجوادی گئیں اور خلافت کی طرف سے اُن کی زراعت کی گئی۔ اُنکے درخت تیار ہوئے اور وہ تمام نخلستان **اوقاف علی علیہ السّلام** کے نام سے مشہور ہے۔ ان درختوں میں بہت سے درخت ایسے بھی ہیں جو مکہ اور مدینہ کے قیام کے وقت اپنے ہاتھوں سے لگائے گئے تھے۔ ان درختوں کو امیرالمومنین علیہ السّلام نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ کوڑا تھا اور ٹپایا تھا۔ اسی طرح خیبر اور وادی القرہ وغیرہ میں آپ کے بہت سے اوقاف موجود ہیں۔

ینبیع میں ایک سو چشمے نکالے۔ اُن تمام چشموں کو حاجیوں پر وقف کر دیا۔

مدینہ میں حضرت حمزہ علیہ السّلام کی قبر منورہ کے قریب۔ کوہِ احد میں متعدد کنوئیں کھُدوائے اور اُن کو مسافرین و زائرین پر وقف فرمادیا۔

مکہ کے راستوں میں بھی ایسا ہی انتظام کیا گیا۔ مسجدِ فتح کے قریب یہ کنوئیں موجود ہیں۔

میقات میں بھی آب رسانی کا کافی انتظام فرمایا گیا۔

کوفہ اور بصرہ میں متعدّد کنوئیں کھُدوائے گئے جو اب تک موجود ہیں۔

مساجد کی تعمیر اور شعائرُاللہ کی تعظیم

امیرالمؤمنین علیہ السّلام نے شعائرُاللہ کی تعظیم کی اُسی قدر اجازت دی تھی جس قدر کہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے کلام مجید میں اذن فرمایا تھا **ومن یعظم شعائرُاللہ فانّھا من تقوی القلوب**۔ ان امکنۂ عالیہ کی آبادی اور بند وبست میں غایت درجہ کی کوششوں اور نہایت درجہ کی تاکیدوں سے کام لیا گیا۔ خانۂ کعبہ۔ مشعر الحرام۔ مدینۃ النبی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اُنکے متعلق جو بند وبست ہوتے تھے۔ اور ان کے ایامِ مخصوصہ میں جو اہتمام کیے جاتے تھے وہ اسی طرح قائم رکھّے گئے بلکہ اُن میں چند ضروری اضافے کیے گئے۔

امیرالمؤمنین علیہ السّلام کو اپنی شبانہ روز کی تردّدات سے اتنی فرصت نہیں ملی اور کوفہ کے ہمیشہ قیام نے آپکو ان متبرک مقامات کی انتظامات میں کسی خاص اہتمام کا موقع نہ دیا۔ اگر آپ کا زمانہ مطمئن ہوتا تو ہم کو یقین ہے کہ اِن انتظامات کی وسعت کی طرف مخصوص توجّہ فرمائی جاتی۔

قیام کی وجہ سے کوفہ میں مسجد جامع کی درستی اور اُسکی خاطر خواہ تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ اس سے پہلے اس مسجد کی عمارت بھی ایسی ہی معمولی تھی جیسے عموماً شہروں میں ہوا کرتی ہے۔ امیرالمؤمنین علیہ السّلام نے اپنے وقت میں اِس عمارت کو اور وسیع فرمایا۔ اور آپ کی چارسالہ حکومت تک اِسکی زیب وزینت۔ آبادی۔ جماعت کی کثرتیں بہت دنوں تک یادگار رہیں۔

کوفہ سے دو کوس کے فاصلہ پر مسجد سہلا[لہ] جو مسجدِ اقصےٰ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے وقت میں پھر مرمت وغیرہ سے مرتب ہوئی۔ یہ مسجد اُسی مبارک مقام پر واقع ہی جہاں قریب قریب تمام انبیائے مقدسین علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام نے نماز پڑھی۔ خصوصًا حضرت ابراہیم۔ ہود اور جناب عیسےٰ ابن مریم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کا ایک معتدبہ زمانہ تک یہاں خدا کی عبادت میں مصروف رہنا بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے آنحضرت صلعم شفیع روز جزا جناب رسولِ خدا صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سفرِ شام کے زمانہ میں اس مقام پر نماز پڑھی ہے۔

اِس مسجد کی عمارت بالکل صاف اور کھُلے میدان میں واقع ہے اور کوسوں دور تک آبادی کا نشان نہیں ہی جو عبادتگاہ کے لیے خاصکر موزوں ہی۔ جن لوگوں کو اُس میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ اِس مقام کی دلچسپی اور موزونیت کو خوب جانتے ہیں۔ اب دو چار صحرائی عرب نے اپنی چھاؤنیاں وہاں ڈال رکھی ہیں اور اُس کھُلے ہوئے میدان میں اپنی دنبیوں کے ساتھ نہایت آزادی سے بسر کرتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو شعائر اللہ کے قائم رکھنے اور اُنکے اہتمام کے مستحکم کرنے میں خاص توجہ تھی۔ مگر زمانہ کو کیا کرسکتے تھے۔ جس کی برہمزن چالوں نے دم بھر بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اُن مساجد کی مرمت کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے منزلِ اقطار میں جو شہر ہیت سے ایک دن کی فاصلہ پر واقع ہے بہت بڑی عالیشان مسجد بنوا دی۔ اسکی کیفیت یوں ہے کہ کوفہ سے صفین تک کی سفر میں جب امیر المومنین علیہ السلام کا یہاں قیام ہوا تو اس منزل کے پُرفضا میدان اور وسیع پاکیزہ ریگستان کو دیکھکر نہایت محظوظ ہوئے۔ وہاں کے عامل کو بُلا کر اِس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا حسب الحکم مسجد فورًا تعمیر کرادی گئی جو اس وقت تک جامعِ علیؑ کے مبارک نام کی یادگار ہے[۲ہ]

صیغۂ تعلیم وارشاد

جناب رسالتمآب صلےٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کی جاہل اور بادیہ نشین قوموں کو حقیقت میں سوائے اِس تعلیم کے اور کوئی دوسری تعلیم نہیں دی تھی اور اِسی سے اِنکی تہذیب نفوس۔ غرض تمام اخلاقی اور روحانی ضرورتیں پوری کردی تھیں۔ اور اِسی کی مقدس تاثیر سے کل دس گیارہ برس کے عرصہ میں اُنہی جاہل اور بادیہ نشین قوموں کو جنکو دنیا کی اور دوسری قومیں برابر نفرت اور ذلت کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں خیر الامم اور امتِ مرحومہ کے پاک لقاب سے مشہور کردیا اور اُنکو ایسا جوہر لطیف کر دکھلایا کہ دنیا کی خُردہ بین اور عیب جو قومیں جو اُن پر تساہل اور تجاہل کا الزام لگاتی تھیں انکے مقابلہ سے کوسوں پیچھے رہ گئیں۔ کہاں تو یہ جاہل اور بادیہ نشین قومیں سفاکی اور خونخواری اور غارتگری میں نام رکھی جاتی تھیں کہاں محاسن اخلاق محبت والفت۔ رعایت ومروت اور تمام اخلاقی محاسن میں اپنی آپ نظیر مان لی گئیں۔

لہ تہذیب باسناد ومناقب ابنِ شہر آشوب ر ۱۲۷ ۲ہ تہذیب المتین ۱۲

یہ کیا تھا؟ اُسی مبارک تعلیم کے فیوض تھے اور اُسی مقدس تربیت کی محاسن تاثیر جسکو اُس بانیِ اسلام علیہ السّلام نے عرب کے پتھریلے دلوں پر نقش کر دیا تھا۔ اس تعلیم کے متعلق جناب سیّد الانام علیہ و آلہ صلوات من رب الکرام نے اسلامی دنیا کو کن کن باتوں کی تعلیم دی وہ یہ تھیں۔ توجہ الے اللہ۔ استغراق فی العبادۃ۔ تزکیۂ قلوب۔ ترک علائق۔ خضوع وخشوع۔ محاسن اخلاق۔ طریقۂ معاشرت وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان کی نسبت یہ سوچ لینا کہ یہ سب باتیں یا ان میں سے اکثر محض حسّی یا مادّی ذریعہ سے نہیں آتیں یا یوں کہیے کہ کسی کے سکھلانے یا تعلیم دینے سے نہیں آتیں۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے انکار سے اسلام کی تمام تعلیمیں بیکار ثابت ہوتی ہیں۔ اور ہم پر یہ امر پورے طور سے ثابت ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مقدس حیات کا زمانہ زیادہ تر انہی کوششوں میں صرف فرمایا۔

مگر ہاں اس کو قبول کر سکتے ہیں کہ کبھی اس تعلیم نے قوم پر پورا اثر پہنچایا اور کبھی نہیں۔ بعض اوقات قوم نے اسکی طرف پوری توجہ کی اور بعض وقت کم۔ اس تعلیم کی حالت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تین خلافتوں تک کیسی رہی۔ اس سے ہم کو یہاں کوئی بحث نہیں ہے۔ مگر ہم یہاں اسکی نسبت اسقدر لکھنے کے البتہ ذمہ دار ہیں کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے زمانۂ خلافت میں اس صیغہ کو بہت بڑا فروغ اور کافی وسعت حاصل ہوئی

اسکا بہت بڑا سبب یہ ہوا کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اپنے زمانہ کے تمام انتظام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بند وبست کے مطابق کر دیا تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس ترمیم نے چوبیس برس کے بعد زمانہ کی نگاہوں میں ایک حیرت پیدا کر دی تھی اور زمانہ کی کوتاہ بینی اور نفسانیت نے اسکے باعث بعض معاملات میں خلل بھی ڈالا اور نقصان بھی پہنچایا۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام کی مقدس روش نے اسکی ضرورتوں کو اُنکے ذاتی اغراض پر مقدم سمجھا اور اُس کی اشاعت میں اپنی حکومت کی چار سالہ مدّت میں وہ کوششیں کیں جو اور فرمانرواؤں کے وقت میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ ہم اس صیغہ کو دو حصّوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ روحانی تعلیم اور اخلاقی تعلیم۔ اور سب سے پہلے ہم روحانی تعلیم کے متعلق اپنے سلسلۂ کلام کو آغاز کرتے ہیں۔

تفصیل ایمان۔ اس صیغہ میں سب سے پہلے ایمان کی تلقین اور اُسکی تعلیم ضروری تھی۔ وہ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

اوّل الدّین معرفۃ اللہ وکمال التصدیق بہ وکمال التصدیق بہ توحیدہ وکمال توحیدہ الاخلاص لہ وکمال الاخلاص لہ نفی الصّفات عنہ لشہادت کلّ صفۃ انّہا غیر الموصوف وشہادت کلّ موصوف انہ غیر الصّفۃ فمن وصف اللہ سبحانہ فقد قرنہ ومن قرنہ فقد ثنّاہ ومن ثنّاہ فقد جزّاہ ومن جزّاہ فقد جہلہ +

اوّل دین۔ خدا کی معرفت ہے اور کمالِ معرفت اُسکی تصدیق اور کمال تصدیق اُسکی توحید کا اقرار۔ اُسکی توحید کا اقرار۔ اُسکے اخلاص کا اظہار کرنا۔ اُسکے اخلاص کا اظہار۔ اُسکی صفات کو اُسکی ذات سے علیٰحدہ جاننا۔ یعنی صفات کو ذاتِ الٰہی سے علیٰحدہ نہ جانیں کیونکہ یہ امر مسلّمہ ہے کہ ہر صفت غیر موصوف ہے اور ہر موصوف غیر صفت ہے یعنی جسنے خدا کو ان معنوں میں سمجھا ہے اُسنے خدا کے قریب دوسری چیزوں کو بھی مہیّا سمجھ لیا ہے اور جس نے خدا کے نزدیک دونوں چیزوں کو جمع کیا وہ اُن دونوں چیزوں کا قائل ہوگیا اور اُسنے خدا کے دو جزو (موصوف اور صفت) قرار دیئے اور جسنے خدا کے دو جزو قرار دیے اُسنے ہرگز خدا کو نہیں پہچانا اور وہ ہمیشہ جاہل کا جاہل بنا رہا۔

یہ خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت کی وہ روشن اور کافی دلیلیں ہیں۔ جس نے ارسطو کے بتلائے ہوئے اصول کو جس پر دنیا کے تمام موحد صداقت اور ادب سے یقین کرتے ہیں۔ دفترِ پارینہ ٹھہرا کر دھو دیا۔ اور جس طرح جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے خدا کی یکتائی اور وجود کو ایسے مختصر الفاظ میں دنیا کی لوح پر نقش کر دیا ہے ویسا ارسطو۔ فلاطون اور دیگر حکمائے متقدمین بھی بڑی بڑی دلیلوں اور ثبوتوں سے نہ ثابت کرسکے۔ یہ وہی ارشادات و خطبات ہیں جن کے بلیغ۔ فصیح اور پُر معنی ہونے کے علاوہ کمال اور قبولیت کی نسبت مسٹر جسٹس انریبل سیّد امیر علی خاں سی۔ آئی۔ ای بالقابہ نے اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں نہایت زوروں سے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ جس طرح خدا کی وحدانیت کو جنابِ علی ابنِ ابیطالب علیہما السّلام نے بیان فرمایا ہے ویسا ارسطو بھی ثابت نہ کرسکا۔

خدائے سبحانہ وتعالےٰ کے وجود اور اُسکی معرفت کو امیر المومنین علیہ السّلام نے جس صورت اور جس شکل سے بتلایا ہے اُس کی کیفیت ذیل کے واقعہ سے بخوبی معلوم ہوتی ہے۔

دعلب یمانی ایک مردِ قابل تھا جو علومِ مختلفہ پر عبور رکھتا تھا مگر بدقسمتی سے وجودِ خدا میں اُس وقت تک مشکوک تھا۔ کوفہ میں اتفاق سے اُس وقت آیا جس وقت امیر المومنین علیہ السّلام صفاتِ باری تعالےٰ عزّ اسمہ بیان فرما رہے تھے۔ دعلب ان باتوں کا مشتاق تو تھا ہی اُس مجمع میں امیر المومنین علیہ السّلام سے سوال کر بیٹھا ھل رأیت ربّك یا علی حتّٰی عرفتہ یا علیؑ تم نے رب کو دیکھا بھی ہے یا محض اُس کے پہچاننے پر اعتبار کرتے ہو؟ آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا ما کنت اعبد ربّہ لم اراہ۔ میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا جسکو میں نے نہ دیکھا ہو۔ دعلب نے کہا پھر آپ نے کس طرح دیکھا تو ارشاد فرمایا گیا لم ترہ العیون بمشاھدۃ الاعیان ولکن رأتہ القلوب بحقائق الایقان ربّی واحد لا شریك لہ احد لا ثانی لہ فرد لا مثل لہ لا یحویہ مکان ولا یداولہ زمان لا یدرکہ بالحواس ولا یقاس بالنّاس۔ بیشک اُس کو آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن دلوں نے اُس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ میرا خدا ایک ہے۔ کوئی اُس کا شریک نہیں۔ وہ ایک سا ہے۔ کوئی اُس کا دوسرا نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ کوئی اُسکا مثل نہیں

اُسپر نہ کوئی مکان احاطہ کرسکتا ہے نہ زمانہ اُس کو ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل کرسکتا ہے نہ اُس کو انسان کا حواس پا سکتا ہے نہ قیاس۔

تہذیب المتین میں اتنا ہی ہے مگر نہج البلاغہ میں اتنے فقرات اور زائد ہیں:۔

قریب من الاشیاء غیر ملامس بعید منہا غیر مبائن۔ متکلم لا بروّیۃ مرید لا بھمّۃ صانع لا بجارحۃ لطیف لا یوصف بالخفاء کبیر لا یوصف بالجفاء بصیر لا یوصف بالحاسّۃ رحیم لا یوصف بالرّقّۃ تعنوا الوجوہ لعظمتہ وتوجل القلوب من مخافتہ۔

تہذیب

وہ دنیا کی تمام اشیاء سے قریب ہے مگر اُسکو کوئی چھو نہیں سکتا۔ وہ بغیر مبائنت کے تمام چیزوں سے دور ہے۔ وہ بغیر ہمّت کے ارادہ کرنیوالا ہے۔ وہ ایسا کاریگر ہے جو بغیر اعضاء و جوارح کے کام کرتا ہے۔ وہ ایسا لطیف ہے کہ اُسکی توصیف پوشیدگی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ سب سے بزرگ ہے مگر ظلم نہیں کرتا ہے۔ دیکھنے والا ہے مگر اُسکی دیکھنے کی قوّت آنکھوں کی محتاج نہیں ہے۔ رحم کرتا ہے مگر انسان کی ایسی رقّت قلب اُس میں نہیں ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں اُس کے آگے ذلیل ہیں اور تمام دل اُسکی ہیبت اور خوف سے مخوف ہیں۔

خدا کے وہ سچّے اور برگزیدہ بندے جنکے تقدس و استغراق فی اللہ کی مثالیں دنیا میں نہیں ملتیں۔ کیا اس سے بڑھکر وسیع اور صحیح الفاظ میں خدا کی ماہیت اور اُسکی تعریف کر سکتے ہیں۔ کیا ابراہیم۔ موسےٰ۔ عیسےٰ اور محمد علیہم السلام نے اپنے خدائے واحد کی وحدانیت اور اُسکی معرفت کی طریقے ان طریقوں کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقوں میں بتلائے ہیں۔

حقیقت میں اسلام کے ایک اور سچّے خدا کی معرفت کی یہی صورت تھی جو ایسے مختصر اور سچّے الفاظ میں کیگئی۔

یہانتک تو وہ ارشادات تھے اور وہ تعلیم تھی جو خدا کی وحدانیت اور معرفت کے متعلق پہنچائی گئی۔ خدا کے بعد رسول کا منصب ہے۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت کی ضرورت اور تصدیق کی نسبت جو اہلِ اسلام کو بتلایا گیا اور اس آخری حجّتِ الٰہی کے فیوض و نعماتت کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا گیا وہ ہم اپنے معمولی اختصار کے ساتھ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

فاعتبروا بحال ولد اسمٰعیل وبنی اسحٰق وبنی اسرآئیل علیہم وعلی نبیّنا وعلیہم السّلام فما اشد اعتدال الاحوال واقرب اشتباہ الامثال تاملّوا امرھم فی حال تشتتہم وتفرقہم لیالی کانت الاکاسرۃ والقیاصرۃ اربابا لھم یحتازونھم عن ریف الآفاق وبحر العراق وخضرۃ الدّنیا الی منابت الشیح ومھافی الرّیح ونکد المعاش فترکوھم عالۃً مساکین اخوان دبرٍ ووبرٍ اذل الامم دارا واجدبھم قرارا لا یاوون الی جناح دعوۃٍ یعتصمون بھا ولا الی ظل الفۃٍ یعتمدون عزھا فالاحوال مضطربۃ والایدی مختلفۃ والکثرۃ متفرقۃ فی بلآء آزلٍ واطباق جھلٍ من بناتٍ موؤدۃ واصنام معبودۃ وارحام مقطوعۃ وغارات مشنونۃ فانظروا الی مواقع نعم اللہ علیہم حین بعث الیہم رسولا فعقد بملّتہ طاعتہم وجمع علی دعوتہ الفتہم کیف نشرت النّعمۃ علیہم جناح کرامتہا واسالت لھم جداول نعیمہا

والتفت الملّة بھم فی عوائد برکتھا فکھین فی نعمتھا غرقین وعن خضرة عیشھا فکھین قد تربعت الامور بھم فی ظل سلطان قاھر واوتھم الحال الی کنف عز غالب وتعطفت الامور علیھم فی ذری ملک ثابت فھم حکام علی العٰلمین وملوک فی اطرف الارضین یملکون الامور علی من کان یملکھا علیھم یمضون الاحکام فیمن کان یمضیھا فیھم۔

اب تم فرزندان اسحٰق واسمٰعیل واسرائیل علیٰ نبینا وآلہ وعلیھم السّلام کے احوال کو دیکھو اور یہ سوچو کہ تمہارا حال اُن کے حال سے کس قدر ملتا جلتا ہے۔ تم اُنکے حالات سے عبرت حاصل کرو۔ دیکھو جب اُن میں نااتفاقی پھیلی تو قیاصرۂ روم اور اکاسرۂ فارس نے اُن کو دجلہ اور فرات سے باہر نکالدیا۔ اور خاصکر روم کے بادشاہوں نے اُنکو شام کی زمین سے جو نہایت آباد اور خوشتر تھی باہر کردیا۔ اور اُن کو اُن کے قدیم سبزہ زار کھیت اور پیداوار کے مقام سے نکالکر حجاز عرب میں جا پہنچایا کہ جس میں گھانس تک کم اُگتی تھی۔ اور سوائے بادِ سموم کے ٹھنڈی ہوا بہت کم چلتی ہے۔ آخرکار وہ قلتِ معاش میں گرفتار ہوئے۔ مفلسی اور ناداری نے اُن کو جا گھیرا اور محتاجی کے زخموں نے اُنکو اور اُنکے دلوں کو ٹکڑے کر ڈالا۔ آخرکار وہ بھیڑیاں چراکر بسر کرنے لگے۔ اور دنیا کی تمام قوموں میں حقیر ہوگئے اور اور اُسی خشک اور قحط زدہ زمین پر بسر کرنے لگے۔ سوائے محنت و مشقت کے اُن کو کوئی صورت نہ دکھلائی دی نہ اُنکا کوئی فریادرس تھا جس سے وہ فریاد کرتے اور نہ اُنکا کوئی ہمدرد اور معین تھا جس سے وہ التجا کرتے۔ ان کے احوال نہایت سخت پریشانیوں میں اور اُنکے روزگار نہایت بے سامانیوں میں تھے۔ اُنکی قومیں آپس میں مختلف ہوگئی تھیں اُنکے آپس کے اتحاد متغیر ہوگئے تھے۔ وہ قحط اور بھوک کی شدتوں میں مبتلا ہوگئے۔ جہالت اور نادانی کے جنگلوں میں سرگردان تھے مفلسی کے سبب اپنی لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور بے کان آنکھ والے بتوں کو پوجتے تھے۔ اپنی قرابت اور رشتہ مندی کو قطع کرتے تھے اور ایک دوسرے کے مال کو غارت کرتے تھے۔ ان تمام تکلیفوں کے بعد خدا کی اُن نعمتوں پر غور کرو جو اُنکے ساتھ مبذول فرمائی گئیں اور خدا کے اُن احسانات پر نگاہ ڈالو جو اُنکے ساتھ کیے گئے۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے اُن میں ایک رسول (محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث فرمایا اور اُنکی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ انکے قدوم کی برکتوں نے اُنکی باہمی اختلاف کو اتفاق کے ساتھ تبدیل کردیا۔ اور اپنی معرفت کے نور سے اُن کو پھر نور کے راستوں پر لگادیا۔ اپنی نعمت اور عزت اُنکے سروں پر ڈالدی اور اپنی عنایت واشفاق کے دریا اُنکی طرف بہادیے۔ یہانتک کہ وہ سب مختلف قوم اور قبیلے ایک دل اور ایک ملت پر متفق ہوگئے۔ اور اُسکی برکت سے مختلف قسم کی بغاوتوں سے محفوظ رہے اور خدا کی نعمتوں کے دریا میں ڈوب گئے۔ طراوت اور عیش کی لذتوں سے بہرہ مند ہوئے۔ اُنکے کاموں میں استقلال آگئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معدلت اور ہدایت کے نور اُنکے دلوں میں چمک گئے اور اُنکے سایۂ جہانداری میں بسر کرنے لگے اور اُنہی کی محافظت میں رہنے لگے۔ اُنکے مقاصدِ اقبال اور سعادت سے قریب ہوگئے۔ اُنکی بادشاہی میں استحکام آگیا اور ثبات۔ یہانتک کہ وہ تمام عالم کے بادشاہ ہوگئے۔ اور دنیا کی تمام زمینوں پر حکمرانی کرنے لگے۔ اور اُن قوموں کے یہ مالک ہوگئے جو انکی پہلے مالک تھیں۔ اور اُن لوگوں پر حکمرانی کرنے لگے جو پہلے ان پر حکمرانی کرتے تھے۔

ہمارے زمانہ کے اسلامی ریفارمر یا بہت سے ایسے بزرگ جو اسلام کے سچے رسولؐ کی صحیح تعریف اور اُنکی ضرورت کی تصدیق اور تحقیق ہیں۔ اپنی انتہا درجہ کی دماغی کوششوں کے بعد اپنی قوم یا دوسرے مذہب والوں کو جو باتیں دکھلاتے ہیں اور عرب کے بیمثال عروج اور زوال کی حالتوں کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ وہ اِس مضمون میں اس سے زیادہ کیا تفصیل کرتے ہیں۔ کیا اُنکی تحقیق جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت کی خوبیوں کو اور اُن کے محاسن تعلیم کی معجز نما تاثیروں کو اس سے زیادہ واضح کرکے دکھلاتی ہے۔ یہ وہی مضامین ہیں جن کو تھوڑے اضافہ اور خلاصہ کے ساتھ چودہ سو برس سے لیکر آج تک ہماری قوم کے علماء ہماری قوم کے واعظ۔ ہماری قوم کے ریفارمر اور ہماری قوم کے مصنّف اپنے جُداگانہ مضامین اور جداگانہ تالیفوں میں مختلف اقسام سے بیان کرتے ہیں۔ اور اُس کی نسبت اُن کو بڑی نوعیت اور مضمون آفرینی کا دعوٰے ہوتا ہے۔

خدا اور رسول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد فرائض کا درجہ ہے۔ اسکی نسبت جو ارشاد ہوا ہے وہ بیان کیا جاتا ہے۔ اسلامی دنیا کا بچہ بچہ جس نے اپنے فرائض کی صرف پہلی ہی کتاب پڑھی ہوگی وہ بھی بخوبی سمجھتا ہوگا کہ فرائض میں سب سے پہلا نمبر نماز کا ہے۔ اس لیے ہم نماز کے متعلق جو احکام نافذ فرمائے گئے اُنکو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

ولٰکن فی خاصّة ماتخلص به لله دینك اقامة فرائضه التی هی له خاصّةً فاعطِ الله من بدنك فی لیلك ونهارك وَوَفِّ ماتقربت به الی الله سبحانه من ذٰلك کاملاً غیر مثلوم ولا منقوصٍ بالغاً من بدنك مابلغ واذا قمت فی صلوٰتك للنّاس فلا تکونن منفّراً ولا مضیّعاً فان فی النّاس من به العلة وله الحاجة وقد سألت رسول الله صلّی الله علیه واٰله وسلّم حین وجّهنی الی الیمن کیف اصلی بهم فقال صلّ بهم کصلوٰة اضعفهم وکن بالمؤمنین رحیما۔

تمہارے اُن کاموں میں جن کو تم بجالاتے ہو اور جو تمہارے خلوص سے ہوتے ہیں۔ تمہارے وہی کام ہونگے جنکو تم نے خدا کے فرائض میں ادا کیا ہے اور ان فرائض کا خاصہ اُسکی عبادت ہے جس میں ذرا سے شک کو بھی کبھی دخل نہیں ہو سکتا۔ پس تم کو چاہیے کہ تم اپنے بدنوں کو اُسکی شبانہ روز عبادت میں وقف کردو اور اُسکی قربت کے ذریعوں کو اُنھی اخلاص سے ادا کرو اور انکی ادا کاریوں میں کسی قسم کا نقصان واقع نہو۔ اُسکے وقتوں میں تاخیر نہ ہو۔ جب امام جماعت بنکر کھڑے ہو تو نماز کو اتنا طول نہ دو کہ تمہارے مقتدی تم سے نفرت کرنے لگیں یا نماز کو ایسا مختصر بھی نہ کردو کہ اُس کے ارکان میں خلل واقع ہو۔ کیونکہ تمہارے اقتدار کرنیوالوں میں بہت سے ایسے آدمی بھی ہونگے جنکو اپنی خاص ضرورتیں بھی پیش ہوتی ہیں۔ دیکھو مجھ کو خود بھی ایسا ہی واقعہ پیش آچکا ہے۔ جناب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جس وقت مجھے یمن کی قضا پر مامور فرما کر مدینہ سے بھیجا تو میں نے آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پوچھا کہ میں اِن لوگوں کو نماز کس طرح پڑھاؤں؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ ان کے ساتھ تم ہلکی نماز پڑھو۔ اُن کے

حقوق کی رعایتوں میں تم نرم مزاج رہو اور اُنکے معاملات میں رحیم۔
ان تمام فرائض کے متعلق جو کچھ ارشاد کیا گیا ہے۔ اگر ہم علٰحدہ علٰحدہ لکھیں تو ہمارے سلسلۂ بیان میں بہت بڑی طوالت واقع ہو جائیگی۔ جو حقیقت میں ضرورت سے زائد ہوگی۔ اس لیے ہم امیر المؤمنین علیہ السلام کے اُس خطبہ کو ذیل میں درج کرتے ہیں جس میں تمام فرائض وسنن کا ایک جا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور اُنکی نسبت، جو ضروری احکام ہیں وہ بھی نہایت وضاحت سے بتلا دیے گئے ہیں۔

انّ افضل ما توسل بہ المتوسلون الی اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ الایمان بہ وبرسولہ والجہاد فی سبیلہ فانہ ذروۃ الاسلام وکلمۃ الاخلاص فانھا الفطرۃ واقام الصلوٰۃ فانھا الملّۃ وایتاء الزکوٰۃ فانھا فریضۃ واجبۃ وصوم شھر رمضان فانہ جنّۃ من العقاب وحجّ البیت واعتمارہ فانھما ینفیان الفقر ویرحضان الذنب وصلۃ الرحم فانھا مثراۃ فی المال ومنساۃ فی الاجل وصدقۃ السرّ فانھا تکفر الخطیئۃ وصدقۃ العلانیہ فانھا تدفع میتۃ السوء وصنائع المعروف فانھا تقی مصارع الھوان افیضوا فی ذکر اللّٰہ فانہ احسن الذکر وارغبوا فیما وعد المتقین فانہ اصدق الوعد واقتدوا بھدی نبیکم فانہ افضل الھدی واستنوا بسنتہ فانھا اھدی السنن وتعلموا القرآن فانہ احسن الحدیث وتفقھوا فیہ فانہ ربیع القلوب واستشفوا بنورہ فانہ شفاء الصدور واحسنوا تلاوتہ فانہ انفع القصص فان العالم العامل بغیر علمہ کالجاھل الحائر الذی لا یستفیق من جھلہ بل الحجّۃ علیہ اعظم والحسرۃ لہ الزم وھو عند اللّٰہ الوم۔

قربت کے وسیلوں میں اعلیٰ وسیلہ خدا اور اُس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہے اور اُسکی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ کیونکہ جہاد کرنا اسلام کا اعلےٰ مقصد اور مدعا ہے۔ اور خدا کو واحد جاننا ہے کیونکہ اُسکی وحدانیت کا اقرار کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ فطرت میں داخل ہے۔ نماز کو ادا کرتا رہے کیونکہ یہی دین کا اصول ہے۔ خدا کی راہ میں زکوٰۃ دیتا ہے کیونکہ یہ واجب ہے ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہے کہ وہ آتش جہنم سے بچنے کی پناہ ہے۔ اور خانۂ کعبہ کا حج کرنا اور عمرہ بجالانا کیونکہ یہ دونوں امور محتاجی اور مفلسی کو دور کرتے ہیں اور گناہوں کی خرابی کو دھوڈالتے ہیں۔ اقربا کے ساتھ نیکی کرنا۔ اس سے ثروت زیادہ ہوتی ہے اور عمر دراز اور پوشیدہ خیرات کرنا اُن کے معاصی اور معائب کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور جائز طور سے خدا کی راہ میں دینا بُری موتوں سے مثل جل جانے۔ ڈوب جانے۔ مکان یا دیوار کے نیچے دب جانے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور نیکی اور احسان کرنا ذلت وخواری سے بچنا ہے۔ ایہا الناس! تم لوگ اپنی زندگی کو خدا کی یاد اور عبادت میں صرف کر ڈالو کہ تمام عبادتوں سے یہ عبادت بہتر ہے۔ اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرو کہ یہ سنت تمام سنتوں سے افضل ہے۔ اور خدا نے جو وعدے اپنے نیک بندوں سے کیے ہیں اُنکی طرف رغبت حاصل کرو۔ علم قرآن سیکھو کیونکہ وہ تمام باتوں سے بہتر ہے۔ اور علم قرآن سے علم فقہ حاصل کرو کس لیے کہ یہ علم تمہارے قلوب کی بہار ہیں اور اُنکے انوار ہدایت سے شفا حاصل کرو کہ تمہارے سینوں کی شفا اسی میں ہے۔ اور اچھی طرح قرآن

کی تلاوت کرو کہ وہ سب قصوں سے زیادہ نافع ہے۔ اور وہ عالم کہ اپنے علم کے موافق عمل نہیں کرتا اُس مردِ حیران کی مثال ہے جو کبھی اپنی جہالت سے افاقہ نہیں پاتا۔ بلکہ اُس پر حجت لازم ہے۔ اور وہ خدا کے نزدیک بہت ملامت کے قابل ہے۔

اسلام کے سخت اور پیچیدہ مسائل میں ایک قضا و قدر کا بھی مسئلہ ہے جو متقدمین علماء سے لیکر متاخرین تک برابر زیر بحث چلا آتا ہے اور اسلام کے جُداگانہ فرقے اس پر اپنے مختلف حکم لگاتے ہیں۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اسکی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ذیل میں مندرج ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ارشاد کے بعد اور کس کا اجتہاد زیادہ وقعت کے قابل ہوگا۔ ایک سائل کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

لا تظن ذٰلک فان القول به مقالة عبدة الاوثان وحزب الشیطان وخصماء الرحمان وقدریة هٰذه الامة ومجوسها ان الله امر تخییرا ونهی تحذیرا وکلف یسیرا ولم یطع مکرها ولم یعص مغلوبا ولم یرسل الرسل عبثا ولم یخلق السمٰوٰت والارض وما بینهما باطلا ذٰلک ظن الذین کفروا من النار فقال الرجل فما القضاء والقدر الذی ذکرته یا امیر المؤمنین فقال الامر بالطاعة والنهی عن المعصیة والتمکین من فعل الحسنة وترک السیئة والمعونة علی القربة الیه والخذلان لمن عصاه والوعد والوعید والترغیب والترهیب کل ذٰلک قضاء الله فی افعالنا وقدره لاعمالنا فاما غیر ذٰلک فلا تظنه فان الظن له محبط للاعمال۔

قدر و قضا دونوں لازم و متحتم ہے۔ کیونکہ ایسا خیال نہ کرنا۔ بت پرستوں۔ وساوسِ شیطانی کے گرفتاروں اور خدا کی دشمنوں کا اعتقاد ہے۔ اور اِس امت میں وہی لوگ اسکے قائل ہونگے جو قدریہ ہونگے یا مجوس اور یہ عقائد اُنکے سرتاپا باطل ہیں بلکہ بالعوض اسکے خدا نے اُن کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اُن کو ہر امر کے کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار دیا ہے۔ اُن کو معصیت سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اور اپنی عبادت میں بھی زیادہ تکلیف گوارا کرنے کی مجبوری نہیں دی ہے۔ اُسکی اطاعت کوئی جبر و کراہت سے نہیں کرتا اور کوئی نامہربانی قہر و غلبہ کی رو سے عمل میں نہیں لاتا۔ اُس نے دنیا میں اپنے رسول بفائدہ نہیں بھیجے اور نہ آسمان و زمین یا اُنکے درمیان کی چیزوں کو اُسنے بیکار بنایا ہے۔ یہ اُن لوگوں کے گمان ہیں جو اُسکی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے عذابِ جہنم ہے۔

سائل نے پھر سوال کیا کہ قضا و قدر جو ہمکو سمجھایا گیا ہے وہ کیا ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا۔ قضا و قدر کے معنی طاعت کے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کو نیک کاموں کے حاصل کرنے پر اختیار دیا گیا ہے اور بُرے کاموں کو کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اُن کاموں کی اجازت تو ضرور دیگئی ہے جو قربۃً الی اللہ کیے جائیں اور اُن کاموں سے بچنے کے واسطے ضرور تاکید کی گئی ہے جو گناہوں کی تائید کرتے ہیں۔ نیک کاموں کے لیے وہ وعدے کیے گئے ہیں اور بُرے کاموں کے لیے وہ ڈرائے اور دھمکائے گئے ہیں۔ اور یہ سب خدا کے احکام ہیں جو ہمارے افعال میں منحصر ہیں۔ سوائے اِسکے تم اور کسی طرف گمان نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا اعمال کو محو اور ضائع کر دیتا ہے۔

سائل یہ جواب سُنکر خوش ہوگیا اور بے اختیار ہو کر کہنے لگا فرج اللہ عنک یا امیر المؤمنینؑ

بکما فرجت۔ خدا آپ کے امور کو بھی ایسی ہی وسعت دے جس طرح آپ نے میرے امور کو وسعت دی ہے۔ یہ کہکر اُس نے اُسی وقت دو شعر امیر المؤمنین علیہ السّلام کی مدح میں نظم کیے اور سامعین کے روبرو پڑھے۔

انت الامام الّذی ترجوا بطاعتہ یوم المات من الرحمٰن غفرانا

اوضحت من دیننا ما کان ملتبسا جزاك اللّٰہ ربّك بالاحسان احسانا

ہم خدا کی درگاہ سے بروز قیامت اپنی مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ تم نے ہمارے دل سے اُس امر کو واضح فرمایا جو مشتبہ تھا حق سبحانہ وتعالےٰ بعوض اِس احسان اور نیکی کے تمہارے ساتھ اور زیادہ نیکی کرے۔ (تہذیب جلد اوّل صفحہ ۴۸۹)

تمام اسلامی مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام ہر روز نمازِ عشا کے بعد تمام اہلِ اسلام کے روبرو بآوازِ بلند ذیل کے فقرات پڑھا کرتے تھے۔

تجھزوا رحمکم اللّٰہ فقد نودی فیکم بالرّحیل واقلوا العرجة علی الدّنیا وانقلبوا بصالح ما بحضرتکم من الزّاد فانّ امامکم عقبة کؤدا ومنازل مخوفة لابد من الورود علیھا والوقوف عندھا واعلموا انّ ملاحظ المنیة نحوکم دانیة وکانکم بمخالبھا وقد نشبت فیکم وقد دھمتکم منھا مفظعات الامور ومعضلات المحذور فقطعوا علائق الدّنیا واستظھروا بزاد التقوٰی۔

اے بندگانِ خدا! خدا تمہیں اپنی رحمت میں داخل کرے۔ چلنے کی تیاری کرو۔ سفرِ آخرت پر آمادہ رہو۔ تمہاری جماعت میں یہ آواز دیدی۔ اِس مٹ جانیوالی دنیا سے دل نہ لگاؤ۔ اور اپنے اعمالِ نیک کو جو تمہاری راہِ آخرت کے توشہ ہیں ہی اپنے ساتھ لو۔ کیونکہ آخرت کے راستوں میں بہت سی خوفناک سڑکیں اور دشوار گزار راہیں ہیں جو تمہیں پیش آنیوالی ہیں۔ جن سے تم کو عبور کرنا اور گزرنا ضروری ہے۔ لیکن سمجھ لو کہ موت کی نگاہیں ہمیشہ تمہاری طرف گڑی ہیں اور اُس کے پنجے تمہاری طرف کشادہ ہیں۔ تم ہر وقت اپنے آپ کو موت کے پنجے میں گرفتار سمجھو۔ اور اُسکے ناخونوں کو اپنے جسم میں گڑا ہوا سمجھو۔ سکراتِ موت اور جان نکلنے کی سختیوں کو ہمیشہ اپنے مدِ نظر رکھو اور ایک لحظہ بھی اُس کی یاد سے غافل نہ رہو۔ دنیا اور دنیا کے علائق سے قطع تعلق کرو۔ اور تقوےٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شریک بناؤ۔

بے ثباتیِ دنیا کے قریب قریب ایسے ہی مضامین ایک دوسرے خطبہ میں بھی ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

ایھا النّاس انّما الدّنیا دار مجاز والاٰخرة دار قرار فخذوا من ممرّکم لمقرّکم ولا تھتکوا استارکم عند من یعلم اسرارکم واخرجوا من الدّنیا قلوبکم من قبل ان یخرج منھا ابدانکم ففیھا اختبرتم ولغیرھا خلقتم انّ المرء اذا ھلك قال النّاس ما ترك وقالت الملٰئکة ما قدّم للّٰہ اٰباؤکم فقدموا بعضا یکن لکم ولا تخلفوا فیکون علیکم۔

دنیا خانۂ مستعار ہے اور آخرت جائے قرار۔ اپنی گزرنیوالی جگہوں سے ایسے مقاموں کے لیے جہاں تم ہمیشہ رہوگے سامان حاصل کرو اور اپنے آپ کو اُس خدائے سبحانہ وتعالےٰ کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ ہونے دو جو تمہارے پوشیدہ رازوں سے

واقف ہے۔ اپنے دلوں کو دنیا سے جدا کرو قبل اس کے کہ تمہارے بدن اس سے جدا ہوں کیونکہ تم دنیا میں صرف امتحان کے لیے آئے ہو۔ اور اصل میں تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عزیز تلاش کرتے ہیں کہ وہ کتنا مال چھوڑ گیا۔ مگر فرشتے اُس کے اعمال کو ڈھونڈھتے ہیں۔ میرے پیارو! اپنے اموال سے اس قدر ساتھ لیجاؤ کہ وہ تمہارے کام آئے۔ اور سب کا سب یہیں چھوڑ جاؤ کہ تمہارے لیے وبال نہو۔ اپنے مالوں میں سے تھوڑا بہت فی سبیل اللہ خیرات بھی کرو۔

دنیا کی زوال پذیر نعمتوں کو اس سے زائد پُر اثر الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ایّھا النّاس۔ انظروا الی الدّنیا نظر الزّاھدین فیھا الصّٰدفین منھا فانّھا واللہ عما قلیل تزیل الثاوی السّاکن وتفجع المترف الاٰمِنُ لایرجع ما تولی منھا فادبر ولا یدری ما ھوات فینتظر سرورھا مشوب بالحزن وجلد الرّجال فیھا منسوب الی الضعف والوھن فلا تغرنکم کثرۃ ما یعجبکم فیھا لقلّۃ ما یصحبکم منھا رحم اللہ امرءً تفکر فاعتبر واعتبر فابصر فکان ما ھو کائن من الدّنیا عن قلیل لم یکن وکانّ ما ھو کائن من الاٰخرۃ عما قلیل لم یزل کلّ معدود منقضٍ وکلّ متوقع اٰتٍ وکلّ اٰت قریب دانٍ۔

ایّھا النّاس! دنیا کو اُس نظر سے دیکھو جس نظر سے زاہد لوگ اُسکو دیکھتے ہیں۔ خدا کی قسم اپنے مہمانوں کو اور اُن لوگوں کو جو اُس میں سکونت اختیار کرتے ہیں بہت جلد دنیا نکالدیتی ہے اور اپنے پناہ لینے والوں کو جنہیں یہ قبل بڑے ناز و نعم سے پالتی ہے پیچھے مغموم اور دردمند کر دیتی ہے۔ اُسکی عمر اور جوانی کی نعمتوں سے جو حصے گزر جاتی ہیں پھر وہ کسی طرح واپس نہیں آتے۔ اور اُسکی آیندہ حالتوں کا بھی کچھ ٹھیک پتہ نہیں ملتا کہ اُن کا انتظار کیا جائے۔ اُسکی خوشیاں غم اور بے لطفیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اور اُسکی جوانمردی اور دلیری کی قوتیں ضعف اور سستی سے نسبت رکھتی ہیں۔ اِس کے بہت سے دلچسپ اور دلفریب امور دیکھکر تم دھوکے میں نہ پڑو کیونکہ ان میں سب سے کم ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے ساتھ جائینگی۔ اور وہ مقدار اور تعداد میں سب سے قلیل ہیں۔ خدا اُس پر رحم کرتا ہے جو اُسکی بے ثباتی پر غور کرے اور اُس سے عبرت حاصل کرے۔ دنیا کے تمامی موجودات بہت جلد مٹجانیوالے ہیں۔ ایسے جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ اور آخرت کے واقعات تم پر ایسے گزرینگے گویا وہ کبھی زائل نہیں ہونگے۔ زندگی کے دن گنتی کے ہیں۔ سب جلد گزر جائینگے۔ اور موت ضرور آنیوالی ہے۔ بہت جلد پہنچ جائیگی۔

یہ وہی روحانی تعلیمیں ہیں جو جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام سے ایک علیحدہ خصوصیت کے ساتھ دنیا کے کارناموں میں یادگار ہیں۔ اِن ارشادات میں فصاحت و بلاغت سے قطع نظر کرکے جو عرب کے لٹریچر کی خوبی اور کمال کا ہمیشہ اور اعلےٰ نمونہ ہے۔ اگر ہم صرف اس کے مقاصد پر سرسری نظر ڈالیں تو ہم اُس کو دیکھکر نہایت آزادی سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے متعلق استغراق فی اللہ۔ قطع علائق اور تزکیۂ قلوب کے تمامی مدعا کو اُنہی الفاظ میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے سمجھایا ہے جن الفاظ میں خلیل اللہ۔ کلیم اللہ اور

روح اللہ اور محمد مصطفےٰ حبیب اللہ علیہم السلام نے اِن امور کو پیشتر سمجھا دیا تھا۔ ان تمام بزرگواروں کی روحانی اور اخلاقی تعلیمیں یہی تھیں۔ اور اُنکی صداقت۔ جلالت اور تقدس کے یہی معیار کامل تھے۔ پھر اُسی مضمون کو ایک دوسرے انداز سے تحریر فرمایا ہے۔

اداء الفرائض واجتناب المحارم والاشتمال علی المکارم ثم لا یبالی اوقع علی الموت ام وقع الموت علیہ کم من غافل ینسج ثوباً لیلبسہ وانما ھو کفنہ ویبنی بیتاً لیسکنہ وانما ھو موضع قبرہ فلو ان احداً یجد الی البقاء سلما ولدفع الموت سبیلا لکان ذلک لسلیمان ابن داؤد الذی سخر لہ ملک الجن مع النبوۃ وعظیم الزلفۃ فلما استوفی طعمتہ واستکمل مدتہ رمتہ قسی الفناء بنبال الموت واصبحت الدیار منہ خالیۃ والمساکن معطلۃ وورثھا قوم آخرون

واجبات کو ادا کرو اور حرام کاموں سے پرہیز کرو۔ محاسن اخلاق اور مکارم آداب سے اپنے کو آراستہ کرو۔ پھر پروا نہیں ہے کہ موت تم پر وارد ہو یا تم موت پر۔ بہت سے غافل ایسے ہیں کہ اپنے کپڑے پہننے کے بُنتے ہیں۔ مگر وہی اُن کا کفن ہوتا ہے۔ بہت سے اپنے گھر بناتے ہیں مگر وہیں اُن کی قبر بنتی ہے۔ کسی کو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے رستہ نہیں ملتا یا موت کے دفعیہ کے لیے کسی نے راہ نہیں پائی۔ البتہ سلیمان ابن داؤد علےٰ نبینا و علیہما السلام پیغمبر تھے جن کے لیے دنیا کی بادشاہی مسخر کی گئی تھی۔ باوجود اُن کی نبوت اور اِس عظیم قرب منزلت کے جو وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک رکھتے تھے پس جبکہ رزق اُنہوں نے اپنا پورا کر لیا اور اُن کی عمر تمام ہو گئی تو کمان ہائے فنا کے تیر اُن کو آلگے اور زمانہ اُن سے خالی ہو گیا۔ اور اُن کے محل و مکانات ویران ہو گئے اور دوسری قوم اُن کی وارث ہو گئی۔

اسی مضمون کو قریب قریب نظم میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔ وھو ھذا۔

باتوا علی قلل الجبال تحرسھم	غلب الرجال فلم ینفعھم القلل
واستنزلوا بعد عز عن معاقلھم	الی مقابرھم یا بئس ما نزلوا
فاذا ھم صارخ من بعد ما دفنوا	این الاسرۃ والتیجان والحلل
این الوجوہ التی کانت محجبۃ	من دونھا تضرب الاستار والکلل
فافصح القبر عنھم حین سائلھم	تلک الوجوہ علیھا الدود تنتقل
قد طال ما اکلوا فیھا وما شربوا	فاصبحوا بعد طول الاکل قد اُکلوا

وہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر (قصرہائے رفیع اور مستحکم میں) رہتے تھے اور بہت سے طاقتور آدمی اُنکی حفاظت اور نگرانی کرتے تھے مگر اِن بلند اور مستحکم مکانوں نے اُنکو کچھ فائدہ نہ پہنچایا بعد اس کے کہ وہ عزت و آبرو سے دنیا میں بسر کر چکے اور وہ اُن عالیشان عمارتوں سے اُتار لیے گئے اور قبروں کے اندر سُلا دیے گئے۔ پس وہ کن ذلتوں سے اُتار دیے گئے۔ اُنکے دفن کیے جانیکے بعد گویا ایک ذکر کرنیوالے کی آواز نے اُنکو آواز دی اور اُن کو مخاطب کرکے کہا کہاں ہیں آج تمہارے وہ تخت و تاج اور شاہی پوشاکیں اور کہاں ہیں تمہاری وہ حسین صورتیں جنپر غایت وجاہت

کی وجہ سے تم نقابیں ڈالے رہتے تھے۔ اور اُن کے مکان کے آگے پردے اور حجاب چھوٹے رہتے تھے۔ کہاں گئی جب اُس آواز دینے والے نے اُن سے یہ کہا تو اُس مرنیوالے نے گویا اُس مکالمہ کا جواب یوں دیا کہ جن صورتوں کا تم حال پوچھتے ہو اُنپر کیڑے رینگ رہے ہیں۔ وہ اُن کو مدّت تک یونہی کھاتے پیتے رہینگے۔ اب اُن کو کھاتے کھاتے یہ حالت ہوگئی ہے کہ اُن کو کیڑوں نے بالکل کھالیا۔

یہ وہی اشعار ہیں جن کو امام علی نقی علیہ السّلام نے خلیفۃ المتوکل باللہ کے سامنے رکھا تھا جس کے سچّے اور پرعبرت مضامین نے مے کشی کی بیخودی میں بھی اُس پر ایسا کامل اثر پہنچایا کہ وہ دیر تک ڈھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔

یہ وہی روحانی تعلیمیں ہیں جن کے لئے اسلام خصوصیت کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا تھا اور یہ وہی باتیں تھیں جن کو دنیا کی تمام قومیں بھول چکی تھیں۔ اُن کی ضلالت۔ جہالت اور ادبار کی اصلی وجہیں یہی تھیں کہ وہ اپنے مقدس ہادیوں کی اِن تعلیموں سے بالکل غافل ہوگئے تھے اور اُن کی نسبت ان کی غفلت کا یہ حال پہنچگیا تھا گویا اُنہوں نے کبھی ان کی باتوں کو سُنا ہی نہیں تھا۔ جناب رسولخدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی قوم کو سب سے پہلے انہی امور کی تعلیم پہنچائی تھی۔ اور وہ اِس قدر مفید ثابت ہوئی کہ اسلام نے اپنے انہی اخلاقی اور روحانی محاسن کے ذریعہ سے دنیا کی اور قوموں کو اپنا مطیع و منقاد بنالیا تھا۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے اتنے ارشادات جو اِس مضمون کے متعلق ہم نے لکھے ہیں اگرچہ وہ بالکل ہی مختصر کیوں نہوں مگر ہمارے موجودہ مدّعا کے لئے ضرور کافی ہوں گے۔ روحانی تعلیم کے بعد اب ہم آپ کی اخلاقی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں۔ وہو ہٰذا۔

محاسنِ اخلاق کی تعلیم

احمل نفسك من اخيك عند صرمه على الصلة و عند صدوده على اللطف والمقاربة وعند جموده على البذل وعند تباعده على الدنو وعند شدته على اللين و عند جرمه على العذر حتى كانك له عبد و كانه ذو نعمة عليك و اياك ان تضع ذالك فى غير موضعه وان تفعله بغير اهله ولاتتخذن عدو صديقك صديقا فتعادى صديقك وامحض اخاك النّصيحة حسنة كانت ام قبيحة وتجرع الغيظ فانى لم ار جرعة احلى منها عاقبة ولا الذ مغبة ولن لمن غالظك فانّه يوشك ان يلين لك وخذ على عدوك بالفضل فانّه احلى الظفرين وان اردت قطيعة اخيك فاستبق له من نفسك بقية ترجع اليها ان بدا ذالك له يوما ما ومن ظن بك خيرا وصدق ظنّه ولا تضيعن حق اخيك اتكالا على بينك و بينه فانّه ليس باخ من اضعت۔

فہل کی باتوں کو تم اپنے بھائیوں کی طرف سے اپنے اوپر برداشت کرلو۔ اگر وہ تم سے قطعی جُدائی چاہیں تو تم ان سے اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر وہ تم سے روگردانی کریں تو تم اُن سے محبت کرو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ

بحالت بانگدستی سے پیش آئیں تو تم اُن کے ساتھ احسان۔ لطف اور مُدارا کے سلوک اختیار کرو۔ جب وہ تم سے دوری اختیار کریں تو تم اُن سے قربت حاصل کرنیکی کوشش کرو۔ جب وہ سختی سے پیش آئیں تو تم نرمی سے پیش آؤ۔ جب وہ تمہارا کوئی قصور کریں تو تم معاف کردو۔ اگر وہ تم سے عذر خواہی کرنا چاہیں تو تم اُن سے خود عفو تقصیر کے خواستگار رہو اور اُن کو شرمندہ ہونیکا موقع نہ دو۔ اپنے دوستوں سے اِسطرح پیش آؤ کہ اور لوگ تم کو اُس کا بندۂ احسان سمجھیں اور اُس کو تمہارا ولی نعمت اور صاحبِ اِمتنان۔ مگر یاد رکھو کہ یہ اخلاق اُنہی لوگوں کے ساتھ جائز سمجھے جائیں گے جو اُس کا پورا استحقاق رکھتے ہوں۔ یہ باتیں اگر تم اُن کے ساتھ جائز رکھو گے جو اسکی لیاقت نہیں رکھتے تو وہ اِن محاسن کے عوض میں تمہاری معائب ڈھونڈھینگے اور تم کو محض عاجز اور مجبور سمجھیں گے۔ اپنے دوست سے اپنی دوستانہ نصیحتوں کو دریغ نہ کرو۔ عام اِس سے کہ وہ نصیحت اُس کو بُری لگے یا اچھی۔ تم کو جو کچھ کہنا ہو کہدو۔ مگر اُس کے مُنہ پر۔ غصّہ کو پی جاؤ اور ضبط کرو۔ میرے نزدیک کوئی شربت آخر میں ایسا میٹھا معلوم نہیں ہوتا جیسا غصّہ کا ضبط کرجانا اور اُس کا پی جانا۔ جو تمہارے ساتھ سختی کرے تم اُس کے ساتھ نرمی کرو۔ تمہارا نرمی کرنا اُس کی سختی کو آخرکار نرم کردیگا۔ جب تمہارا دشمن تمہارے قابو میں آجائے تو اُس کے ساتھ احسان اور نیکی کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ تمہارے یہ سلوک تمہاری فتح عظیم میں شمار ہونگے۔ اگر تم کسی دوست سے قطع محبت کرنا چاہتے ہو تو ایک بارہی ساری محبت قطع نہ کر بیٹھو۔ بلکہ کچھ رہنے دو کہ شاید وہ کسی وقت میں تم سے پھر محبت تازہ کرنا چاہے تو اِسی حصہ سے تم سے محبت زندہ کرلیگا۔ اگر تمہارے دوست تم میں اُس خوبی کا گمان کریں جو تم میں نہ ہو تو تم اُس خوبی سے اِنکار کرو۔ بلکہ اُس کی تحصیل کی جلد کوشش کرو کہ وہ خوبی تم میں آجائے۔ کسی دوست کے حقوق اُس کی دوستی کے اعتبار پر نہ ضائع کرو۔ کیونکہ جس دوست کا حق ضائع کیا جائیگا وہ تمہارا دوست نہ رہیگا۔

یہ ہیں اسلام کے سچّے اور صحیح معیار تھے۔ دنیا کی تمام قوموں کو پہنچائی۔ یہ اسلام کے وہی محاسنِ اخلاق ہیں جو حقیقت میں اُس کے سچّے اور صحیح معیار تھے۔ دنیا کی دوسری قومیں جو اِسوقت تک اسلام کی نعمتوں سے بے بہرہ تھیں وہ انہی امور سے اسلام کی صداقت اور خوبیوں کو پہچانتی تھیں اور جہالت کی قانون معاوضہ اور انتقام سے دست بردار ہو کر اسلام کی اطاعت میں اپنی گردنیں جُھکاتی تھیں۔

ہم اہل اسلام کو چھوڑ کر دوسری شریعت والوں کی خدمت میں بھی امیرالمؤمنین علیہ السلام کے اِن ارشادات کو پیش کرکے پوچھتے ہیں کہ یہ اصول جناب عیسٰے مریم علی نبیّنا وعلیہ السلام کے اُن احکام سے کہ جب تمہارا دشمن تم کو ایک طمانچہ مارے تم دوسرا گال بھی اُسکی طرف پھیر دو۔ ایک ذرّہ بھر بھی اختلاف رکھتا ہے۔ اِن ارشادات کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے کہ جناب عیسیٰ مریم علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام کی باہمی رعایت سے زیادہ اِن ارشادات میں رعایت کی اجازت پائی ہے۔ اور اُن کی رعایتوں سے زیادہ اِن ارشادات میں نرمی۔ آسانی اور محاسنِ اخلاق کی تاثیریں ہیں۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی مقدس حیات زیادہ تر جنگی معاملات میں گزری ہے۔ اور اس زمانہ کے ایک قابل مگر نارتبہ شناس مورخ نے آپ کو کرسچین نائٹ کا خطاب دیا ہے۔ یہ اُنکی کوتاہ نظری ہے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کے پورے پورے مماثل ٹھیرائے جاسکتے ہیں۔ اگر اِن دونوں مقدس بزرگواروں کی مبارک سیرتوں پر غور کی نگاہ ڈالی جائے تو اِن حضرات کے ارشادو احکام میں بہت کم اختلاف پایا جائیگا۔

یہ تو اُن کے محاسنِ اخلاق کی تعلیمیں تھیں جو قریب اور عزیز تھے۔ جن سے رسم و اتحاد و داد قائم تھے۔ اب وہ لوگ جو خادم تھے اور محض خدمت کا ذریعہ رکھتے تھے اور گھر کے کام دھندے سے متعلّق تھے اُنکی نسبت بھی ایسی ہی نرمی اور اخلاق سے پیش آنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک خطبہ کے خاص مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

واجعل لکلّ انسان من خدمتك عملاً تاخذہ فانہ احرىٰ ان لا یتواکلوا فی خدمتك واکرم عشیرتك فانھم جناحك الذی بہ تطیر واصلك الذی تصیر وید الذی بھا تصول۔

اپنے خدمت کرنیوالوں میں سے ہر ایک کا کام جدا معیّن کرو اور اُنکی بھلائی یا بُرائی کا اُس سے مواخذہ کرلو۔ ایسی حالت میں وہ خیانت سے باز رہینگے اور پھر ہر کام کو ایک دوسرے پر نہ ٹالیں گے۔ اپنے تمام قبیلہ کے لوگوں کی عزت کرو کیونکہ وہ تمہارے بازو ہیں جن سے تم پرواز کرسکتے ہو اور تمہارے اصل الاصول ہیں جن کی طرف تم رجوع کرسکتے ہو۔ وہ تمہارے ہاتھ ہیں جن سے تم حملہ آور ہوتے ہو۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک روز ایک بزّاز کی دوکان سے دو کپڑے لئے۔ ایک کپڑے کی قیمت دو درہم تھی۔ دوسرے کی تین۔ قنبرؓ ساتھ تھے۔ دو درہم والا کپڑا اپنے لئے رکھّا اور تین درہم والا قنبرؓ کے حوالے فرمایا۔ قنبرؓ نے عرض کی کہ اِسکو آپ پہنیں۔ یہ کپڑا آپ کے لئے زیبا ہے۔ کیونکہ آپ کو لوگوں سے ملاقات کرنی ہوتی ہے اور مجمع عام میں خطبہ پڑھنا ہوتا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے ہنسکر جواب دیا۔ تم جوان ہو۔ تمہارے لئے نفیس کپڑے زیبا ہیں۔

ارشاد و ہدایت کے ذریعہ اسلام کی اشاعت

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو اِن ارشاد و ہدایت نے ایک ہی وقت میں اگر غور سے دیکھا جائے تو دو فرائض ادا کئے گئے ایک اہل اسلام کی تعلیم دوسری غیر مسلم قوموں کی ہدایت۔ جنکی مثال میں فیل کی تاریخی شاہد موجود ہیں۔ آپکے ایام حکومت اور عزلت نشینی دونوں زمانوں میں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے ہیں جنمیں دوسری شریعت والے مناظرہ یا صرف استفسار اور تحقیق حق کی نیت دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے ہیں اور اپنے سوالونکا معقول اور خاطر خواہ جواب پاکر جب اُنکو اسلام کے کمال اور محاسن کی تحقیق ہوگئی تب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ مگر اگر ہم اِن تمام واقعات کو اپنی معمولی تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو شاید ہمارا یہ مفصل بیان اس کتاب کے اصلی مدّعا کی برابر ہو جائیگا۔ اِس لئے ہم اُن کو ایک مختصر خلاصہ کی صورت میں مندرج کرتے ہیں۔

یہودیوں کا پہلا وفد۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے تھوڑے دنوں بعد یہودیوں کے علماء کی ایک جماعت بہت سے پیچیدہ مسائل لیکر آئی تھی۔ اُنہوں نے علٰحدہ علٰحدہ سوال کئے اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے بھی اُن میں سے ہر ایک کو جدا جدا جواب دئے۔ اور ایسے کہ وہ سب کے سب ایمان لاکر مشرف باسلام ہوئے۔ اِن لوگوں میں مقیمر یہودی کا مناظرہ بہت مشہور ہے[1]۔

شہنشاہِ روم کا فرستادہ وفد۔ اِسی طرح نصرانیوں کے عالموں کا ایک دوسرا ڈیپوٹیشن روم سے چند مسائل لیکر مدینہ میں آیا تھا۔ اُن کے سوالوں کا جواب اہل اسلام میں سے کوئی بھی نہ دے سکا۔ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اُن کے تمام سوالوں کا جواب دیا اور وہ لوگ اسلام سے مشرف ہوئے[2]۔

یہودیوں کا دوسرا وفد۔ اِسی طرح یہودیوں کے عالموں کا ایک دوسرا ڈیپوٹیشن (وفد) جسمیں اُن کے بڑے بڑے علماء بھی شامل تھے۔ مدینۃ النبی[ؐ] میں حاضر ہوا۔ اُن لوگوں نے چند سوال پیش کئے اور اُن کی جواب پر اسلام کی قبولیت کو اُٹھا رکھا تھا۔ اِس ڈیپوٹیشن کی بھی وہی کیفیت ہوئی۔ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ان کو تمام سوالوں کے جواب دیئے اور وہ مطمئن ہو کر اسلام لائے[3]۔

عالم عیسائی۔ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا عالم جسکو فی الحال بشپ یا آرچ بشپ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر سے دوزخ کے بارے میں اُلجھا اور اُس کیساتھ ہی بہت سے مسائل پوچھے امیر المؤمنین علیہ السلام اُس مجلس میں حاضر تھے اُس کے ایک ایک سوال کا جواب خلیفہ کی طرف سے دیا اور اُسکی پوری تشفی کردی اور وہ اسلام سے مشرف ہوا۔

سابق خلافتوں پر کچھ منحصر نہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے خاص زمانہ میں بھی بہت سے ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ ان میں سے دعبل سجستانی کا قصہ مشہور ہے۔ جسکو شواہد النبوۃ میں ملا عبدالرحمٰن جامی نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اسی طرح صفین کے سفر میں ایک عیسائی راہب کا ایمان لانا۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو کی تاریخوں سے لیکر انگریزی تک کی تاریخوں میں مندرج ہے۔ جنگِ صفین کے خاتمہ پر زرہ والے معاملہ میں جو عیسائی قاضی شریح کے پاس پیش کیا گیا تھا۔ وہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے ذاتی محاسن اور شریعت کی پابندی کو دیکھکر آخر کار اصل واقعہ کے بیان پر مجبور ہو گیا۔ اور مسلمان ہو کر جنگِ نہروان میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ غور کا ملک تیسری خلافت میں فتح ہوا تھا۔ یہاں کا حاکم شنسب جو ایک ترکی افغان تھا یہاں حکومت پر متمکن تھا۔ اسی کے خاندان میں غور کی حکومت چلی آتی تھی۔ خلافت نے فتح کے بعد اِس ملک کے قاعدۂ حکومت سے کوئی تعرض نہیں کیا اور شنسب کو اپنی موجودہ حالتوں پر چھوڑ دیا۔ شنسب جزیہ کی شرائط پر خلافت کا مطیع ہو کر غور کی حکومت پر مستقل رہا۔

---

[1] زین الفتیٰ [2] تذکرۂ خواص الامہ ۱۲ [3] قصص الانبیاء ۱۲

امیرالمؤمنین علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں اُس کو بُلایا۔ وہ آیا۔ اسلام سے مشرف ہوا۔ پھر اپنے مُلک کی جدید اجازت پاکر رخصت ہو گیا۔ ناسخ التواریخ میں اتنا اضافہ اور درج ہی کہ شنصب نے اپنے ملک میں واپس آکر تمام قوم کو جناب امیر علیہ السلام کی بیعت پر اسلام سے مشرف کیا۔ وہ خط جو شنصب کی طلبی میں دار الخلافہ سے لکھا گیا تھا شاہانِ غور کے خزانوں میں نہایت افتخار اور بہت ہی بڑی احتیاط سے رکھا رہا۔ بہرام شاہ ابن محمد ابنِ محمود شاہ کے زمانہ تک یہ موجود تھا۔ اِس کے بعد اس کے حال پر پردہ ہے۔

وقت تھوڑا۔ کام بہت۔ اسپر ملکی بغاوت کی کثرت کا وہ انداز جس سے ایک دم کے لئے اطمینان نہیں حقیقت میں امیرالمؤمنین علیہ السلام کو اپنی چار سالہ حکومت کے زمانہ میں اتنی فرصت کہاں کہ نظامِ مُلکی کے تمام صیغہ کی طرف پوری اور کامل توجہ فرمائی جاتی۔ مگر تاہم۔ آپ کے نظامِ حکومت کو واقعات پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہی کہ امیرالمؤمنین علیہ السلام نے ضرورت اور فرصت کے اعتبار سے کوئی مُلکی صیغہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی ترتیب اور درستی میں اپنی لیاقت اور کمال کا پورا اظہار نہ فرمایا ہو۔ ملکی مالی اور فوجی صیغوں کے حال معلوم ہو چکے۔ ہدایت ارشاد کا صیغہ بھی کافی تفصیل سے بیان کیا گیا۔ اِس اخیر صیغہ کے متعلق امیرالمؤمنین علیہ السلام نے کسی ضروری امر کی تعلیم کو ادھورا یا نامکمّل نہیں چھوڑا۔ اور شروع سے لیکر اخیر تک اُن کے ہر ابواب کو اُسی طرح بتلایا اور سمجھایا۔ ہم ارشاد و ہدایت کے متعلق علومِ مختلفہ اور حکمتِ متفرقہ کی تعلیم آپ کے کمالِ علمی کی تفصیل میں اس سے زائد وسعت کے ساتھ لکھیں گے۔

شراب کی ممانعت کا معقول انتظام جسطرح انکی خلافت میں کیا گیا ویسا کسی اور خلافت کے زمانہ میں نہیں عام طور سے تمام قلمروِ اسلامی میں والیان ملک کو لکھا گیا کہ اہل ذمیوں سے جن کے نزدیک اِسکی حرمت ثابت نہیں ہے۔ شراب خواری کے قطعی ترک پر سخت عہد لیا جائے۔

عرب کا مشہور شاعر۔ نجاشی کوفہ میں مقیم تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ابو سماک اسدی نے اُس کی دعوت کی۔ اُس کے اسبابِ دعوت میں شراب بھی شامل تھی۔ وہ پیکر بدمست ہو گیا۔ ہمسایوں کو خبر لگی۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام سے اطلاع کی۔ نجاشی پکڑا گیا۔ معمولی سزا سے بیس کوڑوں کا اور اضافہ فرمایا گیا۔ نجاشی نے اِس اضافہ کی وجہ پوچھی تو ارشاد ہوا کہ ماہ رمضان میں اِس جرأت کے کرنے سے بیس کوڑوں کا اور اضافہ کیا گیا ہی ابراہیم ابنِ ہلال اسدی نے نجاشی کی سفارش کی تو امیرالمؤمنین علیہ السلام نے نہایت خشم آلود آواز سے اُس کے جواب میں ذیل کا آیہ تلاوت فرمایا۔ لایجرمنکم شنان قوم علی ان نعد لوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ تم کو اس قوم کی عداوت اِس امر پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ عدالت سے نہ کام کرو بلکہ انصاف کرو کہ وہ خدا کا تقوےٰ ہے۔

ہم خلافتِ مرتضوی کے نظامِ مُلکی کو تمام کرتے ہیں اور آپ کے کمالِ علمی۔ علومِ مختلفہ کی تعلیم و تشریح اور محاسنِ اخلاق و مکارمِ عادات کے بیان مندرج کرتے ہیں۔ مگر قبل اِس کے کہ ہم اپنے سلسلۂ بیان کو

اپنے جدید مضمون سے شروع کریں - ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو یہ دکھلاتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے تمام ملکی - مالی اور فوجی افسروں میں سے ہر ایک فرائض اور مناصب بیان کئے - مگر خلیفہ اور امیر کے فرائض اور مناصب کا کہیں ذکر نہیں فرمایا - اب ہم خاص خلیفہ اور امیر کے فرائض و مناصب ایک علٰحدہ خطبہ سے ذیل میں لکھتے ہیں - وہو ہذا -

امّا بعد فقد جعل اللہ لی علیکم حقا بولایۃ امرکم ولکم علی من الحقّ مثل الذی لی علیکم فالحقّ اوسع الاشیآء فی التواصف واضیقہا فی التناصف لایجری لاحد الاجری علیہ ولا یجری علیہ الاجری لہ ولو کان لاحد ان یجری لہ ولا یجری علیہ لکان ذٰلک خالصاً للّٰہ سبحانہ دون خلقہ لقدرتہ علی عبادہ ولعدلہ فی کل ماجرت علیہ صروف قضائہ ولکنّہ سبحانہ جعل حقّہ علی العباد ان یطیعوہ وجعل جزاءہم علیہ مضاعفۃ الثواب تفضلاً منہ وتوسعاً بما ہو من المزید اہلہ ثم جعل سبحانہ من حقوقہ حقوقاً افترضہا لبعض الناس علی بعض فجعلہا تتکافا فی وجوہہا ویوجب بعضہا بعضاً ولایستوجب بعضہا الا ببعض واعظم ما افترض سبحانہ من تلک الحقوق حق الوالی علی الرّعیّۃ وحق الرّعیّۃ علی الوالی فریضۃٌ فرضہا اللہ سبحانہ لکلّ علی کلّ فجعلہا نظاماً لالفتہم وعزّاً لدینہم فلیست تصلح الرّعیّہ الا بصلاح الولات ولا تصلح الولات الا باستقامۃ الرّعیّۃ فاذا ادت الرعیّۃ الی الوالی حقہ وادی الوالی الیہا حقّہا عزّ الحقّ بینہم وقامت مناہج الدّین واعتدلت معالم العدل وجرت علی اذلالہا السّنن فصلح بذالک الزّمان وطمع فی بقآء الدّولۃ ویئست مطامع الاعدآء واذا غلبت الرّعیّۃ والیہا واجحف الوالی برعیتہ اختلف ہنالک الکلمۃ وظہرت معالم الجور وکثر الادغال فی الدّین وترکت محاج السنن فعمل بالہوی وعطلت الاحکام وکثرت علل النفوس فلا یستوحش لعظیم حق عطل ولا لعظیم باطل فعل فہنالک تذل الابرار وتعز الاشرار وتعظم تبعات اللہ عند العباد -

خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے تم لوگوں پر امیر کیا ہے اور میری اطاعت کے حقوق تم پر واجب کئے ہیں - اور جس طرح میرے حقوق تم لوگوں پر ہیں اُسی طرح تمہارے حقوق ہمارے اوپر ہیں - اور وہ حقوق یہ ہیں کہ میں تم لوگوں میں بعدالت کام کروں - اِس میں شک نہیں کہ حقوق باعتبار بیان کے نہایت سہل ہیں مگر بلحاظ تعمیل کے بہت سخت اور دشوار اور اگر کسی پر کسی شخص کا حق ہے تو اُسپر دوسرے شخص کا بھی حق ہونا ضروری ہے - اور وہ جسپر کوئی حق کسی کا ثابت نہو سکے وہ سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی اور نہیں ہے کیونکہ اُسی کو قدرتِ کامل اور صفتِ عادل حاصل ہی - کیونکہ جو کچھ وہ حکم کریگا وہ عین عدل ہوگا اور جیسا کچھ وہ حکم دیگا وہ اُسپر قادر ہے اور سوائے اُس کے کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے لیکن باایںہمہ خداوندِ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے افعال و اعمال کی جزا بھی اپنے ذمّہ لازم کرلی ہی اور ثوابہائے مضاعف اور اضافہائے احسانات کا امیدوار بنایا ہی - زاں بعد - آدمیونکی

طرف سے آدمیوں پر حقوق بھی قائم فرمائے ہیں اور ہر ایک حق کو حق کے برابر رکھا ہے۔ چنانچہ ایک کا حق دوسرے پر قایم ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا حق اُس کے ادا کرنے پر لازم ہوتا ہے۔ اِن حقوق میں سے سب سے بڑا حق امیر کا ہے رعیت پر۔ اور رعیت کا ہے والی پر۔ اور یہ دونوں مساوی واقع ہوئے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے علحدہ نہیں ہونیوالے خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں سے ایک کو دوسرے کے حق پر واجب اور لازم گردانا ہے اور اِن حقوق کی رعایت سے باہمانہ محبت والفت کا انتظام فرمایا ہے۔ اِن وجہوں سے رعایا کے حقوق والی اور امیر کے ساتھ وابستہ ہیں اور والی اور امیر کے استحقاق رعایا کیساتھ متعلق ہیں۔ امیر یا والی کی صلاح رعیت کی اطمینان اور آبادی پر منحصر ہے جب رعایا اپنے والی اور امیر کے حقوق کو بغیر کسی خلش اور نقصان کے ادا کریگی اور امیر بھی اُن کے حقوق کو عدالت اور مروت کے ساتھ ادا کرتا رہیگا تو امورِ حق کو ضرور غلبہ ہوگا اور دینِ خدا کی راہیں راست ہو جائینگی اور تمام دنیا میں عدل وانصاف قایم اور برپا رہیگا۔

جب خطبہ کے مضمون کو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے یہانتک پہنچایا تو سامعین میں سے ایک صحابی نے اپنے جوشِ عقیدت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپکی بیحد تعریف وتوصیف کرنے لگے۔ جب وہ اپنی طول وطویل مدح و ثنا کو تمام کر چکے تو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے خطبہ کے بقیہ مضامین کو ذیل کے الفاظ میں تمام فرمایا۔

ان من حق من عظم جلال الله فی نفسه وجل موضعه فی قلبه ان یصغر عنده لعظم ذلک کل ما سواه وان احق من کان کذلک لمن عظمت نعمة الله تعالیٰ علیه ولطف احسانه الیه فانه لم تعظم نعمة الله علی احدٍ الا ازداد حق الله علیه عظماً وان من اسخف حالات الولاة عند صالح الناس ان یظن بهم حب الفخر ویوضع امرهم علی الکبر واستماع الثناء ولست بحمد الله کذلک ولو کنت احب ان یقال ذلک لترکته انحطاطاً لله سبحانه عن تناول ما هو احق به من العظمة والکبریاء وربما استحلی الناس الثناء بعد البلاء فلا تثنوا علیّ بجمیل ثناء لاخراجی نفسی الی الله والیکم من التقیة فی حقوق لم افرغ من ادائها وفرائض لا بد من امضائها فلا تکلمونی بما تکلم به الجبابرة ولا تتحفظوا منی بما یتحفظ به عند اهل البادرة ولا تخالطونی بالمصانعة ولا تظنوا بی استثقالاً فی حق قیل لی ولا التماس اعظام لنفسی فانه من استثقل الحق ان یقال له والعدل ان یعرض علیه کان العمل بهما اثقل علیه فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطئ ولا آمن ذلک من فعلی الا ان یکفی الله من نفسی ما هو املک به منی فانما انا وانتم عبید مملوکون لرب لا رب غیره یملک منا ما لا نملک من انفسنا واخرجنا مما کنا فیه الی ما صلحنا علیه فابدلنا بعد الضلالة بالهدیٰ واعطانا البصیرة بعد العمیٰ

جو شخص کہ خدا کی عظمت وجلال کو تمام چیزوں سے عظیم اور جلیل تر جانتا ہے اُسکو چاہیئے کہ وہ تمام اُن اشیاء کو جو سوائے ذات باری تعالیٰ کے ہیں اپنی نگاہوں میں حقیر سمجھے اور تمام اشیائے ماسوا کو خدا کا محتاج اور عاجز جانے۔ اور ہر چند نعمتہائے الٰہی کسی پر کتنی ہی زائد نہوں اور اُسپر اُس کے کیسے لطف واحسان نہوں اُسکو چاہیئے کہ خدا

کی تعظیم اور اُسکا شکر زیادہ بجالائے۔ اور اُسکا شکر زیادہ کرے۔ کیونکہ جب نعمتِ الٰہی کسی پر نازل ہو تو اُس کا شکر اُسپر واجب ہوجاتا ہے اور جس قدر نعمت حق زیادہ ہو حقوقِ باری تعالیٰ زیادہ ہوتے ہیں۔ سب سی بُرا امیر یا والی وہ ہے جو رعایا اور عوام الناس کے سامنے فخر و تکبر کرے اور اپنی مدح و ثنا کو زیادہ پسند کرے۔ اور حقیقتِ امر یہ ہی کہ میں اِس کو نہیں پسند کرتا کہ تمہارے دل میں یہ گمان ہو کہ مین اپنی مدح و ثنا کو پسند کرتا ہوں۔ تمام تعریفوں کا مستحق وہی خدا ہے اور تمام فخر و تکبر اُسی کے شایاں ہے۔ اور کسی کو اسکا حق حاصل نہیں ہے۔ بعض وقت اکثر لوگ مدح و ثنا کو پسند کرتے ہیں مگر ایسے لوگ سچی مدح و ثنا کے اُسی وقت مستحق ہوتے ہیں جب وہ اپنے فرائض کی ذمہ داری اور اُس کی آزمائش سے پاک وصاف نکل آئیں۔ اور جس امر پر مامور کئے گئے ہیں اُسکو بحسنِ وجوہ انجام دے لیں۔ تم لوگ میری تعریف و توصیف نہ کرو۔ کیونکہ میں اپنے خالق اور اُس کی خلایق کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایسا شخص ہوں جس کے ذمہ بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں۔ جنکی ادا کاری سی میں ابھی تک سبکدوش نہیں ہوا۔ اور وہ فرائض جو مجھ سے متعلق ہین وہ ابھی ادا نہیں ہوئے پس ایسی حالت میں کس طرح اپنی تعریف کو پسند کرسکتا ہوں۔ ہرگز ہرگز میرے ساتھ ویسی باتیں نہ کیا کرو جیسی ظالم بادشاہوں کے روبرو کرتے ہیں۔ مجھ سے تم لوگ کوئی خوف نہ کرو۔ بلکہ ظالم بادشاہوں سے اندیشہ کرو۔ میرے ساتھ تکلّف سے نہ پیش آؤ اور میری مدح و ثنا میں مبالغہ نہ کرو اور کلمۂ حق کے کہنے میں میری رعایت نہ کرو اور اپنی دادطلبی اور انصاف خواہی میں مجھ سے کوئی مضائقہ نہ کرو کہ مجھ کو کلمۂ حق کبھی گراں نہیں گزرتا۔ مجھ کو اہل اسلام سے اپنی تعظیم کرانی ہرگز منظور نہیں ہی ہرگز تم لوگ کلمۂ حق کے گراں گزرنے کا میری طرف خیال نہ کرو اور مجھ کو تعظیم و تکریم کا خواہاں نہ سمجھو۔ وہ آدمی جسپر کلمۂ حق گراں گزرتا ہے حق کی رعایت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اور جو شخص انصاف کی کلمات سُننا نہیں چاہتا وہ ہرگز انصاف کی روش پر نہیں چلتا۔ اپنی مشورت و استعانت کو مجھ سے دریغ نہ کرو اور اپنی سچی باتونکو مجھ سی نہ چھپایا کرو کیونکہ مجھ کو اپنے نفس پر ایسا اعتماد نہیں ہی کہ میں کہہ سکوں کہ مجھ سی خطا نہیں ہوسکتی۔ اور میں اپنی گفتار و کردار میں خطا نہیں کرسکتا۔ مگر امید قوی ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ خطا و خلل کو میرے قول و فعل سے دور فرمائے اور جو کچھ میری وسعت میں نہیں ہے اپنے کرم سے مجھے عنایت فرمائے۔ واقعی ہم تم دونوں اُسی کے بندے ہیں اور اُسی کے مملوک۔ اور سوائے پروردگار سبحانہ و تعالےٰ کے ہمارا کوئی دوسرا مالک نہیں ہے۔ جو چیز کہ وہ ہمارے نفس سی چاہے وجود میں لاسکتا ہے۔ لیکن ہم اُسپر قادر نہیں ہیں۔ اور جو قوتیں کہ اُس نے ہم میں پیدا کی ہیں اُن سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے لطف شامل سے ہم کو گردابِ ضلالت سی نکالکر ساحلِ صلاح پر لگادیا۔ اور اپنی عنایتِ کامل سے جہالت و فساد سے بچا کر راہِ ہدایت پر ہم کو مستقیم کردیا۔ اور جس وقت کہ جہالت نے ہماری آنکھوں کو بے نور کردیا تھا ہمارے دل کی آنکھوں کو نور علم سی منور فرمایا۔ اور دلائلِ واضح اور حجت ہائے ساطع دنیا میں ہماری بصیرت اور ہدایت کیواسطے جاری فرمائیں۔

اب تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگیا کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے جو فرائض اور اپنی محاسن کے بیان کو بھی اُسی تفصیل سے بیان کیا ہی جس تفصیل سے خلافت کے ہر اعلےٰ اور ادنےٰ عہدے کو۔ اس مضمون سے معلوم ہوگیا کہ خلیفۃ اللہ اور جانشین جنابِ رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہی شان ہونی چاہیئے جیسا کہ اس خطبہ میں بیان کی گئی۔

امیر المؤمنین علیہ السّلام کی جامعیّت اور ارشادات

قدیم سے تقریر اور طلاقت عرب کی ذی عزت خاندانوں کا تمغہ چلی آتی ہے اور اُسکے ہونہار اور سعادتمند نوجوانوں کا اکثر اسی سے امتیاز کیا جاتا تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کی ذاتی قابلیت اور علمی لیاقت ایک تو یوں ہی جواب نہیں رکھتی تھی۔ دوسرے اُنکی تقریر کی تاثیر اور حسنِ بیان نے اپنی یکتائی اور عدیم المثالی کا سارے عرب سے اقرار کرالیا تھا۔ احکام۔ ارشادات۔ خطبات۔ توقیعات۔ آپ کے ایسے موجود ہیں اور اِس کثرت سے ذائع وشائع ہیں جن کو جس پہلو اور جس انداز سے دیکھا جائے اپنی آپ مثال اور اپنا آپ جواب ثابت ہو چکے ہیں۔

قدیم الایام سے عرب اپنے لٹریچر (زبان) اور حسن تقریر کے لیے مشہورِ آفاق تھا۔ اور سن ہجری کی تیسری صدی سے لیکر چھٹی صدی کے اخیر تک تو انکا لٹریچر اور علمی تحقیقات دنیا کی تمام قوموں سے بہت آگے بڑھ گئی تھی اور اُنکی اعلےٰ قابلیتوں نے یونانی۔ رومی اور دوسری قوموں کو اپنے مقابلہ سے پیچھے ہٹا دیا تھا۔ مگر تاہم جس وقت ہم عرب کے اِن علماء کی قابلیت اور مایۂ لیاقت کا مقابلہ اور اُنکی تحریر و تقریر کا موازنہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے ارشادات وخطبات سے کرتے ہیں تو ہم اُنکے تمام کمالات کو امیر المؤمنین علیہ السّلام کے محاسنِ لیاقت کا ادنےٰ خاکہ سمجھتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

عرب میں قدیم سے خطبات کا دستور چلا آتا ہے اور یہ ایسا دستور ہے جو جہالت کے زمانہ سے لیکر عرب کی ترقی کے وقت تک برابر جاری رہا۔ اور اب بھی اسلامی ممالک میں جمعہ وجماعت کی مخصوص اوقات میں یہ آثار پائے جاتے ہیں۔ مگر جیسی خوبیاں۔ جیسے کمال۔ فصاحت وبلاغت اور علمی قوت نہج البلاغہ کے خطبات میں ہم دیکھتے ہیں وہ مشکل سے پھر کسی قدیم یا جدید عربی خطیب کے خطبوں میں پاتے ہیں یہ وہی بے نظیر اور اعلےٰ لیاقتیں تھیں جنہوں نے امیر المؤمنین علیہ السّلام کے علمی اوصاف کو تمام عرب میں بے نظیر ثابت کر رکھا ہے۔ قرآن۔ حدیث۔ اسلام کے ضروری علوم کے علاوہ علومِ عقلی میں بھی امیر المؤمنین علیہ السّلام کو بہت بڑی مہارت حاصل تھی۔ فصاحت اور بلاغت میں آپکا رتبہ اپنے ہمعصروں سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ آپ اُس زمانہ کے عربوں میں خطیب فصیح اللسان اور کاتب بلیغ البیان مانے جاتے ہیں۔

ہمارے معزز اور لائق دوست مولوی محمد عبدالرحمٰن صاحب نے اور زیادہ غور نہیں کیا۔ امیر المؤمنین

علیہ السلام کی جامعیت اور علمی کمال کی نسبت وہ اگر زیادہ تحقیق فرماتے تو اُنکو معلوم ہو جاتا کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی جامعیت ایسی محدود نہیں ہی کہ صرف اُن کے معاصر ہی تک تمام کردی جائے بلکہ تمام دنیا میں عموماً اور اہلِ اسلام میں توخصوصاً اوّل سے آخر تک اِسکی مثال بالکل دشوار اور سخت محال ہے۔ اسلام کے تمام طریقوں کے امام ۔ فقیہ ۔ ادیب ۔ محدّث ۔ مورّخ ۔ علماء اور فضلاء جو بڑی بڑی علمی مسندوں کے بیٹھنے والے گزرے ہیں وہ سب اُنہی کے چشمۂ علوم سے سیراب اور فیضیاب ہو چکے ہیں اور وہ جس قدر جانتے ہیں وہ انہی کی مبارک تعلیم کا نتیجہ ہے۔

اسلام میں وہ کونسا فرقہ ہے جس کی تحصیل کا سلسلہ امیرالمؤمنین علیہ السلام تک نہیں پہنچا۔ سب سے اوّل تم صحابہ کی خطّہ کو دیکھو صحابہ میں عبداللہ ابنِ عباس بہت بڑے فقیہ کہلاتے ہیں اور اپنی ہمعصروں میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور محیط العلم بین الصّحابہ کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اُنکی تمام معلومات امیرالمؤمنین علیہ السّلام کی خدمت صحبت اور تلمّذ کے فیوض ہیں۔

حضرت عمر کو بھی مولوی شبلی صاحب نے اِسی طبقہ میں شمار کیا ہے۔ ہمکو انکے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عمر کو کوئی مشکل مسئلہ آپڑتا تھا اور وہ اُسکے جواب میں اپنی کوئی رائے نہیں دے سکتے تھے تو امیرالمؤمنین علی علیہ السّلام سے استفسار کرتے تھے۔ انہی واقعات کے ثبوت میں حضرت عمر کے یہ اقوال تمام اسلامی تاریخوں میں مندرج ہیں۔

لولا علی لهلك عمر۔ علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوتے۔ کان عمر یتعوذ باللہ من معضلة لیس لها ابوالحسن۔ عمر ہمیشہ اُس مشکل کے لیے خدا سے پناہ مانگتے ہیں جس کے حل کرنیکے لیے ابوالحسن علیہ السّلام موجود نہوں۔ یا ابا الحسن لا ابقانی اللہ بشدة لست لها ولا فی بلدة لست فیه۔ یا ابا الحسن علیہ السّلام وہ سختی خدا مجھ پر نہ ڈالے جس کے دور کرنے کے لیے تم موجود نہ ہو اور اُس شہر میں خدا مجھے نہ لیجائے جہاں تم نہ ہو۔ (کنز العمال) یا بن ابی طالب ما زلت کاشف کلّ شبهة وموضع کلّ حکم۔ اے پسر ابیطالب علیہ السلام تم ہمیشہ ہر شبہہ کے کھولنے والے اور کل احکام کے ظاہر کرنیوالے ہو۔ اللّهمّ لا تنزل بی شدة الا ابوالحسن الی جنبی۔ خدا مجھ پر کوئی بلا نازل نہ فرمائے اُس وقت میں جب ابوالحسن علیہ السّلام میرے پہلو میں نہ ہوں عجزت النساء ان یلدن مثل علی ابن ابیطالب علیہ السّلام۔ عورتیں علی ابنِ ابیطالب علیہ السلام کے ایسا بچّہ جننے سے عاجز ہیں۔

امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے صرف چند مسائل کے جواب کے یہ نتیجے تھے۔ جس نے حضرت عمر کی زبان سے انکی اعلےٰ اور بے مثل لیاقت کا اعتراف کرایا۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس سے پوچھا گیا کہ آپکو علم زیادہ ہے یا آپکے ابن عم کو۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ میرے علم کی مقدار اُنکی علمی لیاقت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک قطرہ کی دریا کے ساتھ۔ جب محیط العلم کا وجود۔ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے

زائد نہ ٹھیرے تو پھر اُس دریائے ناپید اکنار کے اندازے کیسے کیے جاسکتے ہیں؟
عبد الحمید ابن ابی الحدید فاضل معتزلی نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے کمال علمی کے متعلق یہ رائے لکھی ہے کہ اُس بزرگ کی نسبت میں کیا لکھوں جس کے دشمنوں تک نے اُسکے فضائل کا اعتراف کیا اور اُسکے اعدا اُسکے مناقب کو نہ چھپا سکے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بنی امیہ سلطنت اسلام پر مشرق سے مغرب تک اپنی حکومت بٹھلا چکے تھے اور اُنکے انوار ہدایت کے گُل کردینے کی کوشش کر رہے تھے۔ احادیث اُن کے معائب میں وضع کراتے تھے اور منبروں پر اُس جناب کو کریہ الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ اُنکے دوستوں اور مدّاحوں کو دھمکاتے تھے اور اُنکو قید کرتے تھے۔ اور مار ڈالتے تھے۔ یہاں تک تو نوبت پہنچائی تھی کہ اُنکے نام لینے تک کی ممانعت تمام ملکوں میں کرادی تھی۔ مگر باوجود اس اہتمام کے جس قدر وہ اِس کے خلاف میں کوشش کرتے تھے اُتنا ہی اُنکا نام بلند اور اُنکا مرتبہ رفیع ہوتا تھا۔ مشک کی بو کی طرح کہ اُسکو جہاں چھپائیں اُس کی بو نہیں چھپتی اور مثل آفتاب کے کہ کسی کی ہتھیلی اُسکو چھپا نہیں سکتی۔ اور مثل روزِ روشن کے کہ اگر اُسکو ایک کی آنکھ نہ دیکھے تو کیا۔ صدہا ہزارہا آنکھیں اُسکو مشاہدہ کرینگی۔

اور میں اُس شخص کی شان میں کیا کہوں کہ تمام فضیلتیں اُس سے منسوب اور جمیع کمالات اُسی تک منتہا ہوتے ہیں۔ وہ تمام مناصب و مناقب کا راس الرئیس ہے اور تمام مکارم و محامد کا سرچشمہ اور جملہ فضائل کا معدن ہے۔ کوئی اُس سے میدانِ منقبت میں آگے نہ نکل سکا جس نے کسی فضیلت میں کچھ حصہ لیا ہے وہ اِسی کی وجہ سے اور جو جس کمال سے بہرہ ور ہوا وہ اِسی کے سبب سے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں تمام علوم سے مشکل خداشناسی اور معرفت کا علم ہے مگر جس نے خدا کو پہچانا وہ اِسی کے سبب سے۔ اسی کے کلام سے معرفت خدا کے احوال مستنبط کیے گئے۔ خداشناسی کی راہیں اُسی کی یہاں سے روشن ہوئیں۔ تمام دنیا میں نورِ معرفت اسی کی تعلیم سے پھیلا۔

فرقۂ معتزلہ۔ اسلام کا وہ فرقہ جو اہلِ توحید و عدل و ارباب بصیرت و عقل ہیں اور اِس فن میں مرشد اور اُستاد مانے گئے ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ اِس طرح سے کہ واصل ابن عطا جو اس فرقہ کا پیشوا مانا جاتا ہی وہ ابو ہاشم عبد اللہ ابن محمد حنفیہ کا شاگرد ہی اور عبد اللہ کو اپنے باپ محمد حنفیہ سے تلمذ حاصل ہی اور محمد حنفیہ کو اپنے پدر بزرگوار امیر المؤمنین علیہ السلام سے۔

فرقۂ اشاعرہ۔ اِس فرقہ کی انتہا ابو الحسن اشعری پر ہوتی ہے۔ یہ ابو الحسن جبائی کا شاگرد ہی۔ اور ابو الحسن فرقۂ معتزلہ کے مشائخ میں داخل ہی۔ اِس طریقہ سے اِس فرقہ کی انتہا بھی آپ ہی تک ہی۔

امامیہ و زیدیہ۔ اُن کو جو خصوصیت امیر المؤمنین علیہ السلام سے حاصل ہی وہ میری کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

اسلام کے ضروری علوم سے پہلا علم فقہ ہے ۔ امیر المومنین علیہ السلام اسکی اصل ہیں۔ تمام فقہائے عرب انہی کے خوشہ چین ہیں۔ علم فقہ ابو یوسف اور ابو محمد وغیرہ نے ابو حنیفہ سے اخذ کیا۔ اور شافعی نے محمد سے اور احمد بن حنبل نے شافعی سے ۔ غرض ان سب کا انحصار ابو حنیفہ پر ہوتا ہے اور ابو حنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حاصل کیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین سے۔ اس لیے یہ سلسلہ بھی امیر المومنین علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔

اسلام کے تین اماموں کی کیفیت تو معلوم ہو چکی۔ ابھی امام مالک باقی ہیں۔ اُنکی کیفیت یہ ہے کہ اُنکی تحصیل کا سلسلہ عکرمہ حضرت عبد اللہ ابن عباس کے غلام پر تمام ہوتا ہے۔ ابن عباس کو امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں تلمذ کا جیسا کچھ شرف حاصل تھا وہ میرے بیان کا محتاج نہیں۔ عام طور سے تمام اسلامی سیر و تواریخ میں مندرج ہے۔

تصوف اور اہل اشراق۔ اب اس طائفہ کی طرف نگاہ کیجائے تو اس علم کے موجد بھی جناب امیر المومنین علیہ السلام ہی بتلائے جاتے ہیں۔ جُنید بغدادی کا یہ قول خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب میں تحریر کرتے ہیں۔

وقال الجنید رحمۃ اللہ علیہ صاحبنا فی ھذا الامر الذی اشار الی ما تضمنہ واومی الی حقائقہ بعد نبینا علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارا پیشوا اس امر تصوف میں کہ جس بزرگ نے اشارہ کیا ہے اُس شے کی طرف جو دلوں میں آکے متضمن ہوتی ہے اور جس نے ہمارے نبی صلعم کے بعد اسکے حقائق کی طرف ایما کیا ہے وہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

جنید بغدادی علیہ الرحمہ کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں شیخنا فی الاصول والبلاء علی مرتضیٰ یعنی امامنا فی علم الطریقۃ و معاملاتہا ھو علی مرتضیٰ علیہ السلام ہمارے اصول اور بلا میں پیر علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ یعنی ہمارا امام علم طریقت میں اور اُسکے معاملات میں علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔

تمام سلسلے مثل قادریہ چشتیہ۔ قشریہ۔ ہرویہ۔ احمدیہ الغزالیہ۔ شطاریہ۔ رفاعیہ۔ بسروریہ۔ کبریہ۔ شاذلیہ۔ اور نقشبندیہ جناب امیر علیہ السلام تک منتہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں ہر ایک سلسلہ کی ہزارہا شاخیں نکلی ہیں لیکن متقدمین کے نزدیک انکے اصل دو طریقے تھے **جنیدیہ**۔ اور **طیفوریہ**۔ جنیدیہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی کی طرف سے منسوب ہے۔ حضرت جنید کو حضرت سری سقطی سے بیعت ہے اور حضرت سقطی حضرت معروف کرخی کے مُرید ہیں اور حضرت معروف کرخی نے حضرت داؤد طائی سے فیض حاصل کیا ہے اور حضرت داؤد نے حضرت حبیب عجمی سے اور حضرت حبیب عجمی نے

حضرت حسن بصری سے بیعت کی۔ اور حسن بصری نے خرقۂ خلافت جناب امیر علیہ السّلام سے پہنا ہے دوسرا فرقہ طیفوریہ ہے جو منسوب ہے طیفور ابایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جنکی بیعت حضرت امام بحق ناطق جعفر الصادق علیہ السّلام سے تھی۔ پس اس فرقہ میں جتنے طریقے ہیں سب کا خاتمہ جناب امیر علیہ السّلام کی ذاتِ مقدّس تک ہوتا ہے۔

امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ اربعین فی اصول الدین میں لکھتے ہیں ومنہا علم تصفیۃ الباطن ومعلوم ان نسب جمیع الصّوفیۃ ینتہی الیہ۔ انہی سے صفائی قلوب کا آغاز ہوا ہے۔ اور تمام صوفیۂ کرام کی نسبت انہی پر تمام ہوتی ہے۔

اسلامی دنیا میں صحابۂ کبار سے لیکر تابعین اور تبع تابعین تک کی جماعت میں کسی کے ارشاد اور تعلیم کے لیے اہلِ اسلام اتنے زیر بارِ احسان نہیں ہیں جتنے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے۔ اسلام میں تمام علوم کی تعلیم انہی سے ہوئی اور اہلِ اسلام نے جو کچھ حاصل کیا وہ انہی کی تعلیم صحبت اور خدمت سے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی تحصیل جناب سرورِ موجودات صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت اور تربیت پر موقوف تھی۔ صحابۂ کبار میں ہونیکی حیثیت سے علاوہ اہلبیت۔ ابنِ عم اور خویشِ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہونیکی شرافتوں نے جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے تعلّقات کو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ ہمایوں سے ایسا وابستہ رکھا تھا کہ وہ دوسروں کے لیے قطعی ناممکن تھا۔ اِن تعلّقات سے قطع نظر کرکے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خاص تحقیق طلب طبیعت بھی اسلام کی پاک بشارتوں پر اور بانی اسلام علیہ السّلام کی مقدّس تعلیموں پر ہمیشہ ایسی ہی رغبت۔ خواہش اور شوق سے توجہ فرماتی تھی جو عموماً تمام اہلِ اسلام سے قطعی دشوار ثابت ہوتی ہے۔ غرضکہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے علوم کی تکمیل جنابِ رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانۂ حیات میں تمام ہوچکی تھی۔ اور شریعت کی تعلیم۔ ارشاداتِ قرآن کی تفسیر۔ مسائلِ شرعیہ کا تصفیہ اور تمام دینی معاملات کا فیصلہ اُسی زمانہ میں امیر المؤمنین علیہ السّلام کے لیے تفویض ہوچکا تھا۔

جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السّلام نے بیس تیس برس تک رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں تعلیم پائی تھی۔ اتنے دنوں تک کی مدّت اور روزانہ صحبت ہر وقت و ہردم کی رفاقت۔ یہ سب چیزیں ایسی تھیں۔ جو جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السّلام کے کمال کو ایسی انتہادرجہ کی ترقیوں تک پہنچاتی ہیں جہاں مشکل سے انسان کی دسترس کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ سنہ ہجری میں جب خالد ابن ولید کی معاملات فتح مکّہ کے بعد پیش ہوئے تو اس تصفیہ کے لیے امیر المؤمنین علیہ السّلام ہی تمام صحابۂ کبار میں منتخب فرمائے گئے۔ اور انہیں کے محاسن لیاقت۔ اسلام کی صفائی اور بے قصوری ثابت کرنیکے لائق سمجھے گئے۔ واقعۂ کنیز میں بریدہ صحابی کی شکایت پر دربارِ رسالت سے انہی کا فیصلہ بحال رکھا گیا۔ یمن کے ترتیب معاملات کی ضرورت کو

وقت صحابہ میں کسی کی قابلیت اور ذاتی لیاقت پر اعتبار نہیں کیا گیا۔ اور آپ ہی یمن کے قاضی مقرر فرمائے گئے۔ اور اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ آپ ہی کی علمی لیاقت اور قابلیت کا تمغہ ٹھیرا۔ اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ثَبِّتْ لِسَانَہٗ کی دعا آپ ہی کے حق میں فرمائی۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے کمالِ علمی اور فیضانِ ہدایت نے یمن والوں پر وہ تاثیر کی کہ قبیلۂ بنی نجران کے تمام لوگ جو علم و شعور اور دانست میں قدیم سے مشہور تھے ایک بار مسلمان ہو گئے اور اُنکے بعد پھر اور قبیلے بھی۔ اِسی طرح کعب الاحبار جیسے سخت مخالفِ اسلام کا اس آسانی اور ملائمت سے اسلام کی بشارتوں کو قبول کر لینا اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی پُرتاثیر تقریر کو سُنکر فریفتہ ہو جانا اور ایمان لانا۔ آپکے کمال اور محاسن ذاتی کے معتبر ثبوت ہیں۔ اور یہ ایسی خصوصیات ہیں جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی ذات کے سوا اور کسی دوسرے سے علاقہ نہیں رکھتیں۔ یمن کے معاملات میں ذیل کا واقعہ آپکی قوتِ فیصلہ کا کامل ثبوت ہے۔

یمن کے لوگوں نے ایک گڑھا شکار کھیلنے کے لیے کھودا تھا۔ رات کو اُس میں ایک شیر آکر گر پڑا۔ صبح کو لوگ تماشے کے لیے اُس گڑھے پر جمع ہوئے۔ اُن آدمیوں میں سے ایک آدمی کا پاؤں لڑکھڑایا اور وہ اُس گڑھے میں جا رہا۔ اُس نے گرتے ہوئے دوسرے کو پکڑ لیا۔ دوسرے نے تیسرے کو۔ تیسرے نے یہ سمجھکر کہ مرگ انبوہ جشنے دارد۔ چوتھے کو تھاما۔ یہانتک کہ وہ چاروں کے چاروں اُس گڑھے میں گر گئے۔ شیر نے اُن سب کو مار ڈالا۔ ورثہ میں خونبہا کا جھگڑا پیش ہوا۔ عرب کا مُلک تھا۔ مشکل تو تھی ہی نہیں۔ قتال کی نوبت پہنچ گئی۔ علی مرتضےٰ علیہ السلام اِن دنوں وہیں تشریف رکھتے تھے۔ اُنہیں کشت و خون سے باز رکھنے کے لیے فرمایا کہ میں تمہارا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ جن لوگوں نے وہ گڑھا کھودا ہے اُن سب کو جمع کر کے خونبہا کا چہارم اور ثلث اور نصف اور ایک حصہ وصول کر لو۔ پہلے متوفے کے لیے ایک چہارم دیت دی جائے کہ اُسنے تین کو ہلاک کیا۔ اور دوسرے کی نسبت ایک ثلث کہ اُسنے دو کو ہلاک کیا۔ اور تیسرے کی نسبت نصف کہ اُس نے ایک کو ہلاک کیا۔ اور چوتھے کی نسبت پوری دیت دیجائے۔ جب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے بھی اِسی فیصلہ کو بحال اور قائم رکھا[1]۔

مسٹر جسٹس آنریبل سید امیر علی صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شے پر سوچنے۔ سمجھنے اور غور کرنیکا وقت آ گیا تھا۔ اور احکام نبوت کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ جس وقت جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم دنیا کو ان امور کی تعلیم دیتے تھے تو وہ ہیرو (جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام) طالبعلموں کے ایسا۔ اِن میں سے ہر ایک امر پر غور کرتا تھا۔ اُس معلم الاسلام نے آخر آگے چل کر اس کے فضائل میں کہدیا انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابھا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اُسکے دروازے ہیں۔ جسکو ہماری تعلیم کی پوری تصریح پانے کی خواہش ہو وہ اِس عالم کی باتوں کو سُنے اور اُسکی پیروی حاصل کرے۔ وفادار دوست۔ سچا ہیرو۔ خیر خواہ بھائی اور بیٹا۔

[1] ازالۃ الخفا المرتضےٰ ص ۱۳۸

اِن تمام خصوصیات کے ساتھ علی علیہ السّلام کے سوا اور کون ہے۔ جو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے مطلب (مدّعائے دل) سمجھنے کی لیاقت رکھتا ہو۔

صواعقِ محرقہ میں ابن حجرِ مکّی روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے امیر المؤمنین علیہ السّلام سے پوچھا کہ آپ اصحابِ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم میں سب سے زیادہ کیوں حدیث نقل فرماتے ہیں۔ تو آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا انی کنت سئلتہ انبانی واذا سکت ابتدانی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے حدیث کی تحصیل میں میری یہ کیفیت تھی کہ جب میں آپ سے کچھ پوچھتا تو آپ مجھے بتلا دیتے تھے اور جب میں چُپ ہو جاتا تھا اور خاموش بیٹھا رہتا تھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم خود ابتدا کرتے تھے۔

اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اِن کیفیتوں کو ایک خطبہ میں جو قاصعہ کے نام سے مشہور ہے لکھا ہے۔ اور بیان فرمایا ہے۔ ہم اسکو علّامہ میثم بحرانی کے ترجمہ سے ذیل میں ترجمہ کر کے لکھتے ہیں۔

ایہا الناس! میں جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی پیروی اس طرح کرتا تھا جیسے اونٹ کا بچّہ اپنی ماں کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ وہ ہر روز اپنے اخلاقِ کریمانہ سے ایک نشان آراستہ فرماتے تھے اور مجھ کو اُسکے نیچے کھڑا کر دیتے تھے۔ برابر کوہِ حرّا پر مقیم رہا کرتے تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ سوائے میرے کوئی دوسرا اُنکی خدمت میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور اگر گھر میں تشریف رکھتے تھے تو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا ہوتی تھیں یا میں۔ اور تیسرا کوئی نہیں۔ میں اسی طرح ایک مدّت تک اُنکے انوارِ رسالت کا مشاہدہ کرتا رہا۔ اور اُنسے بوئے نبوّت کو استشمام کرتا رہا۔

امیر المؤمنین علیہ السّلام کی اعلمیّت اور افضلیّت نے صحابۂ کبار کی تمام جماعت کو اپنا معترف بنا رکھا تھا اور ہر شخص آپ کے کمال اور جامعیّت کو مانے ہوئے تھا۔ عکرمہ۔ امام مالک کے اُستاد نے حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضؓ کی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت عمر نے امیر المؤمنین علیہ السّلام سے پوچھا کہ تمہارے سامنے جب مسائل پیش ہوتے ہیں تو تم بہت جلد جواب دیتے ہو۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے یہ سُنکر جواب تو نہیں دیا مگر اپنی پانچوں اُنگلیاں اُنکی آنکھوں کے سامنے رکھدیں اور پوچھا یہ کیا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ اُنگلیاں ہیں اور کیا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے جواب دیا کہ تم نے اِنکو کیسے جلد بتلا دیا؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر میں کیسے نہ کہوں۔ یہ سُنکر جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ہر مسئلہ کی میرے آگے یہی صورت ہے اور اُسکی کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

رجالِ مشکوٰۃ میں محدّث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے کمالِ علمی کی نسبت

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ قول تحریر فرمایا گیا ہے۔ علمی الی علم علیؑ کالقرارۃ فی المنجعر میرا علم
علی علیہ السلام کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا چھوٹا تالاب دریا کے آگے۔

ابوالمؤید خوارزمی نقل کرتے ہیں کہ ابوالدرداء جو صحابۂ کبار کے طبقۂ اولے میں ہیں۔ بہت
بڑے فقیہ اور مجتہد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ کہتے تھے کہ میرے عہد میں اسلام کے تین عالم ہیں۔ ایک کوفہ میں۔
ایک شام میں اور ایک مدینہ میں۔ شام کے عالم سے وہ اپنی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ کوفہ کے عالم سے عبداللہ
ابن مسعود کو مراد لیتے تھے اور مدینہ کے عالم سے اُن کی غرض امیرالمؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام تھی۔
پھر اتنا کہکر کہتے تھے فالذی بالشام یسئل الذی بالکوفۃ وھو یسئل عن الذی بالمدینۃ
وھو لا یسئل احد۔ شام کا عالم تو کوفہ والے سے پوچھ لیتا ہے اور کوفہ والا مدینہ والے سے پوچھ لیا کرتا ہے
مگر مدینہ والا ایسا ہے جسکو کسی سے بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ تھیں امیرالمؤمنین علیہ السلام کے کمالاتِ علمی کی چند توثیقیں جنکو میں نے تمہید کے طور پر درج
کردیا ہے۔ اب ہم آپ کے وہ عدیم المثال اور لاجواب خطبات ذیل میں درج کرتے ہیں جنکے حرف حرف اور
لفظ لفظ سے آپ کی عظیم الشان جامعیت اور قابلیت کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ اِن خطبات کے مطالعہ سے
معلوم ہوجائیگا کہ امیرالمؤمنین علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے اہلِ اسلام کو علوم مختلفہ کی کس طریقہ اور کس سہولت
سے تعلیم دینی چاہی اور یہی وہ ندرت ہے جسکی خصوصیت کا دعوےٰ ہم نے نہایت زوروں سے خلافت مرتضوی
کی نسبت کیا ہے۔ ہم سب سے پہلے علم الٰہیات کے متعلق آپ کا خطبہ نقل کرتے ہیں

علمِ الٰہیات

ما وحّدہ من کیّفہ ولا حقیقتہ اصاب من مثّلہ ولا ایّاہ عنی من شبّہہ ولا صمدہ من اشار الیہ وتوھّمہ و
کل معروف بنفسہ مصنوع وکل قائم فی سواہ معلول فاعل لا باضطراب آلۃ مقدّر لا بجول فکرۃ غنیّ لا باستفادۃ
لا تصحبہ الاوقات ولا ترفدہ الادوات سبق الاوقات کونہ والعدم وجودہ والابتداء ازلہ بتشعیرہ المشاعر عرف ان
لا مشعر لہ وبمضادتہ بین الامور عرف ان لا ضدّ لہ وبمقارنتہ بین الاشیاء عرف ان لا قرین لہ ضادّ النور بالظلمۃ والوضوح
بالبھمۃ والجمود بالبلل والحرور بالصرد مؤلف بین متعادیاتھا مقارن بین متبایناتھا مقرب بین متباعداتھا مفرق
بین متدانیاتھا لا یشتمل بحدّ ولا یحسب بعدّ وانما تحد الادوات انفسھا وتشیر الآلات الی
نظائرھا منعتھا منذ القدمیۃ وحمتھا قد الازلیۃ وجنبتھا لولا التکملۃ بھا تجلی صانعھا للعقول وبھا
امتنع عن نظر العیون لا یجری علیہ السکون والحرکۃ وکیف تجری علیہ ما ھو اجراہ ویعود فیہ
ما ھو ابداہ ویحدث فیہ ما ھو احدثہ اذاً لتفاوتت ذاتہ ولتجزّأ کنھہ ولامتنع من الازل معناہ
ولکان لہ وراء اذ وجد لہ امام ولالتمس التمام اذ لزمہ النقصان واذاً لقامت آیۃ المصنوع
فیہ ولتحول دلیلاً بعد ان کان مدلولاً علیہ وخرج بسلطان الامتناع من ان یؤثر فیہ ما یؤثر فی غیرہ الذی

لا يحول ولا يزول ولا يجوز عليه الافول لم يلد فيكون مولودا ولم يولد فيصير محدودا جل عن اتخاذ
الابناء وطهر عن ملامسة النساء لا تناله الاوهام فتقدره ولا تتوهمه الفطن فتصوره ولا تدركه الحواس فتحسه و
لا تلمسه الايدى فتمسه لا يتغير بحال ولا يتبدل بالاحوال ولا تبليه الليالى والايام ولا يغيره الضياء
والظلام ولا يوصف بشئ من الاجزاء ولا بالجوارح والاعضاء ولا بعرض من الاعراض ولا بالغيرية
والابعاض ولا يقال له حد ولا نهاية ولا انقطاع ولا غاية ولا ان الاشياء تحويه فتقله او تهويه او ان
شيئا تحمله فيميله او يعدله ليس فى الاشياء بوالج ولا عنها بخارج يخبر لا بلسان ولهوات ويسمع بلا خروق
وادوات يقول ولا يتلفظ ويحفظ ولا يتحفظ ويريد ولا يضمر يحب ويرضى من غير رقة ويبغض و
يغضب من غير مشقة يقول لما اراد كونه كن فيكون لا بصوت يقرع ولا بنداء يسمع وانما كلامه
سبحانه فعل منه انشأه ومثله لم يكن من قبل ذلك كائنا ولو كان قديما لكان الها ثانيا لا يقال كان
بعد ان لم يكن فتجرى عليه الصفات المحدثات ولا يكون بينها وبينه فصل ولا له عليها فضل فيستوى
الصانع والمصنوع ويتكافأ المبتدع والبديع خلق الخلائق على غير مثال خلا من غيره ولم يستعن
على خلقها باحد من خلقه وانشأ الارض فامسكها من غير اشتغال وارساها على غير قرار واقامها بغير
قوائم ورفعها بغير دعائم وحصنها من الاود والاعوجاج ومنعها من التهافت والانفراج ارسى اوتادها
وضرب اسدادها واستفاض عيونها وخد اوديتها فلم يهن ما بناه ولا ضعف ما قواه هو الظاهر عليها
بسلطانه وعظمته وهو الباطن لها بعلمه ومعرفته والعالى على كل شئ منها بجلاله وعزته لا يعجزه شئ منها
طلبه ولا يمتنع عليه فيغلبه ولا يفوته السريع منها فيسبقه ولا يحتاج الى ذى مال فيرزقه خضعت الاشياء
له وذلت مستكينة لعظمته لا تستطيع الهرب من سلطانه الى غيره فتمتنع من نفعه وضره ولا كفؤ له فيكافئه
ولا نظير له فيساويه هو المفنى لها بعد وجودها حتى يصير موجودها كمفقودها وليس فناء الدنيا بعد ابتداعها باعجب
من انشائها واختراعها وكيف ولو اجتمع جميع حيوانها من طيرها وبهائمها وما كان من مراحها وسائمها واصناف اسناخها و
اجناسها ومتبلدة اممها واكياسها على احداث بعوضة ما قدرت على احداثها ولا عرفت كيف السبيل الى ايجادها
ولتحيرت عقولها فى علم ذلك وتاهت وعجزت قواها وتناهت ورجعت خاسئة حسيرة عارفة
بانها مقهورة مقرة بالعجز عن انشائها مذعنة بالضعف عن افنائها وانه سبحانه يعود بعد فناء
الدنيا وحده لا شئ معه كما كان قبل ابتدائها كذلك يكون بعد فنائها بلا وقت ولا مكان ولا حين و لا
زمان عدمت عند ذلك الآجال والاوقات وزالت السنون والساعات فلا شئ الا الواحد القهار الذى اليه مصير
جميع الامور بلا قدرة منها كان ابتداء خلقها وبغير امتناع منها كان فناؤها ولو قدرت على الامتناع
دام بقاؤها لم يتكاءده صنع شئ منها اذ صنعه ولم يؤده منها خلق ما خلقه وبراه ولم يكونها
لتشديد سلطان ولا لخوف من زوال ونقصان ولا للاستعانة بها على ند مكاثر ولا للاحتراز بها من

ضدّ مثاور ولا للازدیاد بها فی ملکه ولا لمکاثرة شریکٍ فی شرکه ولا لوحشة کانت منه فاراد ان یستانس الیها ثم هو یفنیها بعد تکوینها لا لسأم دخل علیه فی تصریفها وتدبیرها ولا لراحة واصلة الیه ولا لثقل شئ منها علیه لم یملہ طول بقائها فیدعوه الی سرعة افنائها لکنه سبحانه دبرها بلطفه وامسکها بامره واتقنها بقدرته ثم یعیدها بعد الفناء من غیر حاجة منه الیها ولا استعانة بشئ منها علیها ولا لانصراف من حال وحشة الی حال استئناس ولا من حال جهل وعمی الی حال علم والتماس ولا من فقر وحاجة الی غنیٰ وکثرة ولا من ذل وضعة الی عز وقدرة۔

خدا کے واحد ہونے کے اوصاف کو اُس نے کبھی نہیں پہچانا جسنے اُسکی ذات کے لیے کوئی کیفیت اور شکل قائم کی کیونکہ یہ جسم کے خواص میں داخل ہے اور ہر جسم تقسیم اور جزو جزو ہونیکے قابل ہوتا ہے اور جس میں ایک سے دو ہونے کی صفت موجود ہو وہ کبھی واحد نہیں کہا جاسکتا۔ اور جس نے اُسکو دنیا کی کسی چیز سے تشبیہ دی تو اُسنے خدا کی تصدیق نہیں کی کیونکہ خدا کی مقدس ذات اپنی تشبیہ نہیں رکھتی۔ اور جس شخص نے اُسکی معرفت کی تحصیل میں کسی دنیاوی شے کی طرف مخصوص اشارہ کیا اور اپنے توہمات کو معرفت کی راہوں میں اختیار کیا تو حقیقت میں وہ خدا کی تقدیس اور تنزیہ تک نہ پہنچ سکا کیونکہ اشارات کے لیے مکان کی خصوصیت کی ضرورت ہے اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ کو مکان کی ضرورت نہیں۔

اشارات بالذات۔ اِس طرح کے توہمات میں ایک خاص طرح کی صورت پیدا کرنے کی پوری قدرت ہوتی ہی۔ اور خدا کے لیے کوئی صورت قائم نہیں کی جاسکتی۔ صورت کا قیام مخلوق پر منحصر ہے اور مخلوق اپنی ہی ذات تک قائم ہے۔ مخلوق مصنوع کہلاتے ہیں اور جو شے مصنوع ہوئی وہ ضرور اپنے صانع کی محتاج ہے۔ دنیا تمام مخلوق ہے اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ اُسکا خالق ہے۔ سوائے اُسکے تمام چیزیں اپنی حالتوں سے گر جانیوالی ہیں اور وہی انکا گرانیوالا ہی۔

مستغنی عن الحدوث۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے ان تمام چیزوں کو بغیر کسی آلہ یا استمداد کے بنایا ہے اور بغیر کسی فکر کے انکو اپنی قدرت میں رکھنے والا ہے۔ اور بغیر کسی احتیاج کے غنی ہے اور تمام چیزیں اُسی کی محتاج ہیں۔ وہ کسی چیز یا کسی شخص کا محتاج نہیں ہے سوقت اور زمانہ اُسکی ذاتِ پاک کے پاس نہیں آتا۔ اور وہ اپنے کام میں کسی آلہ یا استمداد کا محتاج نہیں۔ اُسکا وجود ہمیشہ عدم پر غالب۔ اور حدوث کو اُسکے وجود سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ وجود اُسکا تمام وقتوں سے پہلے ہے اور اُسکی ابتدا تمام ابتداؤں کی ابتدا میں واقع ہے۔ حیوانات کے پیدا کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُسکی ذات کو حواس کی مطلق ضرورت نہیں ہی کیونکہ جو شے حواس رکھیگی وہ جسم بھی ضرور رکھیگی۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک جسم دوسرے جسم کے بنانے اور اپنی اضداد طبیعت کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ معلوم ہوا کہ اُسکی ذات ضد سے پاک ہے۔ کیونکہ ضدین ایک دوسرے کے تعاقب میں رہتے ہیں۔ اور اِن میں سے ایک دوسرے میں حلول کر جانے اور سما جانے کی پوری قدرت رکھتا ہے جیسا کہ سفیدی اور سیاہی دونوں کو ایک ہی کپڑے پر قائم کر سکتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں اپنی ذات میں مطلق استقلال نہیں

رکھتیں۔ اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی ذات حلول سے پاک ہے۔ اُسکے قیام میں تغیّر اور تبدّل نہیں ہوسکتا۔

مبرّہ عن مماثلت ومشاکلت یا مشابہت۔ حواس کے پیدا کرنے سے اُسکا محتاج بہ حواس نہونا معلوم ہوا۔ اب دنیا کی چیزوں میں خود اُسی نے مشابہت اور مقاربت پیدا کی ہے۔ اِس سے یہ امر ہمکو ثابت ہوتا ہے کہ اُسکی ذات کے لیے قربت نہیں۔ کیونکہ قرین اپنے قرین سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور لازم اپنے ملزوم سے علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جوہر عرض سے ملا ہوا ہے اور عرض بغیر جوہر کے وجود میں نہیں آسکتا۔ کوئی باپ بغیر بیٹے کے باپ نہیں کہا جا سکتا اور کوئی بیٹا بغیر باپ کے بیٹا نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ہم ایسی ہی اُسکی ذات میں نزدیکیاں اور قرابتیں خیال کریں اور قائم کردیں تو لازم ہوگا کہ وہ اپنی قرابت اور نزدیکیوں کا محتاج ہو جائے۔ اور یہ خدائتعالےٰ کے وجود کے لیے سخت محال ہے۔

اتضادِ مخلوق سے فائدے۔ دیکھو خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے روشنی کو تاریکی کا۔ سپیدی کو سیاہی کا۔ رطوبت کو یبوست کا۔ حرارت کو برودت کا مخالف اور متضد بنایا۔ اربعات عناصر جو اپنے مزاجوں میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اُنکو آپس میں ملایا۔ اور اُنہی کے امتزاج اور موافقت سے جو حقیقت میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں (انسان کا) معتدل مزاج بنایا۔ اور اُنہی کے باہمی امتزاج اور موافقت سے پانی اور آگ کو اُس نے تمہیں ایک ہی جگہ کر دکھایا۔ خاک اور ہوا کو جو اِس میں ایک دوسرے کا صریح مخالف ہی۔ اکٹھا کر دکھایا اور پھر جب چاہتا ہے اِس موافقت سے اُس قدیم مخالفت کو بدل ڈالتا ہے اُسکی ذات کے لیے کوئی حد نہیں ہوسکتی۔ اور اُسکی عظمت کے لیے کوئی انتہا نہیں بتلائی جا سکتی۔ اُسکی ازلیت کا کوئی حساب اور شمار نہیں ہی مشابہت یا مماثلت اُسکے پردہائے جلال تک نہیں پہنچ سکتی۔ انسانی وجود اور اُسکی تمام قوتیں اُس کے امتیاز اور اندازۂ ذات سے عاجز ہیں۔ آلات اور استمدادِ انسانی اُسکے اشارۂ ذات سے قاصر ہیں۔ کیونکہ استمداد اور تصرفاتِ آلات اُسکے لیے ضروری کہے جا سکتے ہیں جو اُنکا محتاج ہوگا۔ اور انسان کے حواس اُسی کو جان سکینگے جو اُسکی احتیاج رکھتا ہوگا۔ کیونکہ ارباب آلات اور استمداد وہی کہلائینگے جو خدا کی ذات کے ماسوا ہیں اور ان الفاظ کے اطلاق اُنہی لوگوں پر ہونگے جن کو عام محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ 'اُس سے پھر فلاں وجود میں آیا' یا 'اس چیز کے ذریعہ سے پھر وہ چیز پیدا ہوئی'۔ پس اِس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی ذات کے سوا اور چیزیں جو ہیں وہ ہرگز قدیم نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ جو چیز قدیم ہے اُسکے لیے 'پھر' کا لفظ ضروری نہیں ہی۔ اور جو چیز کہ ازلی ہے اُسکے لیے 'اب' کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔ پس اُس سے پھر کا لفظ ارباب آلات کی قدامت کا مانع ہے۔ اور اب کا لفظ اصحابِ حواس کو ازلیت کی صفت سے باز رکھتا ہے۔ اِسی طرح۔ ان چیزوں کی نسبت تم ایسا کہہ سکتے ہو کہ 'اگر ایسا نہوتا تو ایسا ہوتا'۔ مثلاً تم ایک چیز کو دیکھکر یہ کہہ سکتے ہو کہ اگر یہ شے نہ ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ پس جس شخص نے خدا کی ذات میں ایسی چنیں وچناں کو جائز رکھا۔ اُس نے خدا کی ذات کو کامل نہ جانا اور اُسکی قدامت اور ازلیت سے کنارہ کیا۔

بیشک خدا کے بہت سے ایسے مشاہد اور مظاہر ہیں جنکے اظہار عقول انسانی پر کامل طور سے ہوجاتی ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو معلوم نہیں ہوتے۔ حواس اُسکی ذات قدیم تک نہیں پہنچ سکتے۔ حرکت اور سکون اُسکی ذات پر جاری نہیں ہو سکتے۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں ہونا اُس کی ذات کے لیے ممکن نہیں اور اُس میں وہ چیز نہیں سما سکتی جسے خود اُسنے بنایا ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں حادث ہیں اور حادث قدیم تک نہیں مل سکتا۔ اور اگر اُسکی قدیم ذات کے ساتھ حدوث لازم ہوتا تو اُس کی ذات میں تغیّر واقع ہوتا اور وہ ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جاتا۔ اور چونکہ یہ امور حدوث ذات کے لیے لازم ہیں اس لیے خدا کی ذات میں بھی حدوث قائم ہوتا۔

اِس کے علاوہ اُسکی ذات کے جز و جزو ہونا بھی اور ہر جزو کے لیے سکون اور حرکت ضروری ہے۔ اور جو چیز کہ ساکن اور متحرک بتائی جائیگی اُسکے لیے مکان بھی ضرور ہونا چاہیے۔ اور جب مکان ثابت ہوا تو پھر اُسکے لیے جسم بھی ضروری ہے۔ اور جب جسم ثابت ہو گیا تو اُسکے ٹکڑے۔ حصّے اور جزو سب ہو سکتے ہیں۔ اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی ذات کے لیے اِن باتوں کی وجہ سے پیش و پس بھی ضرور ہو جاتا۔ کیونکہ جو چیز متحرک ہوگی وہ جسم کہلائیگی اور ہر جسم کے واسطے پس و پیش ضرور ہے۔ اور انہی باتوں کے ساتھ کہ حق سبحانہ وتعالےٰ اپنے غیر سے اپنی تکمیل کی استدعا کرتا اور اپنے رفعِ نقصان یا حصولِ کمال کے لیے درخواست کرتا۔ کیونکہ حرکت کمال ہے اور سکون نقصان۔ پس اگر یہ دونوں چیزیں خدا کی ذات کے لیے جائز ہوتیں تو ضرور تھا کہ وہ سکون کے اوقات میں نقصان اُٹھانے والا ہوتا۔ اور حرکت کے وقت اپنے کمال کا خواستگار۔ اور یہ دونوں امر خدا کے لیے قطعی ناممکن۔ اِن باتوں سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ صانع میں اپنے مصنوع کی علامتیں ظاہر ہوتیں کیونکہ مصنوعات اپنے تبدیلِ احوال اور تغیّرِ اوضاع کے سبب اپنے صانع کے وجود کو جو اِن تغیّر و تبدّل کا باعث ہے۔ ثابت کرتے ہیں۔ پس اگر اُن کا صانع بھی حرکت اور سکون کی حالتوں سے موصوف بتلایا جائے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوجایا کرے تو ایسا صانع اپنے دوسرے صانع کے وجود پر دلالت کریگا۔ اور پھر صانع اور مصنوع میں کوئی فرق نہ رہیگا۔ بلکہ صانع میں مصنوع کی صفتیں آجائینگی۔ اور دلائل کنندہ دلیل کردہ سے برابر ہوجائیگا۔

پس خدائے سبحانہ وتعالےٰ وہی ہے کہ وجوبِ وجود اُسکی خاص صفت ہے اور تمام کمالات اُسی کے ساتھ ہیں۔ وہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اور کسی کام میں کسی سے وہ ہدایت نہیں لیتا۔ ایک حال سے دوسرے حال میں نہیں بدلتا۔ اور ایک وضع سے دوسری وضع پر منتقل نہیں ہوتا۔ تغیّر و تبدّل اُسکی ذات کے پاس نہیں جا سکتا۔ اقسام و اوضاع اُسکے پردہائے جلال کے نزدیک نہیں جا سکتے۔ اُسکا آفتابِ عظمت زوال کے عیب سے پاک ہے۔ اور اُسکا نیّرِ سلطنت علّتِ غروب سے محفوظ ہے۔ اُسنے کسی کو اپنے صلب یا اپنے بطن سے پیدا نہیں کیا تاکہ ولادت کی صفت اُس کے لیے ضرور ہوجاتی۔ اور وہ کسی چیز سے باہم نہیں ہوا کہ اُسکے لیے حد اور اندازہ خیال کیا جائے۔ کیونکہ جس چیز سے کوئی نتیجہ نکالا جائے تو اُس نتیجہ کو اُس چیز کے ساتھ

مشابہت اور جنسیّت ضرور ہو جاتی ہے اور جو چیز کہ جنسیت کے قابل ہے اُس میں ولادت کی صفت ضرور پائی جائیگی۔ اور چونکہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی ذات میں مشابہت اور جنسیت قائم نہیں ہو سکتی اِس لیے تولید کی صفت اُس کی ذات کے شایاں نہیں۔

پس اِس سے زیادہ بزرگ ہے کہ کوئی اُسکا بیٹا ہو اور اِس سے زیادہ پاک و صاف ہے کہ زوجیت یا معاشرتِ نسوانی کا خواہشمند ہو کسی کی تیزیِ اوہام اُس تک نہیں پہنچ سکتی کہ اُسکی عظمت کا اندازہ کیا جائے اور کسی کی تیزیِ عقل اُسکی صفاتِ بےمثال سے نہیں مل سکتی کہ اُسکی عظمت و جلال کا تصوّر کیا جائے۔ اُسکی راہوں میں حواسِ انسانی کو کوئی دخل نہیں ہے کہ اُسکی ذات کا احساس ہو سکے۔ ہاتھ اُس تک نہیں پہنچ سکتے کہ اُسکا احساس ہو سکے کسی وقت اور کسی زمانہ میں اُسکا تغیّر اور تبدّل نہیں ہو سکتا۔ اُسکی ذاتِ مقدّس کے لیے رات دن کے گزرنے سے فرسودگی نہیں ہوتی۔ اور کسی روشنی اور تاریکی سے اُسکے حال میں تغیّر نہیں ہوتا۔ اُسکی ذاتِ مقدّس کے لیے کوئی جزو قائم نہیں ہو سکتے۔ اُسکے خاص اعضا قائم کرکے اُسکی تعریف نہیں کرنا چاہیے۔ اُسکی ذات کے لیے کوئی چوڑائی قائم نہیں ہو سکتی۔ اور وہ تقسیم نہیں کی جا سکتی۔ اُسکی ذاتِ قدیم کے لیے کوئی حد اور غایت نہیں بتلائی جا سکتی۔ کسی اور موجود نے اُسکی ذات سے ہمسری نہیں کی یا اُسکو اپنے اوپر کر لیا ہو یا نیچے گرا دیا ہو اور کسی چیز نے اُس کو ایسا نہیں تھاما ہے کہ اُسکو سیدھا کرے یا کج۔ وہ دنیا میں داخل ہے اور نہ خارج اور نہ اُسکے ساتھ یکساں۔ وہ سُنتا ہے لیکن کان یا کان کے سوراخ کا محتاج نہیں۔ وہ متکلّم ہے لیکن زبان کی احتیاج نہیں رکھتا۔ لیکن تاہم سُنتا بھی ہے اور کہتا بھی ہے۔ مگر اُس کے قول سے تلفّظ مراد لینا نہیں چاہیے۔ دیکھو ہمارے شارع علیہ السّلام نے اُسکے حق میں قول اور ارادہ کے استعمال کی اجازت دی ہے اور تلفّظ کے لیے سخت ممانعت فرمائی ہے۔ وہ تمام چیزوں کا محافظ ہے مگر خود کسی کی حفاظت کا محتاج نہیں۔ دوستی اور رضا۔ دونوں اُسکے اوصاف میں داخل ہیں۔ غیظ و غضب بھی اُسکی صفات میں موجود ہیں جس چیز کو وہ چاہتا ہے بغیر کسی محنت کے پیدا کرتا ہے۔ اُسکے لیے آواز ضروری نہیں ہے کہ ہوا اُسکو حرکت دے اور اُس کو ندا کی صورت میں لا کر کان تک پہنچائے۔ اور کان اُسکو سُن لے۔ اُس کا کوئی خاص لفظ یا کلام نہیں ہے مگر اُسکا فعل البتہ ہے کہ وہ انسان کے جسم میں متحرک ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور ایک آواز پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ کلام (انسانی جسم میں آکر) حادث ہو گیا۔ قدیم نہیں رہا۔ کیونکہ اگر قدیم ہوتا تو پھر اُس کا بھی کوئی قدیم ہوتا۔ تو یہ تعدد قدما کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا۔

خدا کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پہلے کوئی نہیں تھا۔ اُسکے بعد خدا پیدا ہوا۔ اور اُسکا وجود عدم پر منحصر ہوا کیونکہ اگر یہ کہا جائیگا تو پھر اُسکے لیے بھی حدوثِ ذات لازم آجائیگا۔ اور پھر اُس میں اور دوسرے ممکنات میں کوئی فرق یا امتیاز باقی نہیں رہیگا۔ اور پھر اُسکو کوئی فضیلت یا ترجیح مخلوقات پر لازم نہیں آئیگی صانع اور مصنوع یکساں ہو جائینگے۔

اُسنے دنیا کو بلاواسطہ اور بلا سابقہ کے پیدا کیا اور چیزوں کے پیدا کرنے میں اُسنے کسی سے ہدایت نہیں پائی۔ بخلاف اور موجودات کے کہ جبتک کہ وہ کسی شے کا اندازہ نہیں کر لیتے اور اُسپر رائے قائم نہیں کر لیتے اُسکو کبھی اختیار نہیں کرتے اور اپنے کسی کام کو بغیر اصلاح اور استعانت کے نہیں کر سکتے۔ زمین کو اُسنے بغیر اِسکے کہ وہ کسی چیز پر قائم ہو پیدا کیا۔ اور اُسکے قیام کے لیے کسی ستون کو نہیں بنایا کہ وہ اُسکو تھامے رہے۔ اُسکے قیام کو کجی اور ٹیڑھے ہونے سے بچایا اور اُسکے گر جانے یا اُس میں سوراخ پیدا ہو جانے سے اُسکی حفاظت کی۔ پہاڑوں کی میخوں سے اُسکی سطح کو مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ دریاؤں کو اُنپر ظاہر کر دیا اور شہروں کو اُسپر پیدا کر دیا۔ ہر چیز کہ اُسنے پیدا کی اُس کے پیدا کرنے کے بعد اُس میں کوئی نقص نہیں چھوڑا۔ اور جن چیزوں کو اُسنے استحکام بخشا پھر اُس میں ضعف نہیں آیا۔ جیسے خدائے سبحانہ وتعالےٰ اپنی سلطنت اور ہیبت کے اعتبار سے سب چیزوں پر غالب ہے وہ اپنے علم و معرفت کی وجہ سے ہر چیز پر دانا اور قادر ہے۔ وہ اپنی عزت و جلال کی وجہ سے تمام موجودات سے عالی ہے۔ اور اپنی کمال سطوت کی رو سے تمام ممکنات پر حاکم ہے۔ کوئی چیز اُسکو عاجز نہیں کر سکتی۔ اور نہ کسی کا حکم اُسکے حکم پر غالب آسکتا ہے۔ جس کو وہ طلب کرتا ہے ممکن نہیں کہ وہ اُس کے حکمِ قضا سے باہر جا سکے۔ اور جسکے لیے وہ حکم کر چکا پھر وہ اُس سے بھاگ نہیں سکتا۔

وہی تمام مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے اور روزی رسانی میں وہ کسی مالدار کا محتاج نہیں ہے۔ تمام موجودات نے اُسکے احکام کے سامنے اپنی طاعت کی گردنیں جھکا دی ہیں اور ناک۔ تمام مخلوقات اُس کی عظمت و جلال کے آگے عاجز اور منت و زاری سے آتی ہیں۔ اُسکی سطوت اور قہر سے کسی طرح کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اور اُسکے قہر و لطف سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا۔ وہ تمام اشیاء کو وجود کے بعد فانی کر دیتا ہے اور جس طرح کہ عدم کے پردوں سے باہر لاتا ہے اسی طرح وجود کے بعد معدوم کر دیتا ہے۔

اُس کے کمال عظمت اور کمال قدرت میں کیا شک اور گمان کیا جا سکتا ہے اور حال یہ ہے کہ اگر تمام حیوانات جمع ہوں اور تمام وحوش و طیور اکٹھے ہوں اور انسان کی قسموں میں سے بھی ہر قسم کے لوگ ذی عقل۔ کُند فہم اور اسی طرح حیوانات کی اقسام سے چارپائے وغیرہ سب موجود ہوں اور اُن میں سے کوئی علٰحدہ نہ ہو۔ اور کوئی جانور اہلی یا وحشی آپس میں جُدا نہ ہو۔ اور یہ تمام جماعت کی جماعت اپنے آپس کے اتفاق سے یہ ارادہ کرلیں کہ ہم ایک مچھر کو بھی پیدا کر لیں تو ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ اور کوئی راہ اُس کی خلقت کے لیے نہیں پیدا کر سکتے۔ تمام مخلوقات کی عقلیں اُس کے بنانے میں حیران رہجائینگی۔ اور تمام انسان کی قوتیں اُسکے پیدا کرنے سے عاجز ہو جائینگی۔ اُنکو اپنی کوششوں میں سوائے حسرت اور ندامت کے کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے اِسکے کہ اپنی عاجزی اور مجبوری کا اقرار کریں اور حقیقت یہ ہے کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ کے خلق کرنیکے قبل اپنی ذاتِ واحد کے ساتھ موجود تھا۔ اور جس طرح فطرت اشیائے موجودہ میں اور اپنی کوئی نظیر اور مثال نہیں رکھتا تھا اُسی طرح تمام موجودات کے فنا ہونیکے بعد بھی اُسی حالت میں اور اُنہی اوصاف کے ساتھ قائم رہیگا۔ اور کوئی وقت اور

کوئی زمانہ اُسکی ذاتِ پاک کے ساتھ نہیں رہیگا۔ اور کوئی مکان اور مقام اُسکے لیے ضرور نہ ہوگا۔ وقت اور وقت کی گھڑیاں گزر جائینگی اور یہ ماہ و سال کے زمانے تمام ہو جائینگے۔ کوسِ لمن الملک کی صدا پیدا ہوگی۔ اور سوائے اُس قہار کے کوئی دوسرا باقی نہیں رہیگا۔ سب چیزیں پھر اُسی کی طرف رجوع کرینگی اور اپنے دریافت احوال کی غرض سے سب اُس کے پاس جمع ہونگے اور جس طرح ہر شخص کی ابتدا میں اُس نے بے اختیار اُسکے۔ اُسکو عدم سے وجود میں پیدا کیا اُسی طرح بغیر احتیاج کے وہ اُنکو وجود سے پھر عدم کی حالتوں میں لائیگا۔ اور اگر مخلوقات میں اتنی قدرت ہوتی کہ جو اپنی ذات کو فنا اور زوال سے روک لیں اور اپنے وجود کو عدم سے بدلدیں تو بیشک اُنکی بقا کو دوام کی صفت حاصل ہوتی۔ اور پھر کوئی چیز فنا نہیں ہوتی۔ کسی چیز کا پیدا کرنا اُسکی قدرت کے لیے دشوار نہیں ہوتا اور کسی کی شکل بنانا اُسکی مشیت پر گراں نہیں گزرتا۔

اُس نے دُنیا کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ اپنی سلطنت کو اُن سے مستحکم کرے یا اُنکے وسیلہ سے وہ اپنی بادشاہی کو زوال اور نقصان کے صدمات سے محفوظ رکھّے۔ یا اُنکے ذریعہ سے وہ اپنے مقابل لوگوں پر زور ڈالے۔ اور اِس امر میں اپنی مخلوقات سے استعانت لے۔ یا اپنے کسی قوی دشمن کے خوف سے اِن لوگوں میں آکر پناہ لے یا انکی وجہ سے اپنی مملکت میں وسعت دے۔ یا اپنے انتظام اور بندوبست میں شریک اور معین پیدا کرے۔ اور اُنکی شرکت پر فخر و مباہات کرے۔ یا اپنی وحشت اور تنہائی سے گھبرا کر اپنے لیے کسی کو مصاحب کسی کو اپنا مونس تجویز کرے یا کسی موجودات کو ملال اور بغض کی وجہ سے دو مرتبہ مار ڈالے۔ یا اُن کی تدابیر اور نظام سے عاجز آئے۔ یا دنیا کو فانی کردینے سے کوئی اُسکو مجبوری لازم آئے۔ یا اِس سبب سے اُس کو کسی قسم کا نقصان یا تاوان ہوتا ہو۔ یا دنیا کے طولِ بقا سے اُسکو کوئی ملال حاصل ہوتا ہو۔ بلکہ حق سبحانہ و تعالےٰ نے تمام دنیا کو اپنی حکمت اور قدرت سے پیدا کیا اور اپنے احکام میں اُسکی نگرانی مقرر فرمائی اور اپنے لطفِ خاص سے اُسکو قائم رکھّا۔ اِسکے بعد اپنے قہر سے اُن سب کو محو کردیا اور موجود کو محض نابود کردیا۔ دوسری مرتبہ پھر فنا کے بعد اُسنے سب مُردوں کو زندہ کیا۔ سوائے اسکے کہ اُسکو دنیا کے پھر زندہ کرنیکی کوئی خاص ضرورت لاحق ہوئی ہو اور بغیر اِس کے کہ کسی دوسرے کو اُسکے پیدا کرنے میں اپنا معین و ناصر کرلیا ہو۔ اور بغیر اِسکے کہ اُنکی وجہ سے اُسنے اپنی تنہائی اور وحشت کو اُنس اور رفاقت کی حالتوں سے مبدّل کردیا۔ یا یہ کہ دنیا کی فنا کے بعد کوئی تاریکی اُسپر طاری ہو اور اب اُسکی یہ خواہش ہو کہ وہ اپنے علم سے اُسکو تبدیل کردے۔ یا ایسا نہیں کہ محتاجی اور مفلسی اُس کے عائد حال ہو اور وہ دنیا کے مہیّا کردینے سے یہ قصد کرتا ہو کہ میں اس وجہ سے مالدار اور غنی ہو جاؤنگا۔ یا ایسا نہیں کہ اُسکے لیے کوئی ذلّت یا ادبار لازم ہوا ہو جسکے بعد ان ارادوں سے وہ عزّت اور رفعت بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہو۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے کثیر التعداد خطبوں میں سے یہ ایک مختصر سا خطبہ ہے جسکے ترجمہ کو میں نے اُسکی پوری تشریح کے ساتھ درج کیا ہے۔ اگر اسکو غور سے پڑھا جائے اور اس کے تمام مقاصد و

مطالب پر نگاہ ڈالی جائے تو ہم پورے طور سے یقین کرتے ہیں کہ پھر کسی کو خدا کی معرفت۔ اُسکے وجود اُسکی ازلیت اور تمام اوصاف کی تحقیقات میں نہ کسی اصول کی کتاب پڑھنے کی ضرورت باقی رہیگی اور نہ کسی عالم سے استفسار کی حاجت۔ نہ کسی مرشدِ کامل سے فیض پانے اور استفادہ حاصل کرنیکی حاجت باقی رہیگی اور نہ کسی فلسفی سے بحثنے اور اُلجھنے کی ضرورت۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے کمالِ علمی اور جامعیّت نے اِس خطبہ میں الٰہیات کے اور دوسرے مطالب کے سوا صرف معرفتِ خدا۔ اُسکے واجب الوجود۔ قدیم۔ قادرِ مطلق۔ مقدّس۔ منزّہ۔ مبرّہ عن الحدوث وغیرہ وغیرہ کی تشریح اِس خوبی اور وقعت کے ساتھ بیان کی ہے کہ اُسکی مثال پھر کسی متقدّمین اور متاخّرین کی اعلےٰ سے اعلےٰ تالیفوں میں نہیں پائی جاتی۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے خدا کے وجود قائم کرنے اور اُسکے واحد ثابت کرنے میں اپنی قوم کو وہی ہدایتیں فرمائی ہیں جو ابراہیم۔ عیسےٰ اور محمد علیہم السّلام نے مناصبِ رسالت پر مبعوث ہوکر اپنی قوم کو اور اپنی امت کو بشارتیں پہنچائی تھیں۔ ان ہدایتوں کے سوا اگر ان خطبات کے لٹریچر (زبان) کی خوبیوں پر نگاہ ڈالی جائے اور عربی کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ کیا جائے جس کے لیے عرب کے لوگ قدیم سے مشہور چلے آتے تھے تو صرف اِس خطبہ کی عبارت۔ مضامین کی ترتیب وترکیبِ الفاظ کی سلاست اور مناسبت بتلادیگی کہ ہماری مثال اور نظیر پیدا کرنا دشوار ہے۔

اِن امور کے علاوہ۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی تقریری قوّت اور طلاقت سب سے زیادہ قابلِ تعریف ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق حاضرین کی معتدبہ جماعت میں ایک مضمون کو بغیر پہلے سے سمجھے سوچے اور تجویز کیے معرفتِ خدا اور اثباتِ وجود کے ایسے سخت اور دشوار مسائل کے مضامین کو دفعتاً سلسلہ وار بیان کرنا اور پھر اُس کی اندرونی اور بیرونی دلیلوں کو تشفّی اور اطمینان کے درجوں تک پہنچانا اور اُنکے تمام باریک اور پوشیدہ نکات کی پوری تشریح کرنا۔ انسان کی گویائی اور طلاقت سے قطعی ناممکن ہے۔

اِس وقت بھی بڑے بڑے علماء ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں کہ وہ کسی مسئلہ کی تصریح اور توضیح کرنیکے لیے جب تیار ہوتے ہیں تو وہ قبل سے اپنے مطالب اور مقاصد کی ایک فہرست ایسی مرتّب کر لیتے ہیں جو اُنکی توضیح مطالب کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اور پھر اپنے سلسلۂ بیان کو اُسی فہرست کے مطابق اپنی تقریر کے خاتمہ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ تو اُن کی صورت ہے جو زمانۂ حال میں اعلےٰ سے اعلےٰ اور شاہی علمی سوسائیٹیوں کے فیلوز ہیں۔

اِن سے کم درجہ والے کی جماعت تو ایسے اوقات میں جلسہ کی تاریخ سے مہینوں پہلے اپنے مضامین پر پورے غور اور شبانہ روز کی فکریں صرف کرتے ہیں اور ہر ایک مسئلہ کو ادائے مطلب۔ درستی

مضامین۔ ترکیب الفاظ۔ غرض جو جو باتیں اُنکو اپنے کمال کے اظہار میں منظور ہوتی ہیں۔ نہایت اطمینان اور دلجمعی سے لکھکر تیار رکھتے ہیں اور اس جلسہ میں جیب سے بہ آسانی نکالکر سامعین کے سامنے پڑھتے ہیں اُس وقت اُن کو سوائے زبان سے کام لینے کے اور کوئی قوت صرف کرنی نہیں ہوتی۔

مگر اُنکے خلاف اگر عرب کے اس خطیب ربانی کی طاقتِ لسانی اور فصاحت و بلاغتِ لاثانی اور اُسکی دماغی قوتوں کا اندازہ کیا جائے تو آسانی سے سمجھ لیا جائیگا کہ اس مقدس خطیب کو اپنے خطبہ سنانے کے وقت ایک ہی حالت اور ایک ہی وقت میں اپنی کئی قوتوں سے کام لینا ہوتا ہوگا۔ وہ اپنی ایک زبان سے تقریر کا کام بھی لیتا ہوگا اور التزام لفظ اور سلسلۂ مضامین اور ترکیب عبارت کا بھی خیال رکھتا ہوگا اور پھر ادائے مطلب کا بھی۔ اب زبان سے قطع نظر کرکے اُسکی دماغی محنتوں کی طرف غور کرو تو اُس کو اُس کی زبان سے بھی زیادہ اعلےٰ محنت کرتا ہوا پاؤ گے۔ وہ مضامین کی ضروری اور غیر ضروری اقسام کو بھی دیکھتا ہوگا۔ اُنکے پر اثر اور بے اثر ہونے پر بھی غور کرتا ہوگا۔ اُس کو حاضرین کی تشفی اور دلچسپی بھی منظور ہوگی۔ اور ان سب کے ساتھ ادائے مطالب اور مدعائے دلی کے بخوبی تشفی بخش اظہار کا بھی خیال کرتا ہوگا اور یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ ان تمام کوششوں کے پورا کرنیکے لیے وہ ایک منٹ بھی پہلے تیار نہیں ہے۔ قبل اس کے کہ اُس نے اپنے قدم سے خانۂ خدا کے مقدس منبر کو زینت بخشی ہے کچھ بھی اسکی نسبت نہیں سوچ لیا ہے۔ مگر تاہم وہ ایسی حالت میں بھی اپنے کمالِ علمی اور خداداد استعداد کے اظہار میں ایسی عالی دماغی اور حسن تقریر سے کام لے رہا ہے جسکی مثال نہ اُس زمانہ میں پائی جاتی تھی اور نہ زمانۂ حال استقبال میں پیدا کی جاسکتی ہے۔ انہی وجہوں سے ہم سے سات سو برس پہلے فاضل معتزلی نے اس خطبہ کی شرح کرتے وقت اسکے عنوان پر یہ عبارت لکھدی ہے وھٰذہ الخطبۃ من اصول العلوم مما لا یجمعہ خطبہ غیرھا۔ اور اُس کو اپنے تمام مطالب و مقاصد میں ایسا ہی بے مثال اور بے نظیر ثابت کردیا ہے جیسے اسکی عبارت اور مضامین سے خود ثابت ہے۔

سیرت انبیائے مرسلین اور ارکان حج کی مصلحتیں

فاعتبروا بما اصاب الامم المستکبرین من قبلکم من باس اللہ وصولاتہ ووقائعہ ومثلاتہ واتعظوا بمثاوی خدودھم ومصارع جنوبھم واستعیذوا باللہ من لواقح الکبر کما تستعیذونہ من طوارق الدھر فلو رخص اللہ فی الکبر لاحد من عبادہ لرخص فیہ لخاصۃ انبیائہ ولکنہ سبحانہ کرہ الیھم التکابر ورضی لھم التواضع فالصقوا بالارض خدودھم وعفروا فی التراب وجوھھم وخفضوا اجنحتھم للمؤمنین وکانوا اقواما مستضعفین قد اختبرھم اللہ بالمخمصۃ وابتلاھم بالمجھدۃ وامتحنھم بالمخاوف ومخضھم بالمکارہ فلا تعتبروا الرضا والسخط بالمال والولد جھلا بمواقع الفتنۃ والاختبار فی مواضع الغنی والاقتدار

وقد قال الله سبحانه وتعالیٰ ایحسبون انّما نمدّهم به من مال وبنین نسارع لهم فی الخیرات بل لا یشعرون فان الله سبحانه یختبر عباده المستکبرین فی انفسهم باولیائه المستضعفین فی اعینهم ولقد دخل موسی ابن عمران ومعه اخوه هارون علیهما السّلام علی فرعون وعلیهما مدارع الصوف وبایدیهما العِصِیُّ فشرطا له ان اسلم بقاء ملکه ودوام عزّه فقال لا تعجبون من هٰذین یشرطان لی دوام العزّ وبقاء الملک وهما بما ترون من حال الفقر والذل فهلا القی علیهما اساور من ذهب اعظاماً للذهب وجمعه واحتقاراً للصوف ولبسه ولو اراد الله سبحانه بانبیائه حیث بعثهم ان یفتح لهم کنوز الذّهبان ومعادن العقیان ومغارس الجنان وان یحشر معهم طیر السّماء ووحوش الارض لفعل ولو فعل لسقط البلاء وبطل الجزاء واضمحلت الانباء ولما وجب للقابلین اجور المبتلین ولا استحق المؤمنون ثواب المحسنین ولا لزمت الاسماء معانیها ولکن الله سبحانه جعل رسله اولی قوة فی عزائمهم وضَعَفَةً فیما تری الاعین من حالاتهم مع قناعة تملأ القلوب والعیون غنًی وخصاصة تملأ الابصار والاسماع اذی ولو کانت الانبیاء اهل قوةٍ لا ترام وعزّة لا تضام وملک تمتدّ نحوه اعناق الرّجال وتشد الیه عُقَدُ الرّحال لکان ذٰلک اهون علی الخلق فی الاعتبار وابعد لهم فی الاستکبار ولآمنوا عن رهبةٍ قاهرة لهم او رغبة مائلة بهم فکانت النّیات مشترکة والحسنات مقتسمة ولکن الله سبحانه اراد ان یکون الاتباع لرسله والتّصدیق بکتبه والخشوع لوجهه والاستکانة لامره والاستسلام لطاعته اموراً له خاصةً لا یشوبها من غیرها شائبه وکلما کانت البلوی والاختبار اعظم کانت المثوبة والجزاء اجزل الا ترون ان الله سبحانه اختبر الاوّلین من لدن اٰدم علیه السّلام الی اٰخرین من هٰذا العالم باحجارٍ لا تضرّ ولا تنفع ولا تبصر ولا تسمع فجعلها بیته الحرام الّذی جعله للناس قیاماً ثم وضعه باوعر بقاع الارض حجراً واقل نتائق الدنیا مدراً واضیق بطون الاودیة قطراً بین جبال خشنة ورمال دمثة وعیون وشلة وقریً منقطعة لا یزکو بها خف ولا حافر ولا ظلف ثم امر اٰدمؑ وولده ان یثنوا اعطافهم نحوه فصار مثابة لمنتجع اسفارهم وغایة لملقی رحالهم تهوی الیه ثمار الافئدة من مفاوز قفار سحیقة ومهاوی فجاج عمیقة وجزائر بحار منقطعة حتّی یهزّوا مناکبهم ذللاً یهللون لله حوله ویرملون علی اقدامهم شعثاً غبراً له قد نبذوا السرابیل وراء ظهورهم وشوّهوا باعفاء الشعور محاسن خلقهم ابتلاءً عظیماً وامتحاناً شدیداً۔

امم سابقہ کے حالت سے جو اُنھیں اُنکے غرور ونخوت کے ہاتھوں پہنچا۔ عبرت حاصل کرو۔ اور اُنپر جو زمانہ سابق میں بسبب اُنکی خودبینی کے عذاب خدا نازل ہوا۔ اُنکے رخسارے زمین پر رگڑے گئے اور اُنکے پہلو خاک

کے سپرد کیے گئے۔ پناہ مانگو جس طرح تم نے خدائے عزّ وجل سے تکبّر اور خود پسندی کے لیے پناہ مانگی اُسی طرح اُس سے آفات اور بلیّات کے واسطے پناہ مانگو۔ اگر خدائے سبحانہ وتعالےٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو تکبّر کی اجازت دیتا تو سب سے پہلے وہ انبیا علیہم السّلام ہوتے۔ مگر اُسنے انبیاء علیہم السّلام کو عجز و انکسار کا حکم دیا اور تکبّر سے منع کیا۔ اُن حضرات نے اپنے رخسارے زمین پر رکھّے اور اپنے مُنہ خاک پر دھرے اور مؤمنین کے لیے اپنے ہاتھ کشادہ کردیے۔ اور اپنی عاجزی اور انکساری کی اُن سے پوری داد لے لی انبیا علیہم السّلام ایسے لوگ تھے جو دنیا کے اور لوگوں میں عجز و انکسار کے اوصاف کے ساتھ مخصوص اور موصوف ہوتے ہیں اور عسرت و ناداری میں معروف حق سبحانہ وتعالےٰ نے اُنکی آزمائش سخت بھوک اور خشک سالی کی حالتوں میں فرمائی اور سخت سے سخت مصیبتوں میں اُنکے امتحان لیے۔ خوف اور خطرے کے اکثر مقامات اور اکثر اوقات میں مبتلا کیا اور سخت سے سخت شدائد میں اُنکو جانچا۔ پس تم لوگ خدا کی رضامندی کو دنیا کے رکھنے اور نہ رکھنے پر نہ قیاس کرو۔ اور جس کو دنیا میں مال و دولت اور زن و فرزند کثرت سے ہوں اُسکو رضائے الٰہی کا باعث نہ سمجھو۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کا امتحان اُس کے دنیاوی تعلقات زیادہ کرکے لیتا ہے اور دنیاوی فتنہ و فساد میں اُنکی عبدیت کو آزماتا ہے اور جس طرح اُسنے اپنی نعمتوں کی حالتوں کو اپنے امتحان کی وجہ قرار دی۔ اُسی طرح ناداری اور محتاجی کی کیفیتوں کو بھی اپنی آزمائش کا باعث ٹھیرایا ہے۔ اِن حالتوں میں وہ اُنکے صبر و سکون پر نظر کرتا ہے اور ایسا آدمی جو خدا کی آزمائش کے اوقات سے غافل ہے وہ دنیا کی نعمتوں کو خدا کی رضا پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اِس معنی میں بیشک وہ خطا سے مِل جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے ایحسبون انّما نمدّھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون۔ پس خدائے سبحانہ وتعالےٰ اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے کہ وہ خود بینی اور تکبّر حاصل نہ کرسکیں اور اپنے دوستوں کو اُنکی ناداری اور محتاجی کی حالتوں میں ذلیل اور حقیر نہ سمجھیں تاکہ عذابِ الٰہی کے مستحق نہ ہوں۔ دیکھو۔ جنابِ موسےٰ ابنِ عمران علیہ السّلام اپنے بھائی ہارون علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کے ساتھ فرعون کے پاس گئے تو موٹے موٹے نمدوں کی عبائیں پہنے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں عصا لیے تھے۔ اُنہوں نے فرعون سے شرط کی تھی کہ اگر تم اسلام قبول کروگے تو تمہاری سلطنت بھی رہیگی اور اُسپر کوئی زوال نہیں آئیگا۔ فرعون کو اُنکی یہ تقریریں سُنکر نہایت تعجّب ہوا اور وہ حاضرین کو مخاطب کرکے کہنے لگا کہ کیا تم اِن دونوں شرط کرنیوالوں پر تعجب نہیں کرتے کہ یہ اپنے فقر و فاقہ کی حالتوں میں خود ایسے گرفتار ہیں کہ اپنے حالوں کی اصلاح آپ نہیں کرسکتے تو ہمارے دوامِ دولت اور بقائے سلطنت کے لیے کیا کوشش کرینگے۔ اگر حقیقت میں یہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہوتے تو دستانہائے رنگین اور جامہائے زریں پہنے ہوتے۔ فرعون نے یہ اِس لیے کہا تھا کہ وہ خود روپیہ کو عزیز رکھتا تھا۔ اِسی وجہ سے

موٹے کپڑے، اُسکی آنکھوں میں ذلیل معلوم ہوئے۔ اگر حق سبحانہ و تعالےٰ اپنے انبیاء علیہم السّلام کو دنیا
میں بھیجنے کے وقت امارت کی خواہش کرتا تو اُن کے ساتھ سونے اور چاندی کی کانیں ہمراہ کر دیتا۔ اور
شجارِ بہشت ساتھ کر دیتا۔ آسمان و زمین کے وحوش و طیور کو اُنکی خدمت میں روانہ کر دیتا اور حقیقت میں
وہ اِن باتوں کو اپنی قوّت سے کر سکتا تھا اور اگر وہ ایسا کرتا تو یہ امتحان اُن سے اُٹھ جاتے اور نیک و بد کی
جزا و سزا جھوٹی ہو جاتی۔ اور انبیا کی نبوّت کی تصدیق اور اُنکی جزا جسکا وعدہ خدا نے کیا ہے اُنسے جو
ایمان لائے موقوف ہو جاتا۔ اور وہ تمام ثواب جو اسلام کی وجہ سے تمام اہلِ اسلام کو حاصل ہونیوالا
ہے جاتا رہتا۔ بلکہ دنیا میں مسلمین اور مؤمنین کی صورت نہیں دکھلائی دیتی۔ اور پھر کوئی شخص
اسلام کے اوصاف سے موصوف نہ ہوتا۔ کیونکہ وہی لوگ جو دل سے اسلام لائے ہیں وہ البتہ
مسلمین کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن حق سبحانہ و تعالےٰ نے (ان باتوں کی جگہ) اپنے انبیا علیہم السّلام کو ہمتیں
قوی اور ارادے مستقل عنایت فرمائے۔ مگر ظاہر اُنکا ناداری اور محتاجی کی صورتوں میں دنیا کو دکھلایا۔
اور عسرت و ناداری اُنکے دامنگیر کر دی۔ اِس لیے کہ دنیا اُنکو دیکھکر دردمند ہو۔ اور کان اُسکے
سُننے سے تکلیف اُٹھائیں۔ قناعت کی صفت اُنہیں عطا فرمائی کہ اُنکے دل اُسکو دیکھکر مطمئن ہو جائیں
اور آنکھ اُنکے مشاہدہ سے سیر ہو جائے۔ اگر انبیاء علیہم السّلام اہلِ قوّت ہوتے تو پھر کسی کو اُنکے مقابلہ
کی مجال نہ ہوتی۔ اور ایسی عزّت و سلطنت اُنکو حاصل ہوتی کہ پھر وہ کبھی مغلوب نہوتے۔ اور اُنکی حکومت
میں وہ مملکت ہوتی جسکی خواہشوں میں لوگوں کی گردنیں جُھکی ہوتیں اور لوگ دور دور سے اُنکو حاصل کرنے
آتے۔ ایسی حالتوں میں انبیاء علیہم السلام دنیا کیلیے آسان ہو جاتی اور پھر کوئی بھی اُنکی تصدیقِ رسالت سے انکار
نہ کرتا۔ اُن میں سے بعض تو اُنکی سلطنت و جاہ اور منصب کے دباؤ اور جان کے خوف سے ایمان لاتے اور بعض
اپنے منتفع ہونے اور طمع کی غرض سے اُنکی رسالت کی تصدیق کرتے۔ مگر خدا نے اُنکی تصدیق اور اُنکی کتابوں
پر ایمان لانے کی ضرورتوں کو اپنی ذات کے ساتھ خشوع اور خضوع قائم رکھنے پر منحصر کیا اور اوامر و نواہی
کی پابندی مخصوص فرمائی۔ اور دنیاوی اغراض میں سے کسی شائبہ کو اُنکے ساتھ شامل نہیں کیا اور اپنے پیغمبروں
کو دنیاوی سلطنتیں اور عزّتیں عطا نہیں فرمائیں اور جلد ہٹ جانیوالی عظمت اور شان و شوکت اُنکو عنایت
نہیں کی۔ خدا کے امتحان اور اُسکی اطاعت کی تکلیفیں جسقدر زائد ہونگی اُسی قدر اُنکے ثواب، اور اجر بھی
زیادہ ہونگے۔ حق سبحانہ و تعالےٰ نے تمام دنیا کی اگلی اور پچھلی قوموں کے امتحان کے لیے آدم علیٰ نبینا و آلہ و
علیہ السّلام کے وقت سے لیکر قیامت تک اُن پتھروں سے اُسنے اپنے گھر کی عمارت کو جو تمہارا استونِ دین
کہلاتا ہے مستحکم کیا۔ اور اپنے گھر کو ایسی سخت اور سنگلاخ زمین میں قائم کیا جو تمام دنیا کی زمینوں سے سخت ہے۔
اور اُسکی مٹّی تمام دنیا کی مٹیوں سے کم پیدا کرنیوالی ہے۔ مٹّی وہاں کی بالکل ہلکی اور اطراف اُسکے بالکل بے آب
پہاڑ اُس سے کہ اپنی سختی اور درشتی میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ زمین اُسکی نرمی میں ریگستان۔ اُسکے چشمے

بے آب اور اُسکے دیہات اور گاؤں خراب۔ نہ وہاں زراعت ایسی ہوتی ہے جسپر وہاں کے لوگ بسر کرسکیں نہ چراگاہیں وہاں ایسی ہوتی ہیں کہ حیوانات اُنکو چرکر اپنا پیٹ بھر لیا کریں۔ گھوڑے اور اونٹ اُس میں پیدا نہیں ہوتے۔ گائیں اور بھیڑیاں اُس شہر میں موٹی نہیں ہوتیں۔ اُسنے فرزندانِ آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ دور دور سے آکر اِس خانۂ مقدس کی زیارت کریں۔ اور اطرافِ عالم سے آکر اُسکی طرف متوجہ ہوں۔ یہانتک کہ وہ شہر مرجع خلائق ہوگیا۔ اور اہلِ دنیا کی گزرگاہ اور سیر و سیاحت کا اچھا مقام ہوگیا۔ تمام جگہوں سے لوگ وہاں آتے ہیں اور دور و دراز منزلوں کے بعد یہاں پہنچکر اپنی سواریوں کی پیٹھ سے زین اور پالان اُتارتے ہیں۔ ہزاروں اشتیاق کے ساتھ وہ پہاڑوں کی منزلیں طے کرتے ہیں اور بے پانی جنگلوں اور پہاڑوں سے گزرتے ہیں۔ اور اُن جزیروں سے آتے ہیں جو سمندروں کے درمیان واقع ہیں۔ اور اِسکی زیارت کا قصد کرتے ہیں۔ اور ہزاروں محنت و مشقت کے بعد وہ یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور نہایت عاجزی اور انکساری۔ تواضع اور فروتنی سے خدائے سبحانہ و تعالےٰ کی تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔ جہانتک اُن سے ممکن ہوتا ہے یہاں پہنچنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اپنے افراطِ شوق میں اپنی حالتوں کا خیال بھی نہیں کرتے اور اُنکے سر اور جسم خاک سے بھرے ہوتے ہیں۔ اور اُنکے جسم اور جسم کے کپڑے گرد سے اٹے ہوتے ہیں۔ سر کے بال بڑھے ہوئے اور پریشان۔ پاؤں اور دل زخمی۔ پھٹے ہوئے کپڑے اُتارتے ہیں اور بغیر سیے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور صرف ایک ہی پوشش کو اپنی موجودہ لباسی ضرورت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ ناخن اور سر کے بال بڑھائے۔ غرض ایک عجیب و غریب شکل بنائے ہوئے پہنچتے ہیں۔ اِن امور میں بھی اِن لوگوں کی ایک خاص آزمائش ہے۔ اُنکے لیے ایک حکمِ محکم اور ایک تکلیف مستحکم ہے کہ جسکو خدائے تبارک و تعالےٰ نے صرف اِس وجہ سے کہ وہ ہمارے حصولِ رحمت اور مغفرت کے لیے اچھے ذریعے ہوں۔ اُنپر قائم کیے ہیں۔

انبیا علیہم السلام کی ضرورت۔ اُنکے محاسنِ اخلاق۔ اُنکے عادات و خصائل اور پھر اُنکے بے نظیر اور بے مثال ہونیکے کافی ثبوت۔ یہ تمامی امور اِس ایک خطبہ سے کماحقہٗ معلوم ہوتے ہیں۔ پھر کیسے سچے اور کیسے صحیح جن کی صداقت میں نہ کسی کو کلام ہوسکتا ہے اور نہ عذر۔ اب اگر امیر المؤمنین علیہ السلام کے یہ اقوال اور اِس زمانہ کے ذی علم علما کی قابلِ قدر تصنیفوں میں مخصوص یہی مضامین دیکھے جائیں اور پھر دونوں کا موازنہ کیا جائے تو آسانی سے سمجھ لیا جائیگا کہ اِس وقت علماء کے مضامین حقیقت میں وہی ہیں جو کسی قدر اضافہ یا خلاصہ کے ساتھ اِس خطبہ میں درج ہیں۔ ہمارے زمانہ کے جدت پسند اہلِ تالیف و تصنیف اپنے جن مضامین پر نہایت فخر سے نوعیت کا دعوےٰ کرتے ہیں اور یورپین کتب خانوں کی تلاش اور وہاں کے پورے تجسس کے بعد۔ جو واقعی اِن لوگوں سے زیادہ اِس کی تلاش کرچکے ہیں۔ نہایت عاجزی سے اُنکے انتخاب پر اپنی مجبوری دکھلاتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اِن ارشادات کے اندر موجود ہیں

مگروہ۔ استمالت۔ جہالت یا مذاقِ زمانہ کے اعتبار سے اپنے گھر کی کتابوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اگر وہ اِن مضامین کی تلاش اِن کتابوں میں کرتے تو نہ اُنکو پیرس کے کتب خانوں کی چھان بین کی ضرورت ہوتی اور نہ تبھولیہ کی لائبریری کی۔

خدا کی کمال قدرت کا اظہار۔ ایک چیونٹی کی خلقت سے

انظروا الی النملۃ فی صغر جثتہا ولطافۃ ہیئتہا لا تکاد تنال بلحظ البصر ولا بمستدرک الفکر کیف دبّت علی ارضہا وضبّت علی رزقہا تنقل الحبّۃ الی جحرہا وتعدّہا فی مستقرہا تجمع فی حرّہا لبردہا وفی ورودہا لصدرہا مکفولۃ برزقہا مرزوقۃ بوفقہا لا یغفلہا المنّان ولا یحرمہا الدّیان ولو فی الصفا الیابس والحجر الجامس ولو فکرت فی مجاری اکلہا وفی عُلوِہا وسفلہا وما فی الجوف من شراسیف بطنہا وما فی الراس من عینہا واذنہا لقضیت من خلقہا عجبا ولقیت من وصفہا تعبا فتعالی الّذی اقامہا علیٰ قوائمہا وبناہا علی دعائمہا لم یشرکہ فی فطرتہا فاطر ولم یعنہ فی خلقہا قادر ولو ضربت فی مذاہب فکرک لتبلغ غایاتہ ما دلّتک الدلالۃ الّا علیٰ ان فاطر النملۃ ہو فاطر النخلۃ لدقیق تفصیل کلّ شیٔ وغامض اختلاف کل حیّ رما الجلیل وللطیف والثقیل والخفیف والقوی والضّعیف فی خلقہ الّا سوآء وکذٰلک السّماء والھوآء والرّیاح والماء فانظر الی الشّمس والقمر والنبات والشّجر والمآء والحجر واختلاف ھٰذا اللّیل والنّہار وتفجر ھٰذہ البحار وکثرۃ ھٰذہ الجبال وطول ھٰذہ القلال وتفرق ھٰذہ اللّغات والالسن المختلفات فالویل لمن انکر المقدّر وجحد المدبّر زعموا انہم کالنّبات ما لھم زارعٌ ولا لاختلاف صورھم صانع ولم یلجئوا الی حجّۃ فیما ادعوا ولا تحقیق لما اَدعوا وھل یکون بناءٌ من غیر بانٍ او جنایۃٌ من غیر جان +

چیونٹی کو دیکھو! اور اُسکے جسم کے اختصار اور اُسکی ہیئت کی ترکیب۔ اعضا اور اُنکی لطافتوں کو جو چھوٹے ہونیکے باعث نظر اتی نہیں دیتے اور تحصیلِ رزق کی غرض سے وہ کس طرح ادھر اُدھر دوڑتی ہے اور جہاں ایک دانہ پاتی ہے سوراخ میں لیجاتی ہے اور اپنے ایک خاص مقام میں اُسکو رکھکر حفاظت کرتی ہے جاڑے کے لیے گرمی میں جمع کر لیتی ہے اور تنگی کا خیال اپنی کشادگی کے زمانہ میں کرتی ہے۔ خداوند تعالی اُسکے رزق کا پہنچانیوالا ہے اور اُسنے اپنے انعام سے اُسکے لیے رزق رسانی کا اور اُسکے محروم نہ رکھے جانیکا اُس سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور وہ کبھی اپنی عام رزق رسانیوں سے اُسے بے بہرہ نہ رکھیگا۔ ہر چند اُسکا رزق سخت پتھروں کے اندر یا خشک سے خشک زمین کے بھیتر نہ ہو۔ اُسکے کسبِ رزق کے طریقوں میں غور کرو اور اُسکے پیٹ کی باریک پسلیوں کو اور اُسکی آنکھ۔ کان کو۔ جو اُسکے سر میں بنائے گئے ہیں ملاحظہ کرو تو تم بیشک تعجب کروگے۔ پس وہی خدا سب سے بڑی قدرت والا ہے جسنے اُسکے جسم کو اُسکے پاؤں پر کھڑا کر دیا ہے اور اُسکے

کا وزن سنبھالنے کے لیے اُسکے پاؤں کو ستون مقرر کیا ہے اور اُسکے پیدا کرنیکے اوصاف میں کسی دوسرے کو اپنا شریک نہیں کیا ہے اور اُسکی صورت بنانے میں کسی دوسرے سے مدد نہیں چاہی۔ اگر تم اُسکی حالتوں کے دریافت کرنے میں زیادہ غور سے کام لوگے تو تم کو معلوم ہوجائیگا کہ چیونٹی اور اُسکے چھوٹے سی چھوٹی جسم کا بنانیوالا اور درخت اور اُسکی عظمت اور اونچائی کا پیدا کرنیوالا ایک ہی خدا ہے۔ اور ان دو چیزوں پر کیا موقوف ہے۔ تم چیزوں کا اختلافِ رنگ اور اشکال۔ تفاوتِ اغراض اور احوال کے ساتھ بنانیوالا سوائے ایک کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اُسکی قدرتوں کے سامنے دشوار سے دشوار چیزوں کی خلقت آسان ہے۔ قوی ضعیف۔ ہلکا اور بھاری سب یکساں ہیں۔ آسمان اور زمین اس کی مشیت کے قبضہ میں ہیں۔ عناصر اور موالید اُسی کے ارادہ اور قصد رکھنے کے محکوم ہیں۔ آفتاب و مہتاب ایسی روشنی اور صفائی کے ساتھ اُسی قادرِ مطلق کی قدرتوں کے مشاہد ہیں اور درخت اور نباتاتی چیزیں اپنی تازگی اور شادابی کے ساتھ اُسی کی قدرت کی پوری دلیل ہیں۔

اسی طرح پہاڑوں کا قائم رہنا۔ دریا کا تموّج میں آنا۔ زمین کا فرش کے ایسا بچھا رہنا چارپایوں کا اُسپر چلنا پھرنا۔ رات دن میں اختلاف کا ہونا۔ دریا اور نہروں کا بہنا۔ پہاڑوں کا کثرت سے موجود رہنا۔ ہر ملک کے لغات اور زبان کا علحدہ ہونا۔ طبائع اور عادات میں فرق کا پایا جانا۔ یہ سب باتیں خدا کی قدرت کاملہ اور اُسکی وحدتِ مطلقہ کی روشن اور صحیح دلیلیں ہیں۔

ایسی حالت میں اُن لوگوں پر نہایت افسوس ہے جو اُس قادرِ مطلق کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ اور اُس حکیم کے مدبّرانہ حکموں کے آگے اعتراف نہیں کرتے۔ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ دنیا کے موجودات نباتات کا خواص رکھتے ہیں اور بغیر بوئے زمین سے اُگتے ہیں۔ اور اُنکے اور اُن کی صورتوں کے اختلاف کے لیے کسی صانع کا ہونا ضرور نہیں اور اغراض و احوال کے فرق کے لیے کسی فاعل کی احتیاج نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اپنے دعووں کے لیے کوئی عقلی اور نقلی دلیل پاس نہیں رکھتے۔ اور بے تامل ایسے بڑے کلمات کو اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ کوئی عمارت بغیر معمار نہیں بنتی۔ اور کوئی نقش بغیر نقاش کے صورت پذیر نہیں ہوتا۔ کوئی تیر بغیر تیرانداز کے کمان سے نہیں نکلتا اور کوئی کلام بغیر متکلم کے زبان سے باہر نہیں آتا۔

ٹڈی کی خلقت سے خدا کے کمالِ قدرت کا اظہار

وان شئت قلت فی الجرادة اذ خلق لها عینین حمراوین واسرج لها حدقتین قمراوین وجعل لها السمع الخفی وفتح لها الفم السوی وجعل لها الحس القوی وناجین بهما تقرض ومنجلین بهما تقبض یرهبها الزراع فی زرعهم لا یستطیعون ذبها ولو اجلبوا بجمعهم حتی ترد الحرث فی نزواتها وتقضی منه شهواتها وخلقها کله لا یکون اصبعا مستدقة فتبارک الله

الذی یسجد لہ من فی السموٰت والارض طوعاً وکرھا ویعنو لہ خدا ووجھا ویُلقی الیہ بالطاعۃ سلما وضعفا ویعطی القیاد رھبۃ وخوفا فالطیر مسخرۃ لامرہ احصیٰ عدد الریش منھا والنفس وارسی قوائمھا علی الندی والیبس وقدر اقواتھا واحصی اجناسھا فھذا غراب وھذا عقاب وھذا حمام وھذا نعام دعا کل طائر باسمہ وکفل لہ برزقہ و انشاء السحاب الثقال فاھطل دیمھا وعدد قسمھا فبل الارض بعد جفوفھا و

اخرج نبتھا بعد جدوبھا۔

چونٹی کو چھوڑ کر۔ اگر تم اپنے ملک کی ٹڈیوں پر غور کرو اور اُنکی خلقت اور شکل میں خدا کی قدرتوں کا مشاہدہ کرنا چاہو تو تم دیکھوگے کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے دو سرخ آنکھیں اُنہیں عنایت فرمائی ہیں اور پھر اِن دونوں کو دو روشن اور چمکتے ہوئے حلقوں میں نصب کیا ہے۔ اور اُس کے کان کے سوراخ کو اِس چھوٹے پن کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ تاہم نہایت تیزی سے سُننے کی اُسکو قوت دی گئی ہے اُس چھوٹی قسم کو تمام محسوسی قوتیں عطا فرمائیں اور اُس کی ضرورت کے مطابق فہم وادراک بھی دیا اور اُس کے مُنہ میں دو تیز دانت کاٹنے کی غرض سے دیے۔ اور دو پاؤں چیزوں کی مستحکم گرفت کے لیے عطا فرمائے۔ زراعت کرنیوالے لوگ اپنے کھیتوں میں (اتنی ذراسی مخلوق سے) ڈرتے ہیں اور اپنی کسی تدبیر و ترکیب سے اُسے دفع نہیں کرسکتے اور باوجود تمام انسانی عقل وفہم کے اُنکے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے اور وہ لوگ ہر چند آپس میں ملکر اُن کی مدافعت کی تمام تدبیریں عمل میں لاتے ہیں۔ اور ترکیبیں کرتے ہیں۔ مگر اُن کی کوئی کوشش اور کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی۔ یہانتک کہ وہ ٹڈیاں سٹ بھر کر اُن کے کھیتوں کو چرجاتی ہیں اور اُن کے تمام پودوں کو اپنے دانتوں سے کاٹ ڈالتی ہیں اور اُنکی یہ حالت ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی آدمی چھوٹی اُنگلی کے برابر بھی نہیں۔ اور اُن میں سے کسی کا قد آدمیوں کی آدھی اُنگلی کے مساوی نہیں ہے

وہی خدا سب سے بزرگ ہے جس کے آگے دنیا کے تمام مخلوق سجدہ کریں۔ اور اپنی کمال فرمانبرداریوں کی وجہ سے اُس کے احکام سے باہر نہ ہوں اور اُس کے خوف وہیبت کی وجہ سے اُسکے احکام اطاعت کو بجالائیں۔ طیور ہوا میں اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ حیوانات زمین پر اُسی کے مطیع ہیں۔ تمام پرندوں کے پروں کو اُسی کا حکم گن لیتا ہے۔ اور ہر حیوانات کے نفس کو وہی حساب کرلیتا ہے۔

اُس نے طیور کی قوموں کو خشک اور تر زمین پر قائم کیا ہے۔ اور ہر فرد مخلوق کو اُسکی ضرورت کے مطابق قوت عنایت فرمائی ہے۔ طیور کی عجیب قسمیں پیدا کیں اور اُن میں سے ہر ایک کو مختلف اوصاف اور اقسام دیے ہیں۔ کوّے اور گدھ میں صاف تمیز ہوتی ہے۔ کبوتر اور شتر مرغ میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہر پرندہ کا نام اُسی نے مقرر کردیا ہے۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک کی روزی اپنے لطف کا

سے مقرر فرمائی ہے۔

پانی سے بھرے ہوئے بڑے بڑے بادلوں کو ہوا میں پیدا کیا اور کثرت سے پانی کو زمین پر برسایا۔ اور قطراتِ باران کی شمار کو اپنے علم پر موقوف رکھا۔ زمین کے ہر پھول کے لیے اُسکی احتیاج کے موافق مٹّی کو پانی سے مخلوط کیا اور پرانی اور قدیم زبانوں کو نئے سر سے زندگی بخشی۔ گھاس پات کو اپنے فضلِ عمیم سے سر سبزی اور شادابی عنایت فرمائی۔

حکمتِ الٰہیّہ کی ایسی پاک وپاکیزہ تفصیل مشکل سے کسی اور کے بیان میں پائی جاسکتی ہی۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی قدرت اُس کی حکمت اور صنعت ایسی صاف سچی اور عام فہم مثالوں میں سوائے خاصانِ خدا اور حکمائے الٰہی کے اور دوسرے طبقات کے معمولی لوگ نہیں بیان کر سکتے اب حکمتِ الٰہیّہ کی اور تفصیل ملاحظہ ہو۔

حکمتِ الٰہی کی تعلیم کا مذاق تمام اہلِ اسلام میں پیدا کرنا اور اُنکو اسکی تحصیل کی طرف راغب کرنا جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کا دلی منشاء تھا۔ یہ آپ ہی کے کمالِ علمی تحقیقاتِ وافرہ اور ارشاداتِ متکاثرہ تھے جنھوں نے اُسکے اتنے اسرارِ حکمت اور رموزِ قدرت کے پردوں کو کھولا اور ہر چیز کی آفرینش کی نتیجوں کو اس لطافت اور سلاست سے بتلایا کہ پھر تصریح کی کم ضرورت باقی رہی۔

زمین۔ آسمان۔ دریا۔ پہاڑ اور ہوا کی آفرینش

ومن خطبة علیه السّلام من اقتدار جبروته وبدیع لطائف صنعته ان جعل من الماء البحر الزاخر المتراکم المتقاصف یبسا جامدا ثم فطر منه اطباقا ففتقها سبع سموات بعد ارتتاقها فاستمسکت بامره وقامت علی حدّه یحملها الاخضر المثعنجر والقمقام المسخّر قد ذل لامره واذعن لهیبته ووقف الجاری منه لخشیته وجبل جلامیدها ونشوز متونها واطوادها فارسا ها فی مراسیها والزمها قرارتها فمضت رؤسها فی الهواء ورست اصولها فی الماء فانهد جبالها عن سهولها واساخ قواعدها فی متون اقطارها ومواضع انصابها فاشهق قلالها واطال انشازها وجعلها للارض عمادا وارزها فیها اوتادا فسکنت علی حرکتها من ان تمید باهلها او تسیخ بحملها او تزول عن مواضعها فسبحان من امسکها بعد موجان میاهها واجمدها بعد رطوبة اکنافها فجعلها لخلقه مهادا وبسطها لهم فراشا وفوق بحر لجّی راکد لایجری وقائم لایسری تکرکره الرّیاح العواصف وتمخضه الغمام الذوارف ان فی ذالك لعبرة لمن یخشی۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کا خطبہ خدا کی قدرت اور صنعت کی باریکیوں کے بیان میں۔

خدا کی تمام لطیف صنعتوں میں سے لطیف صنعت اور اُسکی حیرت انگیز قدرتوں میں سے سب سے حیرت انگیز قدرت

زمین ہے کہ باوجود اس خشکی اور سختی کے خدا نے اُس کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ اور ایسے محیط دریاؤں سے
اُسکی پیدائش کا سامان فراہم کیا ہے جسکی طوفان خیزی کی وجہ سے اُسکا پانی تمام پھیل گیا۔ پھر اُسی پانی سے اُسنے
میٹھے پانی کے چند چشمے باہر نکالے اور اُنکو جُدا جُدا دنیا کی سطح پر جاری فرمایا۔ خدا نے آسمان کو پیدا کیا اور
بغیر کسی ستون کے اُسکو مستحکم کرکے کھڑا کر دیا۔ زمین پر خدا نے سبز رنگت والے پانی کے دریا پیدا کیے۔
اُن دریاؤں نے اُسکی ہیبت اور بزرگی دیکھکر اُسکی فرمانبرداری میں سر جُھکا دیے۔ اور باوجود اس کے
کہ پانی میں فطرتاً جاری ہونا اور بہنا اُسکے اصول سے ہے۔ لیکن تاہم وہ ایک جگہ پر قائم اور اِدھر
اُدھر بہنے سے باز رہے۔ دریاؤں کے ایسا بڑے بڑے پتّھروں کو خدا نے پیدا کیا اور اُنکو زمین سے
بہت بلند کیا اور اُن پتھروں سے پہاڑ بنائے۔ اور اُنکو زمین کے اطراف و جوانب میں قائم کیا تاکہ
اُن میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی لائق جگہ پر قرار پکڑا۔ یہانتک کہ چوٹیاں اُنکی بلند کر دیں اور وہ
کُرّۂ ہوا تک پہنچیں۔ اور جڑیں اُنکی زمین کے نیچے تک اُتر گئیں۔ اور سطح آب تک جا پہنچیں۔ پہاڑوں
کو اُسنے زمین سے اونچا کیا۔ اور اِسی بلندی کی مناسبت سے اُسنے پہاڑوں کو اونچا کیا۔ اور اِسی بلندی
کے اعتبار سے اُسنے زمین سے پہاڑوں کو ممیّز کر دکھایا۔ اور اُنکی جڑوں کو زمین کے نیچے لے گیا۔ اور
جس مقام پر اُنکی ضرورت دیکھی وہاں قائم کیا۔ اُنکی چوٹیوں کو بلند کیا اور اُن کی پشت (سطح) کو
دور دور تک وسیع کیا۔ یہ سب باتیں اُسی نے ایجاد کیں کہ پہاڑ زمین کے لیے پشتیبان کا کام دیں۔
اور اُس کو زلزلہ اور حرکت سے باز رکھیں۔ زمین حرکت اور زلزلہ اور اضطراب سے باز رہی اور پھر
کوئی حرکت نہ کرسکی۔ زمین کے باشندے بھی ڈوب جانے نیچے بیٹھ جانے اور اُکھڑ جانے کے خوف
سے مطمئن ہو گئے۔

تمام تقدّس اُسی خدا کے شایاں ہے جس نے زمین کی چیزوں کو باوجود اسکے کہ وہ بہتی ہوئی
پانی کی سطح پر قائم ہے سکون عنایت فرمایا اور اُس کے اطراف و جوانب کو رطوبت اور تری سے نکالکر
اُس میں سختی اور قوام پیدا کیا۔ اور اپنی دنیاوی مخلوقات کے لیے پانی کے اوپر وسیع فرش بچھایا اور
اُس کو حرکت اور تزلزل سے باز رکھا۔ تاکہ دنیا کی مخلوق اُسپر آرام کرے۔ اور اپنی رفع ضرورت کرے
اور اُنکے لیے تردد و تلاش کرے۔

فزیکل جاگرافی Physical Geography. میں زمین کی خلقت اور کورل ریفز اینڈ اِٹس فارمیشن
Coral Reefs and its formation. (خلقت الجزائر المرجان) کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ خصوصاً
ملک اوشینیا Oceaniá. میں پولینشیا Polinisyá. کے حالات اور جنوبی پیسیفک اوشن (بحر پیسفک)
South Pacific Ocean. کی طوفان خیزی وغیرہ کے مفصّل حالات پڑھے جائیں اور اُنکو جناب
امیر المؤمنین علیہ السّلام کے کلام سے مطابق کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ چودہ سو برس پہلے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام

اسکے بعد خدا نے ہوا کو پیدا کیا کہ وہ دریاؤں کو تموّج کے حالات میں لائے اور بادلوں کو مقرر کیا کہ وہ اُن دریاؤں سے پانی لائیں۔ اِن تمام باتوں سے جو میں نے تم سے بیان کیں اُن لوگوں کے لیے عبرت ہوتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پانی پر قائم ہے اور پانی اُسکے چاروں طرف حائل ہے۔ پہلے پانی تمام جاری تھا۔ پھر ساکن ہو گیا۔ خدا نے پہاڑوں کو زمین پر پیدا کیا اور اُنکو زمین پر نصب کیا کہ زمین کو ہمیشہ حرکت نہ ہوا کرے۔ پھر ہواؤں کو پیدا کیا کہ دریا میں تموّج پیدا کریں اور بادلوں کو مقرر کیا کہ پانی اُن دریاؤں سے لے لیں اور زمین پر برسائیں۔

اب جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے ان ارشادات کو آجکل کے علماء کے اقوال سے مطابق کرو جو زمین کی پیدائش اور دنیا کی آفرینش کی بیان میں لکھے گئے ہیں۔ تم نے پہاڑوں کی خلقت اور اُنکی علّت میں پڑھا ہو گا کہ یہ پہاڑ ہی ہیں جو زمین کو اُس خوفناک بربادی اور تباہی سے محفوظ رکھتے ہیں جو اِس میں وقتاً فوقتاً سخت سے سخت طوفان اُنکی وجہ سے یا کہیں ارپشن Erruption (شق الارض) کے پیدا ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔ پولینیشیا Poylenisia اور سودرن پیسفک اوشن Southern Pacific Ocean. (جنوبی بحر قلزم) کی حالات میں ہر شخص نے پڑھا ہو گا کہ اِن ملکوں میں کس کثرت سے زلزلہ آتا ہے۔ اور وہاں کی مخلوقات کو ان زلزلوں کے باعث کس قدر نقصان پہنچتا ہے۔ ان ملکوں کے علاوہ اُن جزائر اور شہروں میں جو سواحل پر واقع ہیں یا دور و دراز سمندروں میں آباد ہیں اکثر سخت سی سخت زلزلوں کے واقعات پیش آتے ہیں۔ اسکی وجہ یہی بتلائی جاتی ہے کہ وہاں کی زمین دریا کے تموّج کو جو اُسکے چاروں طرف محیط ہے روک نہیں سکتی۔ دریا کے اِس تموّج کو آجکل کی اصطلاح میں ہاریکن Harricane کہا جاتا ہے۔ دریا کی شبانہ روز تموّج کے باعث اُس میں ایک سخت اور غیر معمولی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر ایسے مقاموں میں جہاں پہاڑ واقع ہو جائیں تو زلزلہ میں ضرور کمی واقع ہوتی ہے۔ اور پہاڑوں کے پریشر Pressure (دباؤ) زمین کی موجودہ حرکت میں زیادتی پیدا ہونے نہیں دیتے۔ اور اُسکو ایک حد تک جسکی وجہ سے آبادی کی حالتوں مین کوئی فرق نہ آئے محدود کیے رکھتا ہے۔

پہاڑوں کی ماہیت کی مطابقت تو ہو چکی۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اِسکی ضرورتیں اور

نے جو گیرفیکل ڈسکوریز Geographical Discoveries (معلومات جغرافیہ) کے متعلق اُتنا ہی کافی سرمایہ ہم کو بتلا دیا تھا جس کو ہم اس وقت یورپ کے بڑے بڑے پروفیسرس Professors کی تحقیقات کے تازہ نتائج بتلاتے ہیں۔

المؤلّف

سید اولاد حیدر

ماہیت بھی انہی معنوں میں سمجھادی ہے اور بتلادی ہے۔ جن معنوں میں ان اشیاء کے پورے حالات آجکل بڑی بڑے انگریزی کالجوں میں بتلائے اور سمجھائے جاتے ہیں۔ اب اسی طرح ہوا اور ابر کی آفرینش اور اُنکے ورکس Works (عمل) پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ ہوا بھی ایک حدتک پہنچکر پانی ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح پانی ایک مخصوص حد تک پہنچکر ہوا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مسلّم مسئلہ ہے جو بغیر کسی تحریک کی فوراً مان لیا جاسکتا ہے۔

اب دونوں حالتوں میں پانی کو ایک حدتک ہوا ہو جانے کی قوت حاصل ہے اور ہوا کو پانی ہو جانیکی تو انہی متصل اور متحد قوتوں کی ساتھ ہوا ابر کو دریا تک پہنچاتی ہو اور پانی سے بھرکر اوپر اُٹھاتی ہے اور یہی ہوا جس کو تم اس وقت کی اصطلاح میں ٹریڈ ونڈ Trade wind یا پریشر Pressure کہتے ہو ان کو زمین پر ضرورت کے موافق برساتی ہے۔ فزیکل جاگرفی میں فارمیشن آف دی کلاوڈس اینڈ کازز آف دی رین فال (خلقتِ ابر اور علتِ بارش) Formation of the clouds & causes of the rain fall. میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے ارشاد ابھی ابھی بیان کیے گئے۔ ان تفصیلوں کی اجمالی کیفیت عرب کے حکیم الٰہی نے اپنی وسیع تحقیقات میں کیسے مختصر الفاظ میں ایسی تشریح کے ساتھ بیان کر دی ہے کہ پھر انکے سمجھنے میں کسی کو غور کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہوگی۔

حقیقت میں اگر اُس زمانہ کی طبیعتیں علوم عقلی کی طرف اُسی رغبت اور اشتیاق سے مائل ہوتیں جیسی آج اُنیسویں صدی میں پائی جاتی ہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی زمانہ ہی میں ان علوم کو ایسی نمایاں ترقی ہوتی جو مامون اور دیگر سلاطینِ اسلام کے زمانہ میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اور صرف امیر المؤمنین علیہ السلام کی علمی تحقیقات۔ خطبات اور ارشادات نے ان علوم کے متعلق ہمارے پاس اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہوتا کہ پھر ہم کو کیپرشس Capricious گیلیلو Galilo کلپر Kilper ہارشل Harshell نیوٹن Newton اور لپٹن Lipton کی تالیفات و تحقیقات کے احسانمند ہونے کی مطلق تکلیف اُٹھانی نہیں ہوتی۔

جن مسائل کی توضیح پر آج مغربی دماغوں کی اس خصوصیت کے ساتھ تعریف کیجاتی ہے اور اُن کی شکر گزاریوں میں گردنیں جھکائی جاتی ہیں اُنکو چودہ برس پہلے امیر المؤمنین علیہ السلام بتلا چکے تھے۔ ان علوم کی تصریح ہم نے ایک ہی خطبہ سے کی ہے۔ اب ہم کتابِ نہج البلاغۃ کا ایک دوسرا خطبہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس میں زیادہ صراحت سے ان امور کی تفصیل فرمائی گئی ہے۔

الحال اللہ اشیاء لا وقاتہا ولاءم مختلفاتہا وعز ذغرائزھا والزمہا اسباحہا عالما بھا قبل ابتدآئہا محیطا بحدودھا وانتہا ئھا عارفا بقرائنہا واحتائہا ثم انشا سبحانہ فتق الاجواء وشق الارجاء وسکائک الھواء فاجوی فیہا ماء متلاطما تیارہ متراکما زخارہ حملہ علی متن الریح العاصفۃ

والزعزع القاصفة فامرها بردہ وسلطها علیٰ شدّۃ وقرنها الی حدّۃ الهوآء من تحتها فتق والمآء فوق دقیق ثم انشا سبحانه ریحا اعتقم مهبّها وادام مربّها واعصف مجرآئها وابعد منشاها نامرها بتصفیق المآء الزخار واثارة موج البحار فمخضته مخض السقآء وعصفت به عصفها بالفضاء یرد علیٰ اخره وساجنه علیٰ سامره حتّیٰ غب عبابه بالزبد رکامه فوقعه فی هوآء منفق۔

خدا نے دنیا کی چیزوں کو اپنے اوقات پر موقوف رکھا اور اُنکے وقتوں کو اُن چیزوں کی حقیقت میں جمع کیا پھر اُن چیزوں کی طبیعتوں کو قائم کیا اور پھر اُن طبیعتوں کے اقتضا (فطرت) کو اُن کے ساتھ لازم کیا۔ اور حال یہ ہے کہ وہی اُن کی ابتدا کا جاننے والا اور اُنکی حدود کا محدود کرنیوالا ہے اور اُنکے قرینوں کا پہچاننے والا ہی۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے ہوا اور اُسکی اطراف اور اُسکی فضا (اسباب) کو پیدا کیا اور اُس سے پانی کو وجود میں لایا اور اُس پانی کو کشتی چلانیوالی ایسی سخت اور تند ہوا پر جمع کیا اور اُس ہوا کو پانی پر مسلط کیا اور اُس ہوا کو پانی سے اس قدر قریب کیا کہ ہوا پانی کے نیچے آگئی۔ اور وہ پانی ہوا کے اوپر ٹپکنے لگا۔ اللہ تعالےٰ نے اُس ہوا کو جو نہایت شدت سے چلتی ہے ظاہر کیا اور اُسکو ہمیشہ کے لیے قائم کیا اور اُسکی شدتِ روحانی کو اور تیز کیا اور اُسی ہوا کو پانی برسانے اور موجِ دریا کے پریشان کرنے پر حکم کیا آخر ہوا نے اُس پانی کو جذب کرلیا اور اُس کو دنیا کے خالی مقاموں پر (پانی برسانے کی غرض سے) لے گئی۔

ہم کو اگر ابر کی ترکیب اور پانی برسنے کے اسباب کی نسبت بتلایا گیا ہوگا تو اتنا ہی جتنا ہم اس حکیمِ الٰہی کے اس مقدس اور مفید ارشادات سے پاتے ہیں۔ ان امور کی نسبت ایک مرتبہ نہیں ہزارہا مشاہدات ہوچکے ہیں۔ اویپریشن *Ovapouration* (بخارات) کی تمام مسائل حل ہوچکی ہیں۔ ہوا کی تمام قوتِ انجماد جس کو پاورس آف کنڈنسیشن *Powers of Condensation* کہتے ہیں۔ بخوبی دریافت ہوچکی ہیں۔ ہوا کی تمام اقسام معلوم ہیں۔ مینسزون *Mansoon* ٹریڈ ونڈ *Trade wind* پریشر *Pressure* کی ماہیت اور اُن میں ہر ایک کی علت سے ہم واقف ہیں۔

اِسی طرح پانی اور اُسکے تمام ایٹریبیوٹس *Attributes* (اوصاف) بھی معلوم ہوچکے ہیں۔

اِن تمام علوم کا مفصل علم رکھکر اس خطبہ کے مجمل بیان پر تفصیل کا لحاظ اور غور کیا جائے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان امور کے متعلق اس خطبہ میں کوئی امر چھوڑ دیا گیا۔ اگر یہ مجمل بیانات اس وقت کی مفصل حالات سے مطابق کیے جائیں تو معلوم ہو جائیگا کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے پانی کی ماہیت ہوا کے اوصاف۔ ابر کی ترکیب۔ بارش کے اسباب اور پانی برسنے کی علت۔ غرض جتنی باتیں ان مسائل و امور کے متعلق آجکل کے بڑے بڑے کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں وہ سب مجمل طور پر اس خطبہ میں بیان کردی ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ حکیم الٰہی نے اپنا زمانہ اچھا نہیں پایا۔ اور اُس وقت میں اُس ملک اور اُس قوم کے لوگوں کو اسکا مطلق مذاق ہی نہیں تھا۔ اسلام کے فیضانِ صحبت نے تو انکو اتنا بھی کر دیا تھا۔ جو ان باتوں کو اگر قبول نہیں کرتے تھے تو خیر سُن تو لیتے تھے۔ اسلام سے پہلے تو یہ انسانی جامہ ہی میں نہیں تھے۔ ان علوم کی تحصیل کی نسبت وہ کیا سوچتے اور کیا غور کرتے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی تعلیمات کے لیے یہ زمانہ البتہ موزوں تھا جس میں ہر انسان کا دماغ۔ ہر امر کو پہلے عقلی ہی دلیل سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور ہر مسئلہ کی تلاش میں تمام راستوں کو چھوڑ کر سب سے پہلے عقل کی مطابقت اور فطرت کی موافقت کو لازم سمجھتا ہے۔ دیکھو اس حسرت اور اس افسوس میں ہم ہی نہیں ہیں۔ ہم سے لائق اور بہتر طبقہ والوں نے بھی جہاں امیر المؤمنین علیہ السّلام کے اِن حکیمانہ اقوال و ارشاد کا ذکر کیا ہی اپنے افسوس اور اپنی کمال حسرت کے اظہار میں اپنے قلم کی آنکھوں سے صفحۂ بیان پر ضرور خونِ دل ٹپکایا ہے۔ اور نہایت حسرت آمیز الفاظ میں اپنے دلی افسوس کا اظہار فرمایا ہی جسے ہم آگے چلکر مندرج کرینگے۔

علم طبیعیات ہی کی تحقیق پر منحصر نہیں۔ علوم عقلیہ کی تمام شاخوں میں امیر المؤمنین علیہ السّلام ایسے ہی کامل پائے جاینگے۔ علم الکائنات۔ علم الابعاد والاجرام۔ علم الاوزان والاجسام Specific Gravity and Gravitation اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں نجوم کے جاننے والے کاہن کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ سب کے سب سُنبلہ کے سیارہ ہونے کے قایل نہیں تھے۔ اسی طرح سیارے کے توابع کا جن کو موجودہ اصطلاح میں Satellites کہتے ہیں۔ اعتراف نہیں کیا جاتا تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے وقت میں اہلِ عرب کو ان دونوں چیزوں کو بتلایا اور اُسی زمانہ سے اہلِ عرب سُنبلہ کے سیارہ اور توابع کی ماہیت سے واقف ہوئے۔[1]

حقیقت امر یہ ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کا شمار جس مقدس اور اعلا طبقہ میں تھا۔ اُس کا فرض منصبی دنیا کو صرف حق اللہ اور حق الناس کی تعلیم تھی۔ اسکے علاوہ اور نہیں۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام نے ان امور کی تعلیم دیکر اور اپنے ارشادات میں انکی تفصیل فرما کر دنیا کو بتلا دیا کہ ہم کو دنیا کی اِن تعلیموں میں بھی کسی کی استعانت اور استفادہ کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

ہم نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے کمالِ علمی۔ جامعیت۔ قابلیت۔ فصاحت و بلاغت کے ثبوت میں اتنے خطاب علی الترتیب مندرج کردیے ہیں جن سے ہمارے مدعا کی کامل تصدیق و توثیق ہوتی ہے علم الٰہیات کے متعلق جو خطبے نقل کیے گئے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے معرفتِ الٰہی اور اسکی قدرت لامتناہی کے ایسے دقیق اور باریک مسئلوں کو کیسے صاف اور پاکیزہ الفاظ میں بتلایا اور سمجھایا ہے۔ اور انکے آسانی سے سمجھ لیے جانیکی ضرورت سے ایسی مثالیں دی ہیں جو ہمیشہ ہر شخص کے

[1] دیباچہ اتحاف اہل اسلام مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۲۔

پیشِ نظر رہتی ہیں۔ علمِ الٰہیات کے جاننے والے جو حکمائے یونان کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ اور افلاطون۔ سقراط اور ارسطو کے بتلائے ہوئے اصول پر آج تک ناز کرتے ہیں۔ وہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے اُن ارشادات کو غور سے پڑھیں اور اُن دفترہائے پارینہ کو تہ کر دیں۔

اِن خطبات کو چھوڑ کر ابھی ہمارے پاس اس کثرت سے ایسے خطبے اور موجود ہیں جن کو ہم نمونہ کے طور پر اگر ایک ایک سطر پر کفایت کر کے لکھنا چاہیں تو بھی ہمکو ایک علیٰحدہ کتاب کی ترتیب دینی ہوگی خصوصاً خطبۂ شقشقیہ۔ قاصعہ۔ تفسیر الہٰکم التکاثر۔ توقیعات محمد ابنِ ابی بکر و مالک ابن اشتر وغیرہ وغیرہ کی عبارتیں اپنے اعلےٰ مضامین اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تالیف و تصنیف کی دنیا میں آج تک اپنا نظیر نہیں رکھتیں۔

اِس میں شک نہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی جامعیّت اور تمام علوم ظاہری و باطنی۔ نقلی اور عقلی سے واقفیّت ایسی مشہور و معروف تھی اور اِسی کے ساتھ آپکے محاسنِ اخلاق اور محامد و معارف ایسے وسیع اور پاکیزہ تھے جن کا اندازہ کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ اگر آپ علمی حیثیّت میں بے نظیر ثابت ہو رہے ہیں تو شجاعت و دلیری میں بھی بےمثال مانے گئے ہیں۔ اگر علمِ الٰہیات میں لاجواب ہیں تو فلسفہ۔ ریاضی اور طبعیات میں بھی فردِ واحد شمار ہوئے ہیں۔ اگر واعظ ہیں تو بے نظیر خطیب ہیں تو بےمثال زاہد ہیں تو لاثانی۔ عابد ہیں تو لاجواب۔ فقیہ ہیں تو یکتا حکیم ہیں تو بیہمتا۔

اب ہم ذیل کے سلسلہ میں جملہ اصنافِ علوم میں جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی جامعیّت اور کمال کی پوری کیفیّت مندرج کرتے ہیں۔

علم القرآن

اِس مضمون کے متعلّق ہم پوری تفصیل کے ساتھ اوپر لکھ آئے ہیں اور آپ کی خدمت میں عبدالرحمن اسلمی کے۔ جو تمام اہلِ اسلام میں علم القرآن کا پہلا عالم اور حافظ تسلیم کیا گیا ہے تلمّذ کا حال قلمبند کر چکے ہیں اِسکے علاوہ علم القرآن کے عبور کے متعلّق جو آپ سے اقوال منقول ہیں اُن کو بھی درج کر چکے ہیں۔ اِس موقعہ پر جو ہمکو خصوصیت سے لکھنا ہے وہ تجمیع و ترتیبِ قرآن ہے۔ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ جہانتک تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے یہ بات پائی جاتی ہے کہ آپ سے پہلی خلافتوں کے وقت میں بھی اسکی نسبت کوشش کی گئی ہے۔ اِس لیے ہم کو اِس امر کا دکھلا دینا ضرور ہے کہ آپ نے اِسکے متعلّق کہاں تک سعی فرمائی اور آپ کی سعی کی نسبت اُس وقت کے ذی لیاقت اور قابل اہلِ اسلام نے کیا رائے قائم کی ہے تاریخ الخلفا میں امام سیوطی لکھتے ہیں:۔

ان علیاً احد من جمع القرآن و عرضہ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

علی علیہ السّلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

زمانۂ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں آپ کا قرآن جمع کرنا ثابت ہوتا ہے اور تمام جمع کردہ قرآنوں میں قرآنِ علی علیہ السّلام سابق ٹھیرتا ہے۔ یہ تو زمانۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے بعد خلافت کے زمانہ میں انکی طرف سے اس کی تجمیع و ترتیب کی طرف بھی کوئی کوشش کی گئی یا نہیں؟ یا یہ خیال صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی تک پیدا ہو کر رہ گیا۔ جہاں تک واقعات دیکھے جاتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اس کی طرف پوری توجہ اور محنت سے کام لیا جو امام ابوداؤد کی ذیل کی عبارت سے پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

روی محمّد بن سیرین عن عکرمہ قال لما کان بیعۃ ابی بکر قعد علی فی بیتہ فقیل لابی بکر فذکرہ بیعتک فارسل الیہ فقال اکرھت بیعتی قال لا قال ما اقعدک عنّی قال رایت کتاب اللہ یزاد فیہ فحدثت نفسی ان لا البس ردائی الا الصّلوٰۃ حتّی اجمعہ قال لہ ابوبکر فانّک نعم ما رایت قال محمّد ابن سیرین لعکرمہ الفوہ کما انزل الاوّل قال لو اجتمعت الانس والجنّ یولفوا ھٰذا التالیف ام استطاعوا۔ (سنن ابن داؤد)

محمد ابن سیرین نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ جب ابوبکر سے لوگوں نے بیعت کی اور حضرت علی علیہ السّلام گھر بیٹھ رہے۔ لوگوں نے ابوبکر سے کہا کہ حضرت علی علیہ السّلام نے آپکی بیعت نہیں کی اور کراہت رکھتے ہیں۔ ابوبکر نے حضرت علی علیہ السّلام سے کہلا بھیجا کہ کیا وجہ ہے جو آپ میری بیعت سے کراہت رکھتے ہیں آپنے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ آپ کے گھر بیٹھ رہنے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا کہ میری یہ رائے ہوئی کہ کتاب اللہ میں کچھ نہ کچھ ضرور اضافہ کیا جائیگا لہذا میرے دل میں آیا کہ میں اپنی ردا سوائے نماز کی وقت کے کسی وقت نہ اوڑھوں جب تک کہ پورا قرآن نہ جمع کر لوں۔ ابوبکر نے کہا کہ آپ کی رائے بہت مناسب ہے۔ محمد ابن سیرین نے عکرمہ سے پوچھا کہ کیا قرآن صحابہ نے اُسی طرح تالیف کیا ہے جیسا کہ اوّل بار نازل ہوا تھا۔ عکرمہ نے جواب دیا کہ اگر تمام انس و جان جمع ہو کر ویسا تالیف کرنا چاہیں تو ہرگز جمع نہ کر سکینگے۔

امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

محمد ابن سیرین کا بیان ہے کہ جب جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا اور جناب علی مرتضٰے علیہ السّلام نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے تامّل کیا تو حضرت ابوبکر نے جنابِ علی مرتضٰے علیہ السّلام سے ملکر کہا کہ آپ میری امارت سے کیوں کراہت رکھتے ہیں؟ جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا نہیں؟ لیکن میں نے عہد کر لیا ہے کہ اپنی ردا کو سوائے نماز کے اور کسی وقت نہ اوڑھونگا جبتک کہ پورے قرآن کو نہ جمع کر لوں۔ لوگوں کا قول ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے قرآن کی ترتیب تنزیل کے مطابق کی تھی۔ محمد ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ اگر وہ قرآن ملجاتا جو آپ نے جمع کیا تھا تو اُس سے

بہت کچھ علم حاصل ہوتا۔

اب جناب امیر المومنین علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کی کیا صورت تھی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں۔
دوی ان مصحف امیر المؤمنین علی علیہ السلام کان اوّلہ اقراء ثمّ المدثر ثمّ المزمل ثمّ نون ثمّ تبت ثمّ التکویر وھکذا الیٰ اٰخر المکی ثمّ المدنی۔

روایت ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن میں سب سے پہلے سورۂ اقرا پھر سورۂ مدثر پھر سورۂ مزمل۔ پھر سورۂ نون۔ پھر سورۂ تبت۔ پھر سورۂ تکویر۔ پھر اسی طرح مکی سورتیں پھر مدنی سورتیں تھیں۔

اسی واقعہ کو امام خوارزمی اس عبارت میں لکھتے ہیں:۔
عن عبد خیر عن علی علیہ السلام قال لمّا قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اقسمت لا اصنع ردائی حتیٰ اجمع القراٰن ما بین اللوحین فما وضعت عن ظھری حتیٰ جمعت القراٰن (اخرجہ الخوارزمی)

عبد خیر جناب علی مرتضٰے علیہ السلام سے ناقل ہیں کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو میں نے قسم کھائی کہ میں اپنی پشت سے اپنی ردا نہ اُتاروں گا۔ یعنی آرام نہ لونگا جب تک کہ قرآن کو نہ جمع کرلوں جو کچھ کہ دونوں لوحوں میں ہے۔ میں نے اپنی ردا نہیں اُتاری تاوقتیکہ میں نے پوری قرآن کو جمع نہیں کرلیا۔

امام طبرانی معجم کبیر میں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔
عن زادان عن عبد اللہ ابن مسعود قال قراءت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سبعین سورۃ وختمت القراٰن علیٰ خیر الناس علی بن ابیطالب۔

زادان عبد اللہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ستر سورتیں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھیں اور پورا قرآن شریف تمام آدمیوں کے بہترین جناب علی مرتضٰے علیہ السلام سے ختم کیا۔

کتب سماویہ پر عبور

قرآن کے علاوہ اور دیگر کتب آسمانی پر بھی آپ کو عبورِ کامل تھا۔ امام فخر الدین رازی اس کے متعلق ذیل کا قول خاص امیر المؤمنین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں۔
عن علی علیہ السلام قال لو شئت الی الوسادۃ وجلست علیہا لحکمت بین اھل التوراۃ بتوراتھم وبین اھل الانجیل بانجیلھم وبین اھل الزبور بزبورھم وبین اھل القراٰن بقراٰنھم (اربعین)
جناب امیر المؤمنین علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ اگر میرے لیے مسند بچھائی جائے اور میں اُس پر بیٹھوں تو اہلِ توریت کو توریت کے مطابق۔ اہلِ انجیل کو انجیل کے مطابق اور اہلِ قرآن کو قرآن کے مطابق حکم کروں۔

اس دعوے کے ثبوت میں ہم ایک ایسا واقعہ لکھتے ہیں جسکو علامہ علی متقی نے کنز العمال میں۔

اور ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں اور امام اصفہانی نے کتاب الحجّہ میں قلمبند کیا ہے۔
عن اصبع ابن نباتہ قال کنا جلوساً عند امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہما السّلام فاتاہ یہودی فقال یا امیر المؤمنین علیہ السّلام من کان ربّنا فقمنا الیہ فلھزناہ حتی کد ناہ نانی علی نفسہ فقال علی خلوا عنہ ثم قال علی علیہ السّلام یا اخا الیہود ما اقول لک باذنک واحفظہ بقلبک فانما احدثک عن کتابک الذی جاءبہ موسیٰ ابن عمران فان کنت قد قرأت کتابک وحفظتہ فانک ستجدہ کما اقول انما یقال متیٰ کان ربّنا الہ یکن ثم کان فاما من لم یزل بلا کیف یکون بلا کینونۃ کائن کان لم یزل قبل القبل وبعد البعد لا یزال بلا کیف ولا غایۃ ولا منتھی الیہ انقطعت دونہ الغایات فھو غایۃ کل غایۃ فبکی الیہودی و قال واللہ یا امیر المؤمنین انھا لفی التوراۃ ھکذا حرفاً حرفاً و انی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

اصبع ابنِ نباتہ سے روایت ہے کہ ہم امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک مردِ یہودی نے آکر پوچھا کہ یا امیر المؤمنین ہمارا رب کب سے تھا۔ ہم اُٹھ کھڑے ہوئے کہ اُسکو اس سوال پر ماریں۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا اِسے چھوڑ دو۔ پھر ارشاد کیا۔ اے یہود بھائی! جو کچھ کہ میں کہوں تو اُسے اپنی کانوں سے سُن لے اور اپنے قلب سے اُسے یاد رکھلے کیونکہ میں تجھ سے تیری کتاب سے جسے موسےٰ ابنِ عمران لائے تھے بیان کرونگا۔ اور جب تو اپنی کتاب کو پڑھیگا اور تو اُسکو یاد رکھیگا تو جس طرح میں کہتا ہوں ویسا ہی پائیگا۔ یہ بات جو کہتا ہے کہ ہمارا رب کب سے تھا۔ کیا وہ نہیں تھا جواب ہوگیا۔ وہ ہمیشہ سے تھا اور بغیر کسی کیفیت کے تھا اور ہوا نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سے تھا۔ وہ پہلے سے پہلا اور بعد سے بعد ہے ہمیشہ سے بلا تکلیف رہا ہے اور اُسکی کوئی انتہا نہیں ہے اور اُسکی طرف کوئی انتہا نہیں ہوسکتی۔ تمام نہایات کا انقطاع اُسی کی طرف ہوتا ہے اور وہی ہر نہایت کی نہایت ہے۔ یہ سُنکر یہودی رونے لگا اور کہنے لگا۔ واللہ یا امیر المؤمنین! توریت میں حرف بحرف اِسی طرح سے ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے خدا کے اور محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے رسول اور بندے ہیں۔

علمِ تفسیر

حضرت عبد اللہ ابن عباس رئیس المفسرین اور ترجمان القرآن شمار کیے جاتے ہیں اور یہ جناب امیر علیہ السّلام کے خاص شاگرد تھے۔ سعید ابنِ جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے تھے کہ جب ہمکو حضرت علی علیہ السّلام سے کوئی بات ثابت ہوجاتی تھی تو پھر کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ فقیہ ابنِ مغازلی تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال یشرح لنا علی نقطۃ الباء من بسم اللہ الرحمن الرحیم لیلہ فانفلق عمود الصبح فرایت نفسی فی جنبہ کالفوارہ فی جنب البحر المتجر۔

ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ ایک رات جناب علی علیہ السّلام باءِ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی نقطہ کی شرح فرمانے لگے صبح ہوگئی مگر تفسیر پوری نہ ہوئی۔ مجھے اپنی جان اُن کے پاس مثل ایک فوارے کی معلوم ہوئی بحرِ ذخار کے مقابلہ میں۔

امام ابو عمر لکھتے ہیں:-

عن ابی الطفیل قال شہدت علیاً یقول سلونی واللہ لا تسئلونی الا اخبرتکم وسلونی عن کتاب اللہ مامن اٰیۃ الا وانا اعلم بلیل نزلت ام بنہار ام فی سہل ام فی جبل۔

ابو الطفیل کہتے ہیں کہ میں جناب علی مرتضٰے علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے پوچھو۔ خدا کی قسم کہ تم مجھ سے کوئی بات نہ پوچھو گے جس کا جواب میں تم کو نہ دوں۔ مجھ سے قرآن کی نسبت پوچھو قسم خدا کی کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی ہے کہ دن کو ہموار زمین پر یا پہاڑ پر۔

امام سیوطی علامہ ابن سعد کی اسناد سے لکھتے ہیں:-

عن ابن سعد سمعت علیاً یقول واللہ ما نزلت اٰیہ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت وعلی من نزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا (تاریخ الخلفاء)

ابن سعد کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی ایسی آیت نہیں ہے کہ میں اُس کو نہ جانتا ہوں کہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے اور کہاں پر نازل ہوئی اور کس پر نازل ہوئی تحقیق خدا نے مجھ کو دل دانا اور زبانِ ناطق عطا کی ہے۔

عن ابن مسعودؓ انہ قال ان القراٰن انزل علی سبعۃ احرف ما منہا حرف الا ولہ ظہر وبطن وان علیا عندہ من الظاہر والباطن۔ (کشف الغنون)

ابنِ مسعود فرماتے تھے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ کوئی حرف اُسکا ایسا نہیں ہے جسکے لیے ظاہر و باطن نہو اور تحقیق کہ علی علیہ السلام کے پاس اُن کا ظاہر و باطن ہے۔

علم القرأت

قرآن کے متعلق علم التفسیر کے ایسا علم القرأت بھی نہایت ضروری ہے۔ اس امر پر تمام اہلِ سیر و تواریخ کا اتفاق ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں پورا قرآن شریف حفظ فرما کر آپ کو سُنا دیا تھا۔ تمام ائمۂ قرأت مثل ابو عمر ابن العلاء اور عاصم ابنِ ابی النجود وغیرہ ابو عبد الرحمٰن السلمی القاری کے شاگرد ہیں اور سب نے اُنہی سے قرأت کی سند حاصل کی ہے اور عبد الرحمٰن جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ عبد الرحمٰن سلمی امیر المؤمنین علیہ السلام کے حفظ القرآن اور کمالِ قرأت کے متعلق ذیل کا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں جس کو ہم کتابِ استیعاب امام عبد البر کی کی اصل عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں:-

عن ابی عبد الرحمٰن السلمی قال ما رأینا احد اقرأ من علیؓ صلینا خلفہ فقرا برزخا فاسقط حرفا فرجع فقرأ ثم عاد الی مقامہ فسرا اھل اللغۃ البرزخ۔ ھمہنا بانہ کان بین الموضع

الذی یقرء فیه وبین الموضع الذی کان اسقطه منه الحروف و رجع الیه قراٰن کثیر قال البرزخ بین الشک والیقین والبرزخ بین الشیئین۔

قاری ابو عبد الرحمٰن السلمی جو سب قاریوں کے اُستاد مانے گئے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے زیادہ کوئی قاری نہیں دیکھا ہے۔ ہم اُن کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اُن کو ایک متشابہ پیش آیا اور ایک حرف چھوڑ گئے۔ جب قرآن پڑھتے پڑھتے دور نکل گئے تو یاد آیا۔ پھر اُسی متشابہ مقام پر لوٹے۔ اُس کو پڑھا اور پھر اصل سلسلہ پر پہنچ گئے۔ اور ایسی حالت میں قرأت کا سلسلہ ذرا بھی نہ ٹوٹا۔ اہل لغت نے برزخ کے معنی میں لکھا ہے کہ یہاں برزخ سے وہ مقام مراد ہے کہ جو مقام پڑھ رہے تھے اور اُس مقام تک جہاں آپ کو حرف کے ساقط ہونے کا شبہ ہوا تھا۔ قرآن کا بہت بڑا حصہ تھا جس کی طرف آپ نے رجوع فرمایا تھا۔ اور برزخ شک اور یقین کے درمیان کو کہا جاتا ہے کیونکہ برزخ دراصل دو شئے کے درمیان کو کہتے ہیں۔

علم الفقہ

اس علم کے متعلق ہم جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی جامعیت اور کمال کے احوال اوپر کئی مقام پر لکھ آئے ہیں۔ مگر بارِ دیگر اپنے سلسلۂ بیان کے قائم رکھنے کی ضرورتوں سے پھر چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

قال مسروق شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فوجدت علمھم انتھٰی الی عمر وعبد اللہ ابن مسعود وابی الدرداء ومعاذ ابن جبل وزید بن ثابت وعلی بن ابی طالب علیہ السلام ثم شاممت ھٰؤلاء الخمسۃ فوجدت علمھم انتھی الی الرجلین علی وعبد اللہ ابن مسعود ثم شاممت الاثنین فوجدت علیاً یفضل علی عبد اللہ (خوارزمی فی المناقب)

مسروق کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو سونگھا مجھے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا علم حضرت عمر۔ عبد اللہ ابن مسعود۔ ابو الدرداء۔ معاذ ابن جبل۔ زید ابن ثابت اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر تمام ہے۔ پھر میں نے اِن پانچوں کو سونگھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کا علم دو آدمیوں کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور عبد اللہ ابن مسعود پر۔ میں نے ان دونوں کو سونگھا تو معلوم ہوا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام ابن مسعود پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اسی طرح جاحظ عثمانی نے جو اپنے وقت کا بہت بڑا عالم اور فقیہ تھا۔ اور خلیفہ متوکل باللہ کے لڑکوں کا معلم تھا (ابو الفدا) امیر المؤمنین علیہ السلام کی جامعیت کی تحقیق میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے۔ اور اسی طرح تمام صحابۂ کبار پر آپ کی فضیلت علمی ثابت کی ہے۔ اس رسالہ کو مولٰنا مولوی ابو القاسم صاحب قمی مرحوم مصنف فارسی میں۔ اور مولوی سجاد حسین صاحب لکھنوی نے اردو میں ترجمہ کیا جو چھپکر

شائع ہو گئے ہیں

جناب امیر علیہ السلام کی جامعیت اور قابلیت کے لیے یہ کیا تھوڑا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانہ میں آپ ملک یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقضیٰ امتی علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔

میری امت میں سب سے بڑے قاضی علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

امام خجندی لکھتے ہیں:۔

عن عمر ابن الخطاب قال لعلیؑ اذا سالہ ففرج عنہ لا ابقانی اللہ بعدکؑ یا علی علیہ السلام۔

حضرت عمر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے کچھ پوچھا کرتے تھے اور اُن کے جواب سے خوش ہو کر کہا کرتے تھے خدا مجھے یا علی علیہ السلام آپ کے بعد زندہ نہ رکھے۔

امام عبد البر نے کتاب استیعاب میں خلیفۂ ثانی کا ایک دوسرا قول نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

عن عمر ابن الخطاب قال لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر۔

عمر کہا کرتے تھے کہ جب مسجد میں علی علیہ السلام موجود ہوں تو کوئی فتوٰے نہ دے۔

ہم ذیل میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے دو چار فیصلے ایسے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ علم الفقہ میں آپ کو کیسی عدیم المثال لیاقت اور عدیم النظیر مہارت حاصل تھی۔ امام طبرانی معجم کبیر میں مسند زید ابن ارقم کی اسناد سے لکھتے ہیں:۔

عن زید ابن ارقم قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ جاءہ کتاب من علیؑ ان ثلثۃ نفر اتونی یختصمون فی غلام وطئوا امہ فی الجاہلیۃ فی طہر واحد کلہم یدعیہ انہ ابنہ فقضیت بینہم ان اقرعت لہم وجعلتہ للقارع منہم علی ان یغرم للآخرین ثلثی الدیۃ فضحک النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی بدت نواجذہ ثم قال ما اعلم فیہا ما قضی علیؑ۔

زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ جناب علی علیہ السلام کا خط آیا۔ اُس میں لکھا تھا کہ میرے پاس تین شخص اپنا جھگڑا ایک لڑکے کی نسبت لیکر آئے کہ زمانۂ جاہلیت میں اس لڑکے کی ماں کے ساتھ تینوں نے قربت کی ہے۔ اب ان میں ہر ایک شخص اس کو اپنا بیٹا قرار دیتا ہے۔ میں نے اس کے واسطے قرعہ ڈالا۔ جس کے نام قرعہ نکلا اُس کو میں نے وہ لڑکا حوالہ کر دیا مگر یہ شرط لگا دی کہ شخص باقی دو شخصوں کو دو تہائیاں دیت ادا کر دے۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلّم یہ سُنکر ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے دندانِ مبارک نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ علی علیہ السلام کے فیصلہ کے سوا ہمیں اس کا کوئی دوسرا فیصلہ معلوم نہیں ہوتا۔

امام ابن طلحۃ الشافعی کتاب مطالب میں لکھتے ہیں۔ حضرت عمر کے زمانہ میں حدِ خمر میں جو اضافہ ہوا وہ آپ ہی کی تجویز تھی۔

کان حد شارب الخمر اربعین سوطا اقامہ ابوبکر کذلک فی ولایتہ ثم اقامہ عمر صدر انی ولایتہ فلما انہمک الناس فی شربہا واستحقروا اضرب الاربعین شاور عمر اصحابہ فیذلک فقال علیؑ نروہ اذا شرب سکر واذا سکر ھذا واذا ھذا افتری وعلی المفتری ثمانون فبلغوا بہ حد المفتری فاخذ عمر ھٰذا القول من علی علیہ السلام۔ (مطالب السئول)

شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے مقرر تھے ابوبکر نے اپنے زمانۂ خلافت میں اُس کو اسی طرح قائم رکھا۔ پھر عمر نے بھی ابتدائے خلافت میں اِسی کو قائم رکھّا۔ جب لوگ شربِ خمر میں زیادہ منہمک ہونے لگے اور چالیس کوڑوں کو حقیر جاننے لگے تو حضرت عمر نے اِس امر میں صحابہ سے مشورت کی۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ہم دیکھتے ہیں جب کوئی شراب پیتا ہے تو مست ہو جاتا ہے اور جب مست ہو جاتا ہے تو ہذیان بکتا ہے۔جب ہذیان بکا تو جھوٹ کہا اور جھوٹ کہنے والے کی سزا اسّی کوڑے مقرر ہیں۔ اس لیے ہر شراب پینے والا مفتری ہے اُسکو مفتری یعنی جھوٹ بولنے والے کی سزا ملنی چاہیے۔ حضرت عمر نے اس حکم کو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے اخذ کیا۔

خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں یہ واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کان جالسا مع جماعۃ من النّاس فجاءہ خصمان فقال احدھما یا رسول اللہ صلعم ان لی حمارا وان لھٰذا البقرۃ قتلت حماری فبادر رجل عن الحاضرین فقال لا ضمان علی البھائم فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اقض بینہما یا علی علیہ السّلام فقال علیؑ لھما اکان مرسلین ام مشدودین ام احدھما مشدود والاٰخر مرسل فقال کان الحمار مشدودا والبقرۃ مرسلہ وصاحبہا معہا فقال علی علیہ السّلام صاحب البقرۃ ضامن الحمار فاقر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وامضاہ قضاہ۔

جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مع صحابہ کے بیٹھے ہوئے تھے کہ دو شخص لڑتے ہوئے حضور میں آئے۔ ایک نے اُن میں سے عرض کی یا رسول اللہ صلعم میرا ایک گدھا تھا اور اس شخص کی گائے تھی۔ اس کی گائے نے میرے گدھے کو مار ڈالا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ جانوروں کے فعل کا کوئی ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ یا علیؑ! تم ان دونوں کا فیصلہ کرو۔ علی علیہ السّلام نے پوچھا کہ آیا وہ دونوں جانور بندھے تھے یا کُھلے۔ یا ان میں سے ایک بندھا تھا

اور ایک کھلا؟ جواب دیا گیا کہ گدھا بندھا تھا اور گائے کھلی تھی۔ اور اسکا مالک اسکے ساتھ تھا حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا کہ گائے کا مالک گدھے کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی جناب علی علیہ السّلام کے فیصلہ کی تصدیق فرمائی۔ اور اسی کو برقرار رکھا۔

امام عبد البر مکّی اپنی کتاب استیعاب میں تحریر کرتے ہیں۔

عن مغیرہ قال لیس احد من الصّحابۃ اقوی قولا فی الفرائض من علی وکان مغیرہ صاحب الفرآئض۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں کوئی زیادہ قوی دل والا جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام سے نہیں ہے اور مغیرہ خود صاحب فرائض تھا۔

محمد ابن طلحۃ الشافعی مطالب السؤل میں لکھتا ہے:۔

قیل ان امرأۃ جائت عند علی وقد خرج من دارہ لیرکب فترک رجلہ فی الرّکاب فقالت یا امیر المؤمنین علیہ السّلام ان اخی قد مات وخلف ستمائۃ دینارا وقد دفعوا الیّ من مالہ دینارا واحدًا واسئلک انصافی وایصال حقی الی فقال لھا خلف اخوک بنتین فقالت نعم قال لھما الثلثان اربعمائۃ وقال خلف امًا قالت نعم قال لھا السّدس مائۃ دینار وخلف زوجۃ قالت نعم قال لھا الثمن خمس وسبعون وخلف اثنا عشر اخا قالت نعم قال لکل اخ دیناران ولک دینار فقد اخذتِ حقکِ فانصرفی۔

ایک عورت جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت اس وقت اپنے گھر سے نکل کر سوار ہو رہے تھے۔ ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکے تھے کہ وہ عورت بولی۔ یا امیر المؤمنین علیہ السّلام میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرگیا۔ لوگوں نے مجھے اسکے ترکہ سے صرف ایک دینار دیا ہے۔ میں آپ سے اپنا حق اور انصاف چاہتی ہوں۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا تیری بھائی کی دو بیٹیاں ہونگی؟ اسنے کہا ہاں۔ فرمایا کہ دو ثلث یعنی چار سو دینار تو ان کے ہوئے۔ اور فرمایا تیرے بھائی کی ماں بھی ہوگی؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا کہ اس کو بھی ایک سدس یعنی ایک سو دینار ترکہ میں ملا ہوگا۔ اب تیرے بھائی کی بی بی بھی ہوگی؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ ارشاد ہوا کہ زوجہ کو بھی ثمن یعنی پچھتر دینار ملے۔ فرمایا کہ تیرے بارہ بھائی ہیں؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ ارشاد ہوا کہ دو دو دینار بھائیوں کو بھی ملے۔ باقی رہا ایک دینار۔ وہ تیرا حق ہے۔ پس تو اپنا حق پا چکی۔ لوٹ جا۔

بیٹیاں	ماں	زوجہ	بھائی	بہن	
۲	۱	۱	۱۲	۱	میزان
۴۰۰	۱۰۰	۷۵	۲۴	۱	۶۰۰ چھ سو دینار

یہ مسئلہ دیناریہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح سے ایک اور مسئلہ منبریہ کے نام سے مشہور ہے جس کو امام

محمد ابنِ طلحۃ الشافعی ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں :-

قیل انّہ کان علی منبر الکوفۃ فقام الیہ رجل فقال یا امیر المؤمنین علیہ السّلام ان ابنتی قد مات زوجہا عن ترکتہ الثمن وقد اعطوھا التسع فاسئلک الانصاف منہم فقال خلف بھرک بنتین قال نعم وقال ابوہ باقیان قال نعم قال صار ثمنہا ولا تطلب سواء (کذا فی مطالب السئول)

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام منبر کوفہ پر خطبہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا امیر المؤمنین علیہ السلام میری لڑکی کا شوہر مرگیا اور اُسکے شوہر کے حصہ میں اُسکا آٹھواں حصہ ہے اور میرے داماد کے ورثاء اُسکو نواں حصہ دیتے ہیں۔ میں آپسے اسکا انصاف چاہتا ہوں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ تیرا داماد دو بیٹیاں چھوڑ کر مرا ہی؟ اُسنے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اُسکے ماں باپ بھی زندہ ہیں؟ اُسنے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقت میں تیری لڑکی کا آٹھواں حصہ اب نواں ہو گیا۔ پس تو اس سے زیادہ نہ طلب کر۔

ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی حاملہ عورت کو اس زور سے مارا کہ اُس کا حمل ساقط ہو گیا۔ عورت کی طرف سے یہ معاملہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ روداد سنکر جناب امیر علیہ السلام نے شوہر سے چالیس دینار دیت میں عورت کو دلوا دیے اور ذیل کا یہ آیہ تلاوت فرمایا ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فجعلنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشانٰہ خلقا اخر فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین۔ پھر اُسی وقت اس فیصلہ کی پوری تصریح بھی کردی گئی۔ اس طرح کہ نطفہ کا خونبہا بیس[۲۰] دینار۔ علقہ کا چالیس[۴۰] بضعہ کا ساٹھ[۶۰]۔ استخوان کا (قبل از ترکیب خلقت) اسّی دینار اور بعد ترکیب خلقت سو[۱۰۰] دینار اور جب روح آگئی ہو تو ہزار دینار دیت ہوگی۔

ایک شخص مرگیا اور وصیت کر گیا کہ میرے بعد ایک جزو میرے ترکہ سے فلاں شخص کو دیا جائے اُس کے انتقال کے بعد اُس کے ورثہ نے تعینِ حصہ میں اختلاف کیا اور اُن سے جب کسی طرح تصفیہ نہو سکا تو آخر کار یہ فیصلہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے فیصلہ پر موقوف رکھا گیا۔ جب قضیہ بیان کیا گیا تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فوراً جواب میں ارشاد فرمایا کہ اُسکے ترکہ سے ساتواں حصہ دو۔ پھر یہ آیۂ قرآنی تلاوت فرمایا۔ لھا سبعۃ ابواب لکل باب منہم جزء مقسوم۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ معاویہ کے پاس جب خُنثہ کی میراث کا مسئلہ پیش ہوا تو اُسنے آخر مجبور ہو کر امیر المؤمنین علیہ السلام سے پوچھا۔ آپ نے فوراً جواب دیا اور ذیل کا جواب لکھکر اُسے بھیجدیا قال سعید ابن منصور فی سننہ باسنادہ سمعت علیّاً یقول الحمد للّٰہ الذی جعل عدوّنا یسالنا عما نزل من امر دیننا ان معاویۃ کتب الیّ یسالنی عن خنثی المشکل کتبت الیہ ان یورثہ من قبل مبالہ۔

سعید ابن منصور اپنی سنن میں اپنی اسناد سے لکھتے ہیں کہ میں نے جناب امیرالمؤمنین علیہ السّلام کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے دشمن کو ایسا کر دیا کہ جب اُسپر امور دینیہ میں سے کوئی مشکل امر وارد ہوتا ہے تو وہ ہم سے پوچھتا ہے۔ میں نے اُسکے جواب میں لکھا ہے کہ اُس کے بول کے مقام کی رو سے اُس کو میراث ملیگی۔ یعنی اگر عورت کی طرح پیشاب کرتا ہے تو عورت کی میراث پائیگا اور اگر مرد کے ایسا پیشاب کرتا ہے تو مرد کا ترکہ پائیگا۔

علم الحساب

امیرالمؤمنین علیہ السّلام کو حساب میں عدیم النظیر مہارت حاصل تھی جن کی تفصیل میں ذیل کے چند واقعات قلمبند کیے جاتے ہیں۔ کتاب استیعاب میں امام عبدالبر لکھتے ہیں:۔

عن ذر بن جیش قال جلس رجلان یتغدیان مع احدھما خمسۃ ارغفۃ ومع الآخر ثلٰثۃ ارغفۃٍ فلما وضع الغذآء بین ایدیھما مرّ بھما رجل فسلم فقالا الغذاء فجلس واکل معھما فاستوفوا فی اکلھم الارغفۃ الثّمانیۃ فقام الرّجل وطرح الیھما ثمانیۃ درھم وقال لھما خذا ھٰذا عوضاً ممّا اکلت من طعامکما فتنازعا وقال صاحب الارغفۃ الخمسۃ لی خمسۃ دراھم ولک ثلاثۃ دراھم وقال صاحب الارغفۃ الثلٰثۃ لا ارضی الّا ان تکون الدّراھم بیننا نصفین فارتفعا الیٰ امیرالمؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السّلام فقصّا علیہ قصّتھما فقال صاحب الارغفۃ الثلٰثۃ قد عرض لک صاحبک ماعرض وخبزہ اکثر من خبزک فارض بالثلاثۃ قال لا واللّٰہ لا رضیت الّا بمرّ الحقّ فقال لہ لیس لک فی مرّ الحقّ الّا درھم فقال لہ عرض علیک صاحبک صلحاً فقات لا ارض الا بمرّ الحق ولا یجب لک فی مرّ الحقّ الا واحد فقال الرّجل عرفنی الوجہ فی مرّ الحق حتی اقبلہ فقال علی علیہ السّلام الیس الثّمانیۃ الارغفۃ الّاربعۃ وعشرون ثلثا وانتم ثلاثۃ انفس ولا یعلم الکثر منکم اکلا ولا اقل فتحملون فی اکلکم علی السّوآء فاکلت انت ثمانیۃ اثلاثٍ وانّما لک تسعۃ اثلاث واکل صاحبک ثمانیۃ اثلاث ولہ خمسۃ عشر اثلاث اکل منھا ثمانیۃ وبقی لہ سبعۃ اکل صاحب الدّراھم واکل لک واحد امن تسعۃ فلک واحد بواحد ولہ سبعۃ بسبعۃ فقال رضیت الان یا علیؑ۔

زر ابن جیش سے منقول ہے کہ دو آدمی کھانا کھانے کو بیٹھے۔ ایک کے پاس پانچ دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں اتنے میں تیسرا آدمی آگیا۔ ان دونوں آدمیوں نے شرکت طعام کے لیے اس سے کہا۔ وہ بھی اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔ وہ تینوں روٹیاں جب کھا چکے وہ تیسرا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور دونوں کو آٹھ درہم دیکر کہنے لگا کہ یہ عوض ہے اُس کھانے کا جو میں نے تمہارے کھانے میں سے کھایا ہے۔ وہ دونوں آپس میں لڑنے لگے۔ پانچ روٹیوں والے نے کہا مجھے پانچ درہم ملنے چاہئیں اور تجھ کو تین۔ تین روٹیوں والے نے کہا میں نصف لونگا۔ تصفیہ کے لیے دونوں جناب امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے پاس آئے اور تمام قصہ

بیان کیا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے تین روٹی والے سے کہا۔ تیرا شریک جو کچھ تجھے دیتا ہے لے لے۔ حالانکہ اُسکی روٹیاں تیری روٹیوں سے زیادہ تھیں۔ وہ کہنے لگا کہ جب تک کہ میرا حق مجھے معلوم نہ ہو جائے میں نہیں راضی ہوتا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا حق تو ایک درہم سے زیادہ نہیں۔ تیرا دوست صلح کی رو سے جو کچھ تجھے دیتا ہے تو اُس پر یہ کہتا ہے کہ جب تک میرا حق مجھے معلوم نہ ہو جائے میں نہیں راضی ہوتا۔ انصاف کی رو سے تو تیرا حق ایک ہی درہم ہے۔ اُس نے کہا یا امیر المومنین علیہ السلام مجھ سے اسکی وجہ بیان فرمایئے تاکہ میں قبول کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آٹھ روٹیوں کی چوبیس تہائیاں ہوئیں اور تم تین آدمی کھانیوالے تھے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس نے زیادہ کھایا۔ اِس لیے خیال کیا جا سکتا ہے کہ تینوں نے برابر کھائیں۔ پس تم نے آٹھ تہائیاں کھائیں اور تمہاری تین روٹیوں کی نو تہائیاں ہوتی ہیں۔ اور تیرے دوست کی پانچ روٹیوں کی پندرہ تہائیاں تھیں اور اُس نے بھی تیری برابر آٹھ تہائیاں کھائیں۔ اور اُسکی سات تہائیاں باقی رہگئیں جو درہم والے نے کھائیں۔ اور تیری نو تہائیوں میں سے اُسنے ایک تہائی لی۔ پس تیرے ایک پارہ نان کے عوض ایک درہم ہے اور اُسکے سات ٹکڑوں کے بدلے سات درہم ہوئے۔ مجموعاً آٹھ درہم ہوگئے۔ یہ سُنکر وہ شخص کہنے لگا کہ میں اب ایک ہی درہم لونگا۔

—— اسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں تین شخص دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ہمارے پاس سترہ اونٹ ہیں۔ اور ہم تینوں آدمی اُس میں شریک ہیں۔ ایک نصف کا شرکت دار ہے۔ دوسرا تہائی $\frac{1}{3}$ اور تیسرے کا نواں حصہ $\frac{1}{9}$ ہے۔ مگر ہماری سب کی یہ خواہش ہے کہ حصہ کے مطابق ہم میں ہمارے اونٹ تقسیم کر دیئے جائیں۔ مگر قطع و برید کی نوبت نہ آنے پائے۔ تمام اہل اسلام اس تقسیم سے عاجز آئے۔ امیر المومنین علیہ السلام بلائے گئے۔ اور اُن سے روداد معاملہ بیان کی گئی۔ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ لوگ جیسا چاہتے ہیں میں ویسا ہی تقسیم کر دونگا۔ یہ فرما کر بیت المال سے ایک اونٹ منگا کر اُن کے سترہ اونٹوں میں ملایا۔ تو مجموعاً اٹھارہ اونٹ ہوئے۔ اُن میں سے نصف کے حصہ دار کو نو 9 اونٹ۔ $\frac{1}{3}$ کے ثلث حصہ دار کو چھ اونٹ اور نویں $\frac{1}{9}$ کے شریک کو دو اونٹ دیئے۔ یہ مجموع سترہ اونٹ ہوئے۔ باقی رہا وہ ایک اونٹ۔ وہ جہاں سے آیا تھا وہاں واپس دیا گیا۔

ایک دن جناب امیر المومنین علیہ السلام منبر پر خطبہ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کسور تسع کا مخرج پوچھا۔ آپ نے فوراً اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا اضرب ایام سبعوک فی ایام سنتک۔ ہفتہ کے دنوں کو سال کے دنوں میں ضرب دیدو۔ جو حاصل ضرب آئے وہی کسور تسع کا مخرج ہوگا۔ اسکی تشریح یوں ہے کہ عرب قمری حساب سے ہر سال کے ۳۶۰ دن لیتے ہیں۔ انکو سات سے ضرب دو تو ۲۵۲۰ حاصل ضرب ہوتے ہیں۔ اور کسور تسع اہل عرب نے ایک نام مخصوص اعداد کا رکھا ہے۔ نصف۔ ثلث۔ ربع۔ خمس۔ سدس۔ سبع۔ ثمن۔ تسع۔ اور عشر شامل ہیں۔ ان کے مخرج سے وہ عدد مراد ہے جس سے تمام حصے

برابر تقسیم ہو جا سکیں اور کوئی جزو باقی نہ رہے۔

قاعدہ سے عددِ مندرجۂ بالا جو کسورِ تسع کا مخرج ہے یعنی ۲۵۲۰۔ ان تمام اعداد سے برابر تقسیم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر نصف سے تقسیم ہو تو ۱۲۶۰ ہوتے ہیں۔ ثلث سے تقسیم ہو تو ۸۴۰ ہوتے ہیں۔ ربع سے تقسیم ہو تو ۶۳۰ ہوتے ہیں۔ خمس سے تقسیم ہو ۵۰۴ ہوتے ہیں۔ سدس سے تقسیم ہو ۴۲۰ نکلتے ہیں۔ سبع سے تقسیم ہو ۳۶۰ ہوتے ہیں۔ ثمن سے تقسیم ہو ۳۱۵ ہوتے ہیں۔ تسع سے تقسیم ہو ۲۸۰ ہوتے ہیں اور عشر سے تقسیم ہو ۲۵۲ ہوتے ہیں۔

علم النّحو

یہ علم تو خاص جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی ایجاد ہے۔ عرب کے تمامی لٹریچر اور اُنکی خوبیوں کو جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے ذاتی کمال اور قابلیّت کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ عربی کا معمولی سے معمولی طالبعلم بھی زبانِ عربی کی تعلیم میں علمِ نحو کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور عربی پر موقوف نہیں۔ تمام زبانیں اپنی صرفی ضرورتوں کے ساتھ نحوی احتیاجوں کے لیے سخت مجبور ہیں۔

امام جلال الدّین سیوطی تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

عن ابی الاسود الدُّئلی قال دخلت علیٰ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام فرایتہ مطرقا مفکرا فقلت فیم تفکر یا امیر المؤمنین علیہ السّلام قال انی سمعت ببلدکم لحنًا فاردت کتابا فی اصول العربیّۃ فقلت ان فعلت ھٰذا احییتنا وبقیت فینا ھٰذہ اللّغۃ ثم اتیتہ بعد ثلث ایام فالقی الی صحیفۃ فیھا۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الکلام کلّہ اسم وفعل وحرف۔ فالاسم ما انبا ناعن المسمّیٰ والفعل ما انبا ناعن حرکۃ المسمّیٰ والحروف ما انبا ناعن معنی لیس باسم ولا فعل ثمّ قال تتبعہ وزد فیہ ما وقع لک واعلم یا ابا الاسود ان الاشیاء ثلاثۃ ظاھر ومضمر وشئی لیس بظاھر ولا مضمر وانّما یتفاضل العلماء فی معرفۃ ما لیس بظاھر ولا مضمر قال ابو الاسود فجمعت منہ اشیاء وعرضتھا علیہ فکان من ذٰلک حروف النّصب فذکرت منہ انّ واَنّ ولیت ولعلّ وکانّ ولم اذکر لکن فقال لم ترکتھا فقلت لم احسبھا منھا فقال ھی منھا فزدھا فیھا۔

ابو الاسود دئلی علیہ الرّحمہ سے منقول ہے کہ ایک دن جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ آپ گردن جُھکائے کسی فکر میں بیٹھے ہیں۔ میں نے استفسار کیا۔ یا امیر المؤمنین علیہ السّلام آپ کس بات میں فکر مند ہیں۔ ارشاد کیا۔ میں نے تمہارے اس شہر میں لوگوں کو اپنی زبان میں غلطی کرتے ہوئے سُنا ہے اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ایک ایسی کتاب لکھوں جس میں عربی زبان کے قاعدے ہوں۔ میں نے

کہا۔ اگر آپ ایسا کریں تو ہم لوگوں کو زندہ کر دینگے۔ اور ہم میں یہ زبانِ عربی باقی رہجائیگی۔ پھر میں تین دن کے بعد جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ عبارت لکھی تھی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کلام کی تین قسم ہیں۔ اسم فعل۔ حرف۔ اسم وہ چیز ہے کہ اپنے مسمےٰ سے خبر دے۔ اور حرف وہ چیز ہے کہ ایسے معنی سے خبر دے کہ وہ نہ اسم ہو نہ فعل ہو۔ اور فعل وہ چیز ہے کہ اپنے مسمےٰ کی حرکت سے خبر دے۔ بعد ازاں ارشاد کیا کہ اسی کا تتبع کرو اور جو کچھ مناسب ہو اس میں اضافہ کرو۔ اور آگاہ ہو اے ابوالاسود کہ سب اشیا، تین قسم پر ہیں ایک ظاہر اور ایک مضمر اور ایک ایسی شے کہ نہ وہ ظاہر ہے نہ مضمر۔ اور علمار کی قابلیت اُسی شے کے دریافت کرنے میں معلوم ہوتی ہے جو ظاہر ہو نہ مضمر۔

ابوالاسود کا بیان ہے کہ میں نے اس کلیہ سے بہت سی چیزیں نکالیں اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو سنائیں۔ انہی میں حروفِ ناصبہ کا بھی بیان ہے۔ ان میں اِنَّ۔ اَنَّ۔ لیت۔ لعلّ اور کانّ کا ذکر کیا مگر لکنّ کو چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کی حروف ناصبہ میں لکنّ نہیں پایا جاتا۔ ارشاد ہوا نہیں وہ بھی اسی میں ہے۔ اسکو بھی یاد کرو۔

فصاحت و بلاغت

ان اوصاف کی تصدیق میں ہم کو کسی ثبوت پہنچانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے خطبات اس تصدیق کے لیے پورے طور سے کافی ہیں۔ عبدالحمید ابن یحییٰ کا قول ہے حفظت سبعین خطبہ من خطب الاصلع میں نے ستر خطبے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے یاد کیے۔ ابن نباتہ جو عرب کا زبردست خطیب مشہور ہے اور حافظ ابن تیمیہ الحرانی خطبات میں جسکی تقلید کرتے ہیں کہتا ہے کہ میں نے جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے مواعظ سے ایک خزانہ حاصل کیا ہے۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی فصاحت ایسی ہی تھی جس نے اپنے کمال کی داد اپنے مخالف سے بھی لے لی۔ محقن ابن ابی محقن جناب امیر علیہ السلام کے پاس سے معاویہ کے پاس چلا گیا اور خوشامد کی راہ سے کہنے لگا جئتک من عند اعی الناس فھو واللہ مالسن الفصاحۃ القریش وغیرہ یعنی میں تیرے نزدیک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو بات کرنے میں عاجز ہے۔ معاویہ نے کہا افسوس ہے تجھپر۔ تو ایسے شخص کو بات کرنے میں عاجز کہتا ہے۔ خدا کی قسم ہے قریش کے لیے فصاحت میں کوئی اُس سے زیادہ بامحاورہ بولنے والا نہیں ہے۔

کتاب شفاء میں ابن صباغ مالکی اندلسی نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طولانی حدیث نقل کی ہے جس میں یہ فقرہ درج ہے۔

اختارنی اللہ بالنبوۃ واختار علیا بالشجاعۃ والفصاحۃ۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ مجھے نبوت کر لیے

اختیار کیا اور علی علیہ السّلام کو شجاعت اور فصاحت کے لیے۔

حاضر جوابی

ایک مرتبہ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام حضرت رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں بیٹھے تھے اور صحابہ کا مجمع تھا۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم خرما نوش فرما رہے تھے۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہم خرما و ہم ثواب سمجھکر خوش طبعی کی نیت سے خرما کھاتے جاتے تھے اور اُنکی گٹھلیاں جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام کے آگے رکھتے جاتے تھے۔ دیگر اصحاب بھی آپکے تتبّع میں ایسا ہی کرتے تھے۔ جب سب کھجوریں چُک گئیں تو جناب رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پوچھا کہ سب سے زیادہ خرمے کس نے کھائے ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا من اکثر نواتہ فھو اکول۔ جس کے آگے گٹھلیاں زیادہ ہیں اُسی نے خرمے بھی زیادہ کھائے۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام نے یہ سنکر بلا تامّل فرمایا لا بل من اکل مع النّواۃ فھو اکول۔ نہیں۔ بلکہ وہ جو خرموں کو گٹھلیاں سمیت کھا گیا۔ جناب رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سنکر بے اختیار ہنس پڑے۔

امام احمد ابنِ حنبل مناقب میں لکھتے ہیں:۔

عن محمّد بن قیس قال دخل النّاس من الیھود علی علیہ السّلام فقالوا لہ ما صبرتم بعد نبیّکم الّا خمس و عشرین سنۃً حتّیٰ قتل بعضکم بعضاً فقال علی علیہ السّلام قد کان صبرٌ خیراً ولٰکنّکم ما جفّت اقدامکم من البحر حتّیٰ قلتم یا موسیٰ اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃً۔

محمد ابنِ قیس سے روایت ہے کہ چند یہودی جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ تم لوگوں نے اپنے نبی کے بعد پچیس برس بھی صبر نہیں کیا تا اینکہ تم میں سے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا فی الحقیقت صبر کرنا بہتر تھا۔ لیکن تمہاری قوم تو ابھی دریائے مصر سے باہر بھی نہیں ہوئی تھی کہ تم نے کہا یا موسٰے جیسے مصریوں کے خدا تھے ویسے ہی خدا ہم کو بھی بنا دے۔

ایک دن حضرت امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر تینوں حضرات اس ترتیب سے جا رہے تھے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام بیچ میں تھے اور یہ دونوں حضرات اِدھر اُدھر۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر قد و قامت میں امیر المؤمنین علیہ السّلام سے نکلتے تھے۔ اثنائے راہ میں حضرت عمر نے امیر المؤمنین علیہ السّلام کو مخاطب کرکے کہا یا علی علیہ السّلام فیما بمنزلۃ النّون فی لنا۔ یا علی تمہاری مثال اس وقت ایسی ہے جیسے لفظ لنا کا نون۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فی البدیہ ارشاد فرمایا لولا انا بینکما لکنتما لا۔ اگر میں تم لوگوں میں موجود نہوں تو تم حرف لا ہو کر رہجاؤ۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ اگر کسی شخص کو ایسے مکان میں بند کردیں کہ اُس میں کہیں دروازہ نہ ہو تو اُس کا رزق موعود کس راستے سے پہنچیگا۔ جواب میں ارشاد ہوا من حیث یاتی اجلہ جدھر سے

اُسکی اجلِ موعود آئیگی۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ مشرق سے لیکر مغرب تک کتنا فاصلہ ہے؟ فرمایا مسیرۃ یوم للشمس۔ آفتاب کے ایک روز کی مسافت کے برابر۔

کسی نے آپ کی تعریف میں ازحد مبالغہ کیا۔ حالانکہ جنابِ امیر المومنین علیہ السلام اُسے خوب پہچانتے تھے کہ یہ میرا مخالف ہے۔ اُسکے جواب میں ارشاد ہوا انا دون ما تقول و فوق فی نفسک میں اُس سے کمتر ہوں جو تم نے بیان کیا اور اُس سے کہیں زیادہ ہوں جیسا تم مجھ کو دل میں سمجھتے ہو۔

ایک شخص نے خدمت میں آکر عرض کی کہ میں آپ کو بھی دوست رکھتا ہوں اور آپکے دشمن کو بھی۔ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا الا ان انت اعور اما ان تعمیٰ و اما ان تبصر۔ تم اس وقت واحد العین کی مثال ہو۔ یا تو وہ بھی آنکھ پھوڑ ڈالو اور بالکل اندھے ہو جاؤ۔ اور نہیں تو دونوں آنکھوں میں روشنی پیدا کرو۔

قنبر کو آزاد کرتے وقت جو سرخط امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اُسے لکھدی اُسکے الفاظ یہ ہیں۔ کنت بالامس لی۔ فصرت الیوم مثلی وھبتك لمن وھب لی کتبہ علی۔ کل تو میرا محکوم اور مملوک تھا اور آج مجھ جیسا ہو گیا۔ جسنے تجھے مجھے دیا تھا میں نے تجھے اُسی کو دیدیا۔ کاتب الحروف علیؑ۔

ایک مرتبہ خوارج کے دس علماء نے کہا کہ ہم سب ملکر آپ سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں بشرط یہ کہ ہر ایک کو علٰحدہ علٰحدہ جواب دیا جائے اور ایک جواب دوسرے جواب سے نہ ملے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے نہایت کشادہ پیشانی سے اُن کی استدعا کو قبول کیا اور ارشاد فرمایا کہ پوچھو۔ اُن میں سے پہلے نے پوچھا کہ علم بہتر ہے یا مال؟ ارشاد ہوا علم بہتر ہے اس لیے کہ مال فرعون کی متروکات سے ہے۔ اور علم انبیا علےٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام کی میراث ہے۔ اور دوسرے سے فرمایا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مال کی تم نگہبانی کرتے ہو اور علم تمہاری محافظت کرتا ہے تیسرے سے فرمایا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے اور علم تعلیم کرنے سے اور زیادہ ہوتا ہے۔ چوتھے سے فرمایا کہ علم بہتر ہے کیونکہ مالدار کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں اور علم والا ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ پانچویں سے ارشاد ہوا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مالدار کو اکثر لوگ بخیل کہتے ہیں اور صاحب علم ہمیشہ کریم کہلاتا ہے۔ چھٹے سے فرمایا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مال کو چور، رہزن، کیسہ بُر اور سو آفتیں ہیں اور علم کی دولت ان سب سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ ساتویں سے کہا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مال کے لیے حساب ہے اور علم کے لیے کچھ بھی نہیں۔ آٹھویں سے ارشاد ہوا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مال عرصہ تک رکھنے سے کہنہ اور فرسودہ ہو جاتا ہے اور علم کو امتدادِ ایام سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ نویں سے فرمایا کہ علم بہتر ہے اس لیے کہ مال سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور علم سے منور۔ دسویں سے ارشاد کیا کہ علم بہتر ہے۔ اس لیے کہ کثرتِ مال سے فرعون و نمرود وغیرہ نے خدائی کا دعوےٰ کیا اور کثرتِ علم سے ہمارے رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا ما عبدناك حق

معرفتك۔ اُن کے جواب اُن کے سوالوں کے مطابق دیکر جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے میری موت کے وقت تک بھی سوال کرتے رہوگے تو میں برابر ایسے ہی جواب دیتا رہونگا۔ اور ایک کو دُہرا کر نہ کہونگا۔ یہ سنکر خوارج اپنی مخالفت سے باز رہے۔ (المرتضٰے صفحہ ۱۴۰)

شاعری اور اُس کے کمال

اہل عرب دو تین اوصاف ہر شخص میں تلاش کرتے تھے۔ شرافت شجاعت اور شاعری شعر کہنے یا شعر سمجھنے کی پوری مہارت اُنکے پرزور قصیدے۔ عکاظ کے میلوں کے جلسے۔ اُس میں ہر ہر قبیلہ کی طبع آزمائیاں اور اُنکا مقابلہ اُنہی کے ملک اور اُنہی کی قوم پر منحصر نہیں۔ اور دوسری قوموں میں دور دور تک مشہور تھے۔

جن لوگوں نے اسلام سے پہلے عرب کے حالات پڑھے ہیں وہ لوگ اُن کی شاعری کی کیفیت سے پورے واقف ہونگے۔ اب اُس وقت اُن کی شاعری کا کیسا ہی مذاق ہو۔ ہم کو اس سے بحث نہیں۔ صرف اُن کے نفسِ شاعری سے مطلب ہے۔

ان میں ہمیشہ سے اس فن کے لوگ بہت بڑی وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک علٰحدہ شاعر ہوتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ اُسے عزیز رکھتے تھے۔ اُس کے احکام بجالاتے تھے۔ اہلِ عرب ہمیشہ سے مشقِ سخن کے عادی تھے۔ اور اُن کو ہمیشہ سے تلاشِ مضامین میں اپنی موجودہ طرزِ معاشرت کے سبب جنگل اور میدانوں میں برابر رہنے کا اتفاق ہوتا تھا اُن میں اس فن کا مذاق اس کثرت سے پھیلا ہوا تھا کہ ہر شخص اپنے لیے شاعر ہونے کی آرزو کرتا تھا۔ اُنکی سخن آرائی اور طبع آزمائیوں کی کامل مثالیں اور کافی ثبوت سبعۂ معلقات کے قصیدوں سے ملتے ہیں۔ ان میں سے چند عربی کے موجودہ درس میں اب تک شامل ہیں۔ جن لوگوں نے پڑھا ہوگا وہ اُن کی طبیعت کے زور اور مشقِ سخن کے کمال سے خوب واقف ہونگے۔ جس سے بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جہالت کے زمانہ میں اس فن کو کس کمال تک پہنچایا تھا۔

اسلام نے شاعری کے خیال کو اپنے وقت میں بالکل مردہ نہیں کردیا تھا۔ اُس نے بھی اسکی قدر کی مگر ہاں اسلام نے عموماً ان مضامین کو سرے سے ناپسند کیا جو نابغہ اور امراء القیس وغیرہ کے کلام میں پائے جاتے تھے۔ جن سے انسان کی تہذیب۔ شائستگی اور اخلاق بگڑتے تھے۔ اسلام بھی اس کی ضرورت سے خالی نہیں رہا۔ مشرکین مکہ نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہجویں کہنی شروع کردیں۔ ان کہنے والوں میں عمرو عاص۔ ابو سفیان ابن حرب اور عبداللہ ابنِ زبعری تھے۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اِنکے جواب دینے کیلیے اہلِ اسلام میں سے بھی تین صاحبوں کو چُنا جو اپنی فصاحت۔ بلاغت اور اندازِ بیان کے اعتبار سے بہت بڑے شاعر مشہور تھے۔ وہ یہ تھے۔ حسّان ابنِ ثابت۔ عبداللہ ابنِ رواحہ اور کعب ابنِ مالک۔

مشرکین کے جواب میں اُنکی جیسی ہجویں نہیں کہی جاتی تھیں۔ بلکہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے اخلاق اور محامدِ اوصاف کے اظہار میں قصائد تصنیف کیے جاتے تھے۔ ان حضرات کے
علاوہ جنابِ ابیطالب علیہ السّلام بھی اس مبارک خدمت کو بجا لاتے تھے۔

شاعرانہ مذاق عرب میں ہمیشہ سے عمدہ محاسن میں شمار ہوتا تھا۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی مدح میں اکثر صحابہ اشعار منظوم فرماتے تھے جن کو آپ نہایت توجہ اور رغبت سے سنتے تھے۔
واقعۂ غدیر کے متعلق حسان ابنِ ثابت نے جو قصیدہ پڑھا تھا اور اُس کو سُنکر جو ارشاد کیا گیا تھا اُس کا
تمام حال اس کتاب کی پہلی جلد میں درج ہو چکا ہے۔

ابنِ ابی کعب کے قصیدہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سنکر جس قدر محفوظ و مسرور ہوئے
تھے اُس کی کیفیت تمام اسلامی کتابوں میں درج ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی ردائے مبارک کا مخصوص
انعام انہیں عنایت فرمایا۔ یہی ردائے مقدس تمام خلافتوں کے سلسلوں سے ہوتی ہوئی سلطان المعظم کے
خزانۂ عامرہ میں آج تک محفوظ ہے۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی مبارک ذات جامع کمالات اس فن کے کمال سے بھی خالی نہیں
تھی۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی شاعری کیسی تھی؟ ہم انکی پاک و پاکیزہ شاعری کی شان اور اُنکے مقدس اور
عظمت بھرے کلام کو عام شعراء کے کلام سے نسبت دیکر یا مقابل کرکے کبھی نہ گھٹائینگے۔ عرب کی معمولی شاعری
اور امیر المؤمنین علیہ السّلام کے اندازِ کلام میں آسمان زمین کا فرق تھا۔ جن امور کو عرب کے شعراء اپنے کلام
کی خوبی سمجھتے تھے امیر المؤمنین علیہ السّلام اُن کو عیب جانتے تھے۔ اہلِ عرب کے اس وقت کے کلام فواحش۔
بیہودہ اور اخلاق وآدابِ انسانی کے بگاڑنیوالے مضامین سے بھرے ہوئے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام
کے مبارک بیان میں تہذیب۔ اخلاق۔ شجاعت۔ مفید اور ضروری نصائح۔ حکیمانہ ہدایتیں اور عقلی تجربے۔ روزمرہ
کی ضروریات۔ جرأت اور ہمت کے خیالات اور میدانِ جنگ کی دلیرانہ رجز خوانیوں کے نادر اور اعلےٰ مضامین بھرے
تھے۔ آپکے اشعار میں تمام اخلاقی اور روحانی تعلیم کے اثر موجود تھے۔

شاعری کے متعلق جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے وہی خیالات تھے جو زمانۂ موجودہ میں چودہ سو (۱۴۰۰)
برس بعد پیدا ہوئے ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی شاعری نے عرب کے تمام معرکہ آرا شاعروں کی نسبت وہی اصلاح تجویز
فرمائی تھی جو ہم اس وقت اپنے زمانہ کی شاعری کے متعلق مفید اور ضروری خیال کر رہے ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السّلام اہلِ عرب کے خیالات میں اخلاق کی پاکیزگی۔ تہذیب۔ مذاق کی درستی اور
اُن کے کلام میں شائستگی پیدا کرنے کی عموماً کوشش فرماتے تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے جس طرح اُنکے
کلام کی اصلاح فرمائی اور اپنی خداداد طبیعت کے زور سے اخلاقی اور روحانی مضامین کو پیدا کیا وہ آپ کی
کمالِ شاعری پر دال ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی شاعری کا دار و مدار عموماً اہلِ اسلام کی اخلاقی اور

روحانی تعلیم پر قائم تھا جس طرح خطبات میں تمام اہل اسلام کی تعلیم وہدایت کے احکام مندرج تھے۔ اسی طرح مختلف اشعار اور متفرق نظموں میں بھی اُنکے اخلاق کی اصلاح کے سامان کیے جاتے تھے۔ اب ہم ذیل میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے کلام معجز نظام کی چند مبارک مثالیں نمونہ کے طور پر قلمبند کرتے ہیں۔

مفاخرت سے پرہیز

الناس من جهة التمثال اکفاءُ ابوهم آدم والامُ حواءُ
فان یکن لهم من اصلهم شرف یفاخرون به فالطین والماء
وان اتیت بفخر من ذوی نسب فان نسبتنا جود وعلیاء
لا فضل الّا لاهل العلم انّهم علی الهدی لمن استهدی ادلّاء
وقیمة المرء ما قد کان یحسنه والجاهلون لاهل العلم اعداء
ففز بعلم ولا تبغی له بدلا فالناس موتی واهل العلم احیاء
ولا تصحب اخا الجهل وایاک وایاه فکم من جاهل اردی حکیما حین آخاه

شکلِ ظاہری کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں کیونکہ اُن سب کے باپ آدم علیہ السلام اور ماں حوا علیہا السلام ہیں۔ اگر انہیں اپنی اصلیت پر کوئی شرافت حاصل ہے جس پر وہ فخر کریں تو اُن کی حقیقت یہ ہے کہ اُن کی خلقت مٹّی سے اور پانی سے ظاہر ہوئی ہے۔ اگر تم عالی نسبی پر فخر کرتے ہو تو ہم تمہاری علو نسبی کے مقابلہ میں اپنی فیاضی اور عالی ہمتی پر فخر کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی بزرگی سوائے علم کے حاصل نہیں ہے۔ یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں اور جو ان سے طلب ہدایت کرتا ہے وہ اُسکے رہبر ہوتے ہیں۔ آدمی کی قیمت اُسکے علم کی خوبیاں ہیں اور جاہل اہلِ علم کے دشمن ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں کو چاہیے کہ شیوۂ علم اختیار کریں اور علم کا بدلہ ڈھونڈھیں اس لیے کہ بے علم انسان مردے کے برابر ہوتے ہیں۔ اور اہلِ علم زندہ آدمیوں کا حکم رکھتے ہیں۔ جاہلوں کے ساتھ صحبت نہ رکھو اور اُن سے علٰحدگی اختیار کرو اس لیے کہ صحبت سے جاہل کی مردِ دانا کو ہلاکت کا اخیر نتیجہ دیکھنا ہوتا ہے۔

علم وادب کے محامد

لیس الجمال باثواب تزیّننا ان الجمال جمال العلم والادب
فاطلب فدیتک علما واکتسب ادبا تظفر یداک به واستعجل الطّلبا

انسان کی اصلی زینت کپڑے پہنکر نہیں ہوتی۔ انسان کی زینت اُسکے علم اور ادب پر منحصر ہے۔
امام حسن علیہ السلام سے نصیحتاً فرماتے ہیں۔ میں تم پر صدقے علم حاصل کرو تحصیل علم کو ہمیشہ عزیز رکھو کہ تمہارا ہاتھ اُسکی کامیابی تک پہنچ جائے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی موعظت

مالفتی حسب الا اذا کملت ادابہ وحوی لاداب والحسبا
کن ابن من شئت واکتسب ادبا یغنیک محمودہ عن النسب
فلیس تغنی الحسیب نسبتہ بلا لسان لہ ولا ادب
انّ الفتی من یقول ھا انا ذا لیس الفتی من یقول کان ابی

کبھی کوئی تمہارے ایسا جوان اپنے حسب و نسب کے سبب سے اپنے آپ کو کامل نہیں کہہ سکتا۔ تاوقتیکہ وہ تہذیب نہ حاصل کرے۔ چاہے تم کسی کے بیٹے ہو مگر تحصیلِ ادب کرو۔ پھر تمکو اپنے حسب و نسب کے اظہار کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ اگر تم میں قوتِ تقریر اور ادب و تہذیب کچھ بھی نہیں تو تم کبھی اپنی ضرورتوں کی احتیاج سے باہر نہیں ہو سکتے۔ مرد وہی ہے جو کہے میں ایسا ہوں۔ وہ مرد ہرگز نہیں جو کہے میرے باپ ایسے تھے۔

صفتِ عقل

ایّھا الفاخر جھلا بالنّسب انّما النّاس لامّ و لاب
ھل تراھم خلقوا من فضّۃ ام حدید ام نحاس ام ذھب
ھل تراھم خلقوا من فضلھم ھل سوی لحم و عظم و عصب
انّما الفخر لعقل ثابت وحیاء و عفاف و ادب

نسب و حسب پر فخر کرنا جہالت ہے کیونکہ تمام انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ آیا تم آدمیوں میں سے کسی کو دیکھتے ہو کہ وہ بخلاف تمہارے چاندی۔ لوہے۔ پیتل اور سونے سے پیدا کیا گیا ہو۔ کیا تم آدمیوں میں دیکھتے ہو کہ وہ سوائے چربی۔ گوشت اور ہڈیوں کے کسی دوسری چیزوں سے مرکب ہوا ہو۔ اگر ان کا فخر ثابت ہو سکتا ہے تو عقل۔ غیرت اور تہذیب کے اعتبار پر۔

موعظت در رفتارِ زمانہ

فرض علی النّاس ان یتوبوا لکنّ ترک الذّنوب اوجب
والدّھر فی صرفہ عجیب وغفلۃ النّاس فیہ اعجب
والصبر فی النائبات صعب لکنّ فوت الصّواب اصعب
وکلّ ما یُرتجی قریب والموت من کلّ ذالت اقرب

انسان پر فرض ہے کہ توبہ کرے لیکن گناہوں کا ترک ہی کر دینا توبہ کرنے سے واجب تر ہے۔ زمانہ کے تصرفات عجیب ہیں مگر اُن میں انسان کا غافل رہنا زیادہ عجیب ہے۔ مصیبت پر صبر کرنا دشوار ہے لیکن صواب کا چھوڑ دینا اُس سے زیادہ دشوار ہے۔ وہ تمام چیزیں جن کی تمنا کیجائے قریب ہیں مگر موت

ن تمام چیزوں سے قریب تر ہوتی ہے۔

شکایت اہلِ روزگار

تغیرت المودة الاخاء — وقل الصدق وانقطع الرجاء
واسلمنی الزمان الی صدیق — کثیر الغدر لیس له رعاء
اذا انکرت عهدا من حمیم — ففی نفسی التکرم والحیاء
وکل جراحة فلهما دواء — وسوء الخلق لیس له دواء
ورب اخ وفیت له وفی — ولکن لا یدوم له الوفاء
یدیمون المودة ما راونی — ویبقی الود ما یبقی اللقاء
اخلاء اذا استغنیت عنهم — واعداء اذا نزل البلاء
وان غیبت عن احد قلانی — وعاقبنی بما فیه اکتفاء
اذا ما راس اهل البیت ولی — بدا لهم من الناس الجفاء

دوستی اور اخوتِ باہمی بدل گئی۔ صداقت کم ہوگئی اور امیدیں منقطع ہوگئیں۔ زمانے نے ہم کو ایسے دوست کے حوالے کر دیا ہے جو نہایت عہد شکن ہے اور جو دوستوں کے ساتھ مطلق رعایت نہیں کرتا۔ (میرا خلق یہ ہے) جب کوئی میرا دوست مجھ سے پیماں شکنی کرتا ہے تو اُس کے مقابلہ میں میرا نفس اپنی ذاتی تکریم اور حیا کے سبب اُس سے انتقام نہیں لیتا۔ جراحتوں کی دوا ممکن ہے مگر بد اخلاقی کے زخم کی دوا نہیں ہے۔ میں نے اپنے سب بھائیوں سے وفا کی مگر اُن کی وفاداریوں میں قیام نہیں دیکھا۔ میرے دوست اپنی محبت کو اُس وقت تک قائم رکھتے ہیں جب تک وہ مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اربابِ زمانہ اُسی وقت تک دوست رہتے ہیں جبتک اُنکو ضرورت رہتی ہے۔ اور جب ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ہمارے دشمن ہو جاتے ہیں۔ جس وقت ہم اپنے کسی دشمن کی نظر سے چھپ جاتے ہیں تو وہ دوست ہمارے ساتھ دشمنی کرنے لگتا ہے اور ہمارے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے۔ جب سے سردارِ اہلبیتؑ (جنابِ شفیعِ روزِ جزا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انتقال فرمایا ہم اہلبیت (سلام اللہ علیہم اجمعین) پر آدمیوں کی طرف سے جفائیں شروع ہوگئیں۔

مرثیۂ جنابِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین

امن بعد تکفین النبیؐ ودفنه — باثوابه اسی علی هالك ثوی
رزئنا رسول الله فینا فلن نری — بذاك عدیلا ما حیینا من الردی
وکان لنا کالحصن من دون اهله — له معقل حرز حریز من العدی
وکنا بمراه نری النور والهدی — صباحا مساء راح فینا او اغتدی

ترکِ علائقِ دنیا

الام تجرُّ اذیال التصابی — وشیبك قد نضا برد الشباب
بلال الشّیب فی فودیك نادی — باعلی الصوت حیّ علی الذهاب
طمعت اقامة فی دار ظعن — فلا تطمع فرجلك فی الرّکاب
خلقت من التراب وعن قریب — تُغَیَّبُ تحت اطباق التراب
اعامر قصرك المرفوع اُقصُر — فانك ساکن القبر الخراب

تم کہاں تک اپنی محبت کے دامن کو پھیلاؤ گے حالانکہ تمہاری پیری نے تمہاری جوانی کی چادر کو سپید کر ڈالا۔ تمہارا ہلالِ پیری تمہارے سر چڑھکر چلا چلا کر پکار اُٹھا کہ اُٹھو چلنے کے لیے۔ تم ہمیشہ اپنے گھر میں رہنے کے لالچ کرتے ہو۔ ایسی لالچ نہ کرو کیونکہ تمہارا پاؤں تو رکاب کے اندر ہے۔ تم مٹی سے پیدا کیے گئے ہو اور وہ دن بہت قریب ہے کہ تم مٹی کے پردوں میں چھپا دیے جاؤ۔ اے محلِ رفیع کی بنانیوالو! اُنکا بنانا کم کرو کیونکہ تم تو اصل میں ویران قبر کے رہنے والے ہو۔

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

قریح القلب من وجع الذنوب — نحیل الجسم یشهق بالنحیب
اضرّ بجسمه سهر اللیالی — فصار الجسم منه کالقضیب
وغیّر لونه خوفٌ شدیدٌ — لما یلقاه من طول الکروب
ینادی بالتضرّع یا الٰهی — اقلنی عثرتی واستر عیوبی
فزعت الی الخلائق مستغیثا — ولم ار فی الخلائق من مجیب
وانت مجیب من یدعوك ربّی — وتکشف ضرّ عبدك یا حبیبی
وداءٌ باطنٌ ولدیك طبٌّ — ومن لی مثل طبّك یا طبیبی

پروردگارا! آج تجھے وہ ضعیف الجسم جس کا دل گناہوں سے دردمند ہو رہا ہے تجھ کو رو رو کر پکار رہا ہے۔ شب بیداریوں نے اُس کے جسم کو ضرر پہنچایا ہے اور اُسکے جسم کو سوکھی ہوئی شاخ کے ایسا بنایا ہے۔ خوفِ شدید نے اُس کے رنگ کو متغیّر کر دیا ہے اور وہ اپنے طولِ مصیبت سے نہیں دیکھ سکتا۔ میری لغزشوں کو کم کر دے اور میرے عیوب کو چھپا دے۔ وہ نہایت منت وزاری سے تجھ سے دعا کرتا ہے۔ اے پروردگار! میں نے تمام خلائق سے فریاد کی۔ مگر ان میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جو میری فریاد کا جواب دیکر میری اعانت کرتا۔ اے پروردگار میرے! تو البتّہ اُن لوگوں کا جواب دیتا ہے جو تجھ کو پکارتے ہیں۔ اے پروردگار میرے! تیرے ایسا میرے لیے کوئی طبیب نہیں ہے۔ میرے دل کے درد کا علاج تیرے پاس ہے۔

ہم نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے کلامِ معجز نظام کا ایک مختصر خلاصہ لکھدیا ہے۔ جسے ہم اپنے

موجودہ مدعا کے اظہار کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ انکے ایک شعر میں اخلاقی تعلیم جو اہلِ عرب کی سی مبتدی تہذیب کے لیے کتنی ضروری اور مفید بھی کیسے سچے اور ستھرے الفاظ میں پہنچائی گئی۔ حلم۔ ادب۔ تہذیب۔ شائستگی۔ مفاخرت بیجا سے پرہیز۔ شکر نعمت اور موعظت سے لیکر خدائتعالےٰ شانہ کی مناجات تک کے مضامین جو اپنی خوبی۔ سلاست اور فصاحت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ کیسے پُراثر اور پاکیزہ الفاظ میں بتلائے گئے ہیں۔ اب ہم ایسے اخلاقی اور روحانی مضامین کے مقابلہ میں عرب کے اگلے اور بیہودہ اور فحش کاموں کو یاد دلاکر ناظرینِ کتاب کو کیوں بدمزہ کریں۔ امراء القیس۔ نابغہ اور نجاشی وغیرہم کے قصائد اور اُن کے شواہد اور معشوق کی مدحیات اور اُنکے تعیش اور طرزِ معاشرت اب بھی اُنکے کلام سے ظاہر اور ثابت ہیں۔ جو اس وقت تک اطرافِ عالم میں عام طور سے ذائع وشائع ہیں۔

اتنے مضامین کو پڑھکر جو دنیا کو اخلاق کی کافی تعلیم دیتے ہیں کوئی شخص کبھی مُنہ پھیر کر بھی شعرائے عرب کے قدیم اشعار کی طرف نہیں دیکھیگا۔ یہ اشعار اور اُنکے مضامین دنیا کی تہذیب اور اخلاق کو سرے سے بگاڑ دینگے۔ ان کے برعکس جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے کلام تمام دنیا کو تہذیب۔ اخلاق اور شائستگی کا سبق دینگے۔ ہادی کا کلام بھی ہادی ہونا چاہیے۔ اور ہادی کا کام ہدایت۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام تمام اہلِ اسلام کی ہدایت کے ذمّہ دار تھے۔ ضرور تھا کہ وہ ہر قرینہ سے۔ ہر ذریعہ سے۔ اُن کی ہدایت، صلاح اور رفاہ کے اسباب درست فرماتے۔

خطباتِ مرتضوی جو ابھی اوپر لکھے گئے اُن میں ملکی احکام۔ ہدایتِ عامّہ کو ارشادات بوعظ اور روزمرّہ کی گفتگو ایک ایک کرکے درج ہیں۔ ان میں سے کوئی خطبہ ایسا نہیں ہوگا جس میں اہلِ اسلام کی دینی۔ دنیوی۔ اخلاقی اور روحانی تعلیم و ہدایت کی انتہادرجہ تک کوشش نہ فرمائی گئی ہو اور ان میں سے کسی امر کے متعلق کوئی ایسی فردگذاشت نہیں لیگئی جس میں اُن کی ہدایت اور تعلیم دونوں کا لحاظ نہ رکھّا گیا ہو۔ اگر اخلاق کی نسبت ہدایت فرمائی گئی تو پھر اُس کے تمام ضروری اور مفید امور بتلا دیے گیے۔ اگر دینیات کی تعلیم دی گئی تو اُس کے متعلق تمام مضامین اوّل سے آخر تک دکھلا دیے گئے۔

عرب میں مذاق شاعری قدیم سے چلا آتا ہے اور ہر شخص اسکو قدر سے دیکھتا تھا مگر جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے ذاتی اعزاز اپنے کلام کی شہرت کے محتاج نہیں تھے۔ سلطان الشعراء یا ملک الشعراء کا خطاب امیر المؤمنین کے لقب سے زیادہ مناسب اور موزوں نہیں ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو اس فن میں اپنا کمال دکھانا کیا موقعہ جس ضرورت نے دیا تھا وہ یہی اہلِ اسلام کی ہدایت اور اُنکے بیہودہ مذاق اور فحش خیالات کی اصلاح تھی۔ اور کچھ نہیں۔ اسلام نے اس وقت تک اہلِ عرب کو جو کچھ سمجھایا تھا وہ صرف خطبات اور عام موعظ کے طریقہ میں۔ کیونکہ اُن کو جو کچھ بتلایا گیا وہ وحی کی آیات اور حدیث کی عبارات ہیں۔ اسلام کی دینی اور دنیوی۔ اخلاقی اور روحانی تعلیمیں نظمی پیرایہ میں اس وقت تک بالکل اچھوتی تھیں۔

اور اس میں شک نہیں کہ عرب کی شعر پسند طبیعتیں جو ایک مدتِ دراز سے شاعرانہ مذاق کی ساتھ دلچسپی کا فطرتی تعلق رکھتی تھیں وہ اسلامی مواعظ اور اُس کے اخلاقی محاسن کی تعلیموں کو ایک حد تک ضرور نظم کے خاص پیرایہ میں تلاش کرتی تھیں۔ اُنکو عکاظ کے میلے۔ وہاں کے جلسے۔ ایامِ حج کی شاعرانہ صحبتیں۔ اُنکی پرجوش طبع آزمائیاں اور پُرزور قصائد ابھی تک یاد تھیں۔ وہ اُن امور کو اسلام کی معجز نما تعلیموں میں ضرور ڈھونڈھتی تھیں۔ حسان ابن ابی کعب۔ عبداللہ ابنِ رواحہ وغیرہم سے اسلامی شاعری کا دائرہ خالی نہیں تھا۔ اور نہ نبوت کے بعد خلافت کا زمانہ ایسے ذی جوہر بزرگوں سے محروم تھا مگر اس کی طرف کوئی مخصوص توجہ نہیں کیجاتی تھی۔ اس وجہ سے اس وقت تک شاعری کے پیرایہ میں اسلام کی ہدایت کا پارٹ ادا نہیں کیا گیا تھا۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے تردد اور پریشانیوں کی موجودہ حالتوں پر بھی اسلام کی ہدایت کے منصب کو اس خاص پیرایہ میں بھی اُسی مستعدی اور سرگرمی سے اُسی طرح ادا فرمایا جس طرح امارتِ مؤمنین کے فرائض کو۔ اور اس میں شک نہیں کہ اسلام کی ہدایت کے متعلق ایجاد کا سہرا آپ کی ذاتی قابلیت اور جامعیت کے سر چڑھا۔

ہمارے اس خلاصۂ اشعارِ مرتضوی کو پڑھکر اور آپ کے تمام اخلاقی اور روحانی تعلیموں سے بھرے ہوئے دلکش اور پُراثر مضامین پر غور کرکے ہر شخص خود بخود فیصلہ کرسکتا ہے کہ آپ کے یہ مضامین۔ اُنکے مطالب۔ کیسی سچی تہذیب۔ صفائی اور شائستگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ عرب کی بیس برس پہلے کی شاعری پر اگر غور کیا جائے تو اُس میں کہیں ان مضامین کا پتہ نہیں لگتا۔ اِن اشعار کی پاکیزگی اور جدتِ مضامین وہی اصلاح بتلا رہی ہے جو فی زماننا ہندوستانی۔ فارسی اور اُردو بلکہ تمام ایشیائی شعر و سخن کے لیے تجویز ہو رہی ہے۔ اُسی چودہ سو [۱۴۰۰] برس پہلے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام تجویز فرما چکے ہیں۔

ان ملکوں کے شعر و سخن کو جن حدود تک محدود ہونا چاہیے وہ نمونہ کے طور پر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام خود دکھلا چکے ہیں۔ اگر اُسی وقت اہلِ اسلام نے اپنی شاعری کا رنگ بدل دیا ہوتا تو عرب سے یہ عاشقانہ مذاق نہ ایران میں آتا اور نہ ایران سے ہندوستان میں۔ اور موجودہ زمانہ میں ایشیائی شاعری کو بیرونی الزامات سے محفوظ رکھنے کا پورا موقعہ حاصل ہوتا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کے مفید نصائح

ہم ابھی ابھی اوپر کے مضامین میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے کمالِ علمی اور جامعیت لکھ چکے ہیں جس کا اعتراف اسلام کے ہر طبقہ اور فرقہ والے نے کیا ہے۔ انکی جامعیت۔ قابلیت اور کمال نے اسی طرح ہر زمانہ کے اور ہر قوم و ملت کے بڑے بڑے لیاقت والے علماء سے ان علمی وسعت تحقیقات حسن کلام فصاحت و بلاغت۔ غرض تمام جامعیت کا کامل اعتراف کرایا ہے۔

اب ہم جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے وہ ارشادات اور احکام دکھلاتے ہیں جس سے سمجھ لیا جائیگا کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے عرب میں علمی مذاق پیدا کرنے کی کتنی کوشش فرمائی تھی اور اُن کے علمی سرمایہ کو کتنا وسیع کرنا چاہا تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی مقدس صحبت کبھی علمی تذکروں سے خالی نہیں رہی اور آپ کا کوئی خطبہ ایسا نہیں تھا جس سے علمی مطالب کا کچھ نہ کچھ استفادہ نہ ہوتا ہو۔ آپ کے مفید اقوال اور ضروری نصائح جو تحصیلِ علم کے متعلق ارشاد کیے گئے تھے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

تحصیلِ علم

ادی العلم فی ذل وجوع وفاقۃٍ وبعدٍ من الاٰباء والاھل الوطن لوکان کسب العلم سھل حرفۃٍ لماکان ذوجھل علی الارض فی الزّمن۔

میں علم کو ذلّت۔ بھوک۔ فاقہ۔ فرقتِ والدین۔ دوری وطن اور فراقِ اہل وعیال میں پاتا ہوں۔ اگر تحصیلِ علم کوئی سہل کام ہوتا تو روئے زمین پر کوئی کسی زمانہ میں جاہل نہ ہوتا۔

کمیل ابنِ زیاد نخعی کو مخصوص تاکید

قال کمیل بن زیاد اخذ بیدی امیر المؤمنین علی بن ابیطالبؑ فاخرجنی الی الجبّان فلمّا اصحر تنفّس الصعداء ثم قال یاکمیل ان ھٰذہ القلوب اوعیۃ فخیرھا اوعاھا فاحفظ عنی ما اقول لک النّاس ثلٰثۃ فعالم ربّانی ومتعلم علی سبیل نجاۃ وھمجٌ رعاعٌ اتباع کلّ ناعقٍ یمیلون مع کلّ ریحٍ لم یستضیئوا بنور العلم ولم یلجاؤا الی رکن وثیقٍ یاکمیل العلم خیر من المال المال تنقصہ النّفقۃ والعلم یزکو علی الانفاق وصنیع المال یزول بزوالہ صنیع العلم لا یزول۔

کمیل ابن زیاد نخعی ناقل ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام نے میرا ہاتھ تھاما اور صحرا کی طرف چلے جب ہم لوگ صحرا کے قریب پہنچے تو آپ نے ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا اے کمیل! ہمارے دل ظروف کی مثال ہیں۔ عمدہ دل وہی ہیں جن میں عمدہ عمدہ باتیں بھری جائیں۔ دیکھو۔ جو میں تم سے کہتا ہوں اُسے یاد رکھو۔ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اوّل عالمِ ربّانی۔ جو خدائے سبحانہ وتعالےٰ کو اُس کے حد یقین تک پہچانتا ہے۔ دوم متعلّم جو تحصیلِ معرفت میں کوشش کرتے ہیں۔ سوم سفلہ۔ نہ اُن میں علم ہے اور نہ تحصیلِ علم کی طرف اُنکی کوئی خواہش دیکھی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کوئی حکم اور اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اِنکو جس کسی نے آواز دی یہ اُسی کے ہو رہے۔ اور جس ہوا نے چاہا اُن کو اپنی جگہ سے اُکھاڑ پھینکا۔ اِنکے پاس نورِ علم نہیں ہے کہ یہ اُس سے روشنی حاصل کریں۔ اور اپنی پیٹھ کو کسی مستحکم ستون سے لگائیں۔ خدا کی معرفت میں استقلال حاصل کریں۔ اے کمیل! علم بہتر ہے مال سے اسلیے کہ علم تمہاری محافظت کریگا اور تم کو تہلکہ سے بچائیگا۔ اور مال تمہاری محافظت کا آپ محتاج ہے۔ اگر تم اُس کی حفاظت نہ کرو تو وہ ضائع ہو جائیگا۔ مال بانٹنے اور تقسیم کرنے سے کم ہو جائیگا اور علم جس قدر بانٹا جائیگا بڑھتا رہیگا۔ اور وہ تمام اسباب جن کو مال سے تعلق ہے تمہارے زوال پانے کے وقت

زوال پذیر ہو جائینگے۔ مگر تمہارے علمی آثار ہمیشہ برقرار رہینگے۔
یا کمیل معرفة العلم دین یدان به یکسب الانسان الطاعة فی حیاته وجمیل الاحدوثه بعد وفاته والعلم حاکم والمال محکوم علیه یا کمیل هلك خزان الاموال وهم احیاء والعلماء باقون ما بقی الدهر اعیانهم مفقودة وامثالهم فی القلوب موجودة۔
اے کمیل! تحصیل علم ایسی شرافت ہے جو تمہارے ارکانِ دین میں داخل ہے کہ اُسپر تم کو اعتماد ہونا چاہیئے اور اُسکو اپنے فرائض میں شمار کرنا چاہیے۔ اپنی حیات کے زمانہ میں علم کے ذریعہ سے معرفت حاصل کرو اور اپنی وفات کے بعد محاسن ومحامد کے اچھے اچھے اشلہ یادگار چھوڑ جاؤ۔ عالم حاکم ہے مالدار محکوم جس مقام میں علم کا اظہار کیا جائیگا مال اُس سے حاصل کیا جائیگا۔ اے کمیل! زیادہ تر وہی لوگ تباہ وبرباد ہوئے جنہوں نے مالوں کو خزانوں میں داخل کیا۔ ہرچند وہ اپنی ظاہری صورتوں میں زندہ شمار کیے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں علم والے اُس وقت تک زندہ باقی ہیں جس وقت تک زمانہ باقی ہے۔ ہرچند کہ وہ اپنی ظاہری صورتوں میں مردہ کی مثال ہوتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں اگرچہ اُن کی ذات نہیں پائی جاتی لیکن اُن کی قابلیتوں کے آثار باقی رہجاتے ہیں۔
علم کے اوصاف پڑھ لیے گئے۔ اب عقل کے محاسن ملاحظہ ہوں۔ ہم اسکی ذیل میں سب سے پہلے اُن مختصر اور مفید نصائح کو درج کرتے ہیں جو امیر المؤمنین علیہ السلام نے بہ سبیلِ تذکرہ اپنے اصحاب سے ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ نصائح اپنے اُن مطالب میں اصلاح حال۔ درستیٔ امور۔ ترتیبِ تہذیب اور تمام اخلاقی اور روحانی تعلیمات کے متعلق کامل طور سے ایک بہت بڑے معلم کا کام دیتے ہیں۔

جناب امام حسن علیہ السلام سے محاسن عقل کی تعریف

قال امیر المؤمنین علیه السلام لابنه حسن علیه السلام یا بنی احفظ عنی اربعا واربعا لا یضرك ما عملت معهن ان اغنی الغنی العقل واکبر الفقر الحمق واوحش الوحشة العجب واکرم الحسب حسن الخلق یا بنی ایاك ومصادقة الاحمق فانه یرید ان ینفعك فیضرك وایاك مصادقة البخیل فانه یبعد عنك احوج ما تکون الیه وایاك مصادقة الفاجر فانه تبعك بالتافه وایاك ومصادقة الکذاب فانه کالسراب یقرب علیك البعید ویبعد علیك القریب۔

یہ وہ نصیحت ہے جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن علیہ السلام کو فرمائی تھی۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ بیٹا چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی اختیار کرے تو کبھی نقصان نہ اُٹھائے اور وہ اپنے تمام مقصود سے غنی ہو جائے۔ تمام چیزوں کے استغنا سے عقل کا استغنا بہتر ہے۔ اور تمام دنیا کی ناداریوں سے حماقت کی ناداری بدتر ہے۔ اور دنیا کی تمام وحشتوں سے تکبر اور خودبینی کی وحشت ہے۔

اور دنیا کی شرافتوں سے اعلےٰ محاسن اخلاق کی شرافت ہے۔ بیعقل لوگوں سو اپنے آپ کو بچاؤ۔ کیونکہ اُسکی بے عقلی اگرچہ تمہارے لیے مفید بھی ثابت ہو مگر اگر تم اُسکے فائدوں پر غور کرو تو وہ فائدے تمہارے حق میں عین نقصانات ثابت ہونگے۔ بخیل کی دوستی سے بھی پرہیز کرو۔ اُس کی محبت تم کو کاہل اور سُست کر دیگی۔ بڑے لوگوں کی دوستی سے بھی احتیاط کرو کیونکہ اُن کی محبت تمکو بھی آوارہ کر دیگی جو آخر میں تمہاری بدمزگی کا باعث ہوگی۔ جھوٹ بولنے والے لوگوں کی مصاحبت سے بھی پرہیز کرو کہ اُن کی دوستی تمہارے ساتھ سراب کی مثال ہوگی۔ وہ تمہارے دور کی چیزوں کو تمہارے نزدیک دکھلائیگی۔ اور تمہارے نزدیک کی چیزوں کو تم سے دور دکھلائیگی۔

ایضاً محاسنِ عقل

لا مالَ اَعْوَدُ مِنَ العقل ولا وحشۃ اوحشُ من العجب ولا عقل کالتدبیر ولا کرم کالتقویٰ ولا قرین کحسن الخلق ولا میراث کالادب ولا قائد کالتوفیق ولا تجارۃ کالعمل الصّالح ولا ربح کالثواب ولا ورع کالوقوف عند الشبھۃ ولا زھد کالزھد فی الحرام ولا علم کالتفکر ولا عبادۃ کأداء الفرآئض ولا ایمان کالحیاء والصبر ولا حسب کالتواضع ولا شرف کالعلم ولا مظاھرۃ اوثق من المشاورۃ (نہج البلاغۃ)

کوئی چیز عقل سے زیادہ مفید نہیں اور کوئی چیز خود بینی اور تکبر سے زیادہ وحشت دلانیوالی نہیں۔ اور کوئی بزرگی تقوے کی برابر نہیں اور کوئی رفیق خوش خلقی اور محاسنِ اخلاق کے برابر نہیں۔ اور کوئی میراث ادب سے اچھی نہیں۔ اور کوئی احتیاط اجتناب سے بہتر نہیں۔ اور کوئی پرہیز حرام چیزوں کے پرہیز سے بہتر اور سودمند نہیں اور کوئی علم بغیر اُس کی فکرِ مشیت کے نہیں۔ اور کوئی شرافت علم کے برابر نہیں ہے اور کوئی قوت مشاورت کی قوتوں سے زیادہ مستحکم نہیں ہوتی۔

شکرِ نعمت اور توبہ و انابت کی تاکید

من اُعطِیَ اربعًا لم یُحرَم اربعًا من اُعطِیَ الدّعاء لم یحرم الاجابۃ ومن اُعطِیَ التوبۃ لم یحرم القبول ومن اُعطِیَ الاستغفار لم یحرم المغفرۃ ومن اُعطِیَ الشکر لم یحرم الزّیادۃ۔

جس شخص کو چار چیزوں کی توفیق دنیا میں حاصل ہوئی وہ چار چیزوں سے کبھی محروم نہ رکھا جائیگا جس کو توفیق دعا کرنے کی ہوئی وہ کبھی اجابت اور قبولیت کی نعمتوں سے محروم نہ رکھا جائیگا۔ اور جس کو توبہ کی توفیق دیگئی وہ قبولِ توبہ سے محروم نہ رکھا جائیگا۔ اور جس کو استغفار کی توفیق ہوئی وہ آمرزش سے بے بہرہ نہ رکھا جائیگا اور جس کو شکر کی توفیق عنایت ہوئی وہ ازدیادِ نعمت کی سعادتوں سے محروم نہ رکھا جائیگا۔

محاسنِ اخلاق کی تفصیل

الجُود حارس الاعراض والحلم فِدام السفیہ والعفو زکاۃ الظفر والسُّلوُّ عوضك ممن غدر والاستشارۃ عین الھدایۃ وقد خاطر من استغنی برایہ والصبر یناضل الحدثان والجزع

من اعوان الزّمان واشرف الغنی ترك المُنیٰ وکم من عقل اسیر تحت هوی امیر ومن التوفیق حفظ التجربة والمودّة قرابة مستفادة ولا تامنّن ملوما۔

فیاضی تمہاری حفظِ آبرو ہے اور حلم تمہارے اُس کپڑے کے مانند ہے جو تم شیشہ کے مُنہہ پر اس غرض سے باندھتے ہو کہ تمہارے عروق میں کثافت نہ آئے۔ اسی طرح حلم تمہاری زبان سے غلیظ اور بُری باتوں کے نکلنے کو روکتا ہے۔ عفو تمہاری کامیابی کی زکوٰۃ ہے۔ جب تم اپنے حریف کے مقابلہ میں کامیاب ہو اور اُسپر فتح پاؤ تو تمہاری کامیابی کا کمال یہی ہے کہ تم اُسکے قصور معاف کردو۔ تسلّی اور اطمینان دلانا اُس شخص کا عمدہ عوض ہے جو تم سے غدر کرے اور مخالفت پر آمادہ ہو۔ مثلاً جب کوئی دوست تم سے غدر کرے اور محبّت کے باہمی معاہدہ توڑ ڈالے تو اپنے دل کو اُس کے فراق میں تسلّی دیا کرو کہ تسلّی سے اُسکے وصال کی باقیماندہ آرزو رفتہ رفتہ مردہ ہوجائیگی۔ جب یہ آرزو تمہارے دل سے مُردہ ہوجائیگی تو یہی تسلّی اور اطمینان تمہارے دل میں اُس کی محبّت کے عوض مستحکم ہوجائیں گے۔ مشورت لینا ہدایت کا چشمہ ہے۔ حقیقت میں اُس شخص نے ضرور آپ کو خطرہ میں ڈالدیا جس نے صرف اپنی رائے پر اعتبار کیا۔ اور ہر امر میں اپنی ہی غور و فکر پر اعتماد کیا اور دوسرے عقل والوں سے مشورت نہیں لی۔ بیشک وہ اپنے امور کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور کبھی ان خطروں سے نہ بچیگا۔ صبر حوادثِ زمان کے مقابلہ میں تیر اندازی کی جگہ ہے اور جزع یعنی گریہ و زاری حوادث کو قوّت دیتا ہے۔ یعنی جب کوئی آدمی دنیا کی مصیبتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے اور صبر کو اپنا شعار بناتا ہے تو گویا وہ اپنے مصائب کے مقابلہ میں اپنے صبر سے تیر اندازی کرنا چاہتا ہے۔ وہ اگر روتا پیٹتا ہے تو وہ اپنی حالتوں کو اور زیادہ کرتا ہے۔ شریف ترین استغنا ترکِ آرزو ہے۔ جو آدمی جس قدر اپنی آرزوؤں کو ترک کریگا اُسی قدر مطمئن رہیگا۔ بہت سی عقول اسیر ہیں اور بہت سی خواہشیں امیر۔ مناسب ہے کہ تمہاری خواہشیں تمہاری عقول کی محکوم بنائی جائیں تاکہ وہ امورِ دنیا و آخرت میں تمہاری مضرّت کا باعث نہوں۔ مگر بہت سی ایسی حالتیں ہوتی ہیں جس میں نفس محکوم اور عقل مغلوب ہوجاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے فساد پیدا ہوتے ہیں اور مصیبتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اپنی تجربات کا یاد رکھنا توفیقات میں شامل ہے۔ کیونکہ جس آدمی کے ساتھ توفیقاتِ الٰہی رفیق ہوتی ہیں اُس کو تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اُن تجربوں کو بھولنا نہیں چاہیے۔ اور اُن امور کی مضرّت کو نہ بھولے جس میں وہ پڑ چکا ہے۔ دوستی ایک تازہ قرابت ہے۔ جس شخص نے تمہارے ساتھ محبّت پیدا کی ہے حقیقت میں اُس نے تمہارے ساتھ ایک نئی قرابت قائم کی ہے۔ کیونکہ جتنی مدد تم کو اپنے قرابت والوں سے پہنچنے والی ہے اُس سے زائد یہ دوست تمہارے امور میں تم کو مدد پہنچائینگے۔ جو شخص کہ تم سے ملول ہو اور اُس ملال کے لیے تم پر کوئی سختی نہ کرتا ہو تو تم اُس سے مطمئن نہ رہو۔ یعنی ایسا شخص جو تمہاری طرف سے آزردہ ہوگا اور تم پر اُس کا اظہار نہ کرتا ہوگا وہ بیشک ان باتوں کو ہمیشہ اپنے دل میں لیے رہیگا۔

کمیل ابن زیاد نخعی کو موعظت

یا کمیل مُر اھلک ان یروحوا فی کسب المکارم ویدلجوا فی حاجۃ من ھو نائم۔

اے کمیل! تم اپنے لڑکوں سے کہو کہ محاسنِ اخلاق اور محامدِ عادات کی تحصیل میں کوشش کریں اور اُن کی کوششوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آیا جایا کریں۔

محاسنِ عادات

ان الطمع مورد غیر مصدر وضامن غیر وفی ربّما شرق شارب الماء قبل ریہ وکلّما عظم قدر الشیٔ المتنافس فیہ عظمت الرزیۃ لفقدہ والامانی تعمی اعین البصائر والحظ یاتی من لایاتیہ۔

طمع ایک ایسی اندر جانیوالی جگہ ہے جس سے باہر نکلنے کی کوئی جگہ ہے۔ اور طمع ایک ایسا ضامن ہے جو اپنے عہد پر کبھی وفا نہیں کرتا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ اکثر پانی پینے کے وقت آدمیوں کے حلق میں پانی رُک جاتا ہے یعنی انسان اپنی اطمینانی حالتوں میں غیر مطمئن ہو سکتا ہے۔ طمع سے جو اطمینان انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ انسان کا اطمینان پھر فوراً تکلیف سے بدل جاتا ہے جس چیز کی قدر و منزلت انسان کی آنکھوں میں زیادہ ہوتی ہے اور وہ ایسی ہوتی ہے کہ اُسکے حاصل کرنے میں دوسرے لوگ مضائقہ کرتے ہیں تو اُسکے نہ ملنے سے صدمے بھی اُسی قدر بڑے ہوتے ہیں۔ انسان کی دیکھنے والی آنکھوں کو اُسکی آرزوئیں اندھا کر دیتی ہیں اور پھر اُسکی یہ خواہشیں ہوتی ہیں کہ وہ چیزیں جو دوسروں کے حصہ میں آئی ہیں وہ اُسکے پاس چلی آئیں اور ایسا نہیں ہوتا۔

محاسنِ اخلاق کی تعلیم

کان لی فیما مضیٰ اخ فی اللہ وکان یعظمہ فی عینی صغر الدنیا فی عینہ وکان خارجا من سلطان بطنہ فلا یشتہی مالا یجد ولا یکثر اذا وجد وکان اکثر دھرہ صامتا فان قال بذّ القائلین ونقع غلیل السائلین وکان ضعیفا مستضعفا فان جاء الجدّ فھو لیثٌ غابٍ وصلّ وادٍ لا یدلی بحجّۃ حتی یاتی قاضیا وکان لا یلوم احدا علی ما یجد العذر فی مثلہ حتی یسمع اعتذارہ وکان لا یشکو وجعا الا عند برئہ وکان یقول ما یفعل ولا یقول ما لا یفعل وکان اذا غلب علی الکلام لم یغلب علی السکوت وکان علی ما یسمع احرص منہ علی ان یتکلم وکان اذا بدھہ امران ینظر ایھما اقرب الی الھوی فخالفہ فعلیکم بھذہ الخلائق فالزموھا وتنافسوا فیھا فان لم تستطیعوھا فاعلموا ان اخذ القلیل خیر من ترک الکثیر۔

ایک زمانہ میں ہمارا ایک بھائی تھا کہ خالصۃً للہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا۔ اور چونکہ دنیا اُس کی نگاہوں میں حقیر معلوم ہوتی تھی اِس لیے وہ میری آنکھوں میں بڑا معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوال کرنیوالوں کی تمام شبہات کا جواب دیتا تھا۔ وہ خود بھی ضعیف تھا اور دنیا کی نگاہوں میں بھی ضعیف معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جب مقابلہ کا

وقت آتا تھا تو شیر کی ایسی چھلانگیں مارتا تھا۔ لیکن اُسکو کسی کے ساتھ خصومت نہیں تھی۔ اور اُس کو اپنے کسی معاملہ میں قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور وہ کسی کی بُرائی نہیں کرتا کہ پھر اُس سے عذر خواہی کرنی ہو۔ وہ کسی بیماری کی شکایت نہیں کرتا تا وقتیکہ اُس سے شفا نہیں پالیتا۔ اگر کوئی گفتگو اُس سے کی جاتی تھی اور اُس میں اُس سے زیادتی کی جاتی تھی تو وہ چپ رہجاتا تھا۔ جو کچھ وہ کہتا وہ کر دکھلاتا جو اُسکو کرنا منظور نہیں ہوتا تھا اُس کو زبان سے کبھی نہیں کہتا تھا۔ دوسروں سے سن لینے کا وہ اپنے کہنے سے زیادہ خواہشمند تھا۔ جب اُس کو ایک وقت میں دو کام پیش آجاتے تھے تو وہ اُن کے انجام دینے سے پہلے سوچ لیتا تھا کہ ان میں سے کون ہماری نفسانیت کے قریب ہے جو اُس کے بُرے نفس سے قریب پایا جاتا تھا وہ اُس کو کبھی نہیں کرتا تھا اور جس امر کو ایسی خواہشوں سے تعلق نہیں رہتا تھا وہ وہی کام اختیار کرتا تھا۔ تم ایسے ہی سب اخلاق حاصل نہ کرسکو تو ان میں سے تھوڑا سیکھ لو کیونکہ تھوڑا سیکھ لینا سب ترک کر دینے سے بدرجہا بہتر ہے۔

مکارم عادات کی ہدایتیں

من نظر فی عیب نفسہ اشتغل من عیب غیرہ ومن رضی یرزق اللہ لم یحزن علی ما فاتہ ومن سلّ سیف البغی قتل بہ ومن کابد الامور عطب ومن اقتحم اللجج غرق ومن دخل مداخل السّوء اتّھم۔

جس شخص نے اپنے نفس کے عیوب پر نظر ڈالی وہ دوسرے کی عیوب گیری سے محفوظ رہا جس نے اپنے رزقِ معیّن پر قناعت کرلی پھر وہ اُس شے کے لیئے کبھی ملول نہ ہوگا جو اُس سے ضائع ہوگیا جس شخص نے بغاوت کی تلوار کھینچی وہ اُسی تلوار سے مارا گیا۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے سخت اور دشوار کاموں میں ڈالتا ہے آخرکار وہ ہلاک ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو گہرے دریا میں ڈالتا ہے اور اُس کے خطروں سے نہیں ڈرتا وہ ضرور ڈوب جاتا ہے۔ اور جو شخص بُری جگہوں میں جاتا ہے اگرچہ وہ بُرائیاں اُس میں ظاہر نہوں تاہم وہ بدنام ہوجاتا ہے۔ جو شخص زیادہ بکنے کا عادی ہے اُس سے خطا ضرور ہوتی ہے۔ اور جس سے بکثرت خطا ہوتی ہے اُس سے حیا کم ہوجاتی ہے۔ اور جس کی حیا جاتی رہتی ہے اُس سے خداترسی کا مادّہ کم ہوجاتا ہے۔ اور جس سے خداترسی کا مادّہ کم ہوجاتا ہے اُسکا دل مُردہ ہوجاتا ہے۔ اور جسکا دل مردہ ہوجاتا ہے وہ ضرور دوزخ میں جاتا ہے۔ اور جو موت کو بہت یاد کرتا ہے وہ دنیا کی لذّتوں پر بہت کم مائل ہوتا ہے۔ اور جو شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہمارے کلام بھی ہمارے افعال کے ایسے ہمارے اعمال میں داخل ہیں وہ ضرورت کے وقت کے سوا اور کبھی نہیں بولتا۔

جابر انصاری کی موعظت

یا جابر قوام الدّین والدّنیا باربعۃ عالم مستعمل علمہ وجاھل لا یستنکف ان یتعلّم

وجواد لا یبخل بمعروفه وفقیر لا یبیع اخرته بدنیاه۔

اے جابرؓ دین و دنیا۔ دونوں کا قیام چار چیزوں پر ہے۔ ایک اُس عالم پر جو ہمیشہ اپنے علم کو عمل میں لاتا ہو۔ دوم اُس جاہل پر جو علم کو عار اور ذلت نہیں سمجھتا۔ تیسرے اُس مالدار پر جو اپنے مال میں بخالت نہیں کرتا۔ چوتھے اُس فقیر پر جو آخرت کو دنیا کے ہاتھ نہیں بیچدیتا۔

ایضاً

للمؤمن ثلاث ساعات فساعة یناجی فیها ربه وساعة یرم فیها معاشه وساعة یخلی فیها بین نفسه وبین لذتها فیما یحل ویجمل ولیس عاقل ان یکون شاخصا الا فی ثلث مرمة لمعاش او خطوة فی معاد او لذة فی غیر محرم۔

مومن کا فرض ہے کہ اپنی حیات کے زمانہ کو تین حصوں پر تقسیم کرے۔ ایک وقت عبادت کے لیے علیحدہ کرلے۔ دوسرا وقت کسب معاش اور خانہ داری کے امور میں صرف کرے۔ تیسرے وقت میں وہ آرام کرے اور اُن چیزوں سے معاشرت کرے جو اُسکے لیے حلال کی گئی ہیں۔ ہر عقلمند آدمی کا فرض ہے کہ وہ اپنے وقت کو خاصکر اِن کاموں میں صرف کرے۔ یا تو خدا کی عبادت کرے۔ اپنی ضرورت کے اسباب درست کرے۔ کسب معاش کے طریقے سوچے۔ امورِ خانہ داری کی اصلاح کرے اور محنت کے بعد آرام و معاشرت میں مصروف ہو۔

ادائے فرائض کی تاکید

انما هو عید لمن قبل الله من صیامه وشکر قیامه وکل یوم لا یعصی الله فیه فهو عید۔ عید اُسکے لیے ہے جس کے روزے اور راتوں کے قیام خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے قبول فرمالیے ہوں جس دن ہم نے خدا کا کوئی گناہ نہیں کیا اُسی دن عید ہے۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے حکیمانہ مقولے

من عرف نفسه فقد عرف ربه۔	جسنے اپنی نفس کو پہچانا اُسنے خدا کو پہچانا۔	لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔	اگر پردہ اُٹھ بھی جائے تو یقین زیادہ نہ ہو۔
لا تنظر الی من قال و انظر الی ما قال۔	قائل کو نہ دیکھو اُس کے قول کو دیکھو۔	لا ظفر مع البغی۔	بغاوت میں فتحمندی نہیں۔
لا بر مع الشح	نیکی بخل کے ساتھ نہیں ہو سکتی	لا ثناء مع الکبر۔	غرور کی تعریف نہیں۔
لا شرف مع سوء الادب۔	بےادبی کے ساتھ شرف نہیں ہوتا۔	لا صحت مع الھم۔	غم کے ساتھ صحت نہیں
لا اجتناب لمحرم مع الحرص۔	حرص کے ساتھ حرام سے پرہیز نہیں ہو سکتا۔	لا راحت مع الحسد لا سود مع الانتقام۔	حسد کے ساتھ راحت نہیں انتقام سے فائدہ نہیں۔
لا صواب مع ترک المشورة۔	صواب رائے ترک مشورہ میں نہیں ہے۔	لا محبة مع المراء۔	خصومت کے ساتھ محبت نہیں۔
		لا عز اعز من	خوف خدا سے زیادہ کوئی

من التقویٰ۔	بزرگی نہیں۔	لاشرف اعلیٰ من الاسلام۔	اسلام سے اعلیٰ کوئی شرف نہیں۔
لاوفاء للملول۔	مریض سے وعدہ وفائی مشکل ہے۔	لامعقل احسن من العقل	عقل سے بہتر کوئی جائے پناہ نہیں۔
لاشفیع انجح من التوبة۔	توبہ سے زیادہ کوئی شفیع نہیں	لالباس اجمل من العافیة۔	کوئی لباس عافیت سے بہتر نہیں۔
لاداء اعیا من الجهل۔	جہالت سے بدتر کوئی بیماری نہیں۔	لامرض اضنی من قلة العقل۔	کمی عقل سے زیادہ کوئی مضمن مرض نہیں۔
الناس نیام فاذا ماتوا انتبهوا۔	لوگ سو رہے ہیں۔ مرینگے تو جاگینگے۔	اذا تم العقل نقص الکلام۔	عقل کامل ہوتی ہے تو کلام کم ہو جاتے ہیں۔
نعمة الجاهل کروضة علیٰ من بلةٍ۔	جاہل کی دولت گھورے پر کا باغ ہے۔	قلب الاحمق فی فیه۔	بیوقوف کا قلب اسکے منہ میں ہے۔
لسان العاقل فی قلبه۔	عقلمند کی زبان اسکے دل میں ہے۔	المقل غریب فی بلدته۔	مرد مفلس اپنے شہر میں غریب ہے۔
الغنی فی الغربة وطن و الفقر فی الوطن غربة۔	مالدار کے لیے غربت میں بھی وطن ہے اور مفلس کے لیے وطن میں بھی غربت ہے۔	سیئة تسوءك خیر عند الله من حسنة تعجبك۔	تمہارے وہ گناہ جنکے لیے تم غمگین ہو اُن نیکیوں سے اچھے ہیں جن پر تم مغرور ہو۔
التودد نصف العقل۔	سب سے میل رکھنا نصف عقل ہے۔	فقد الاحبة غربة۔	دوستوں کی کمی غربت ہے۔
لاتستحیی من اعطاء القلیل فان الحرمان اقل منه۔	تھوڑا دینے سے شرمندہ نہ ہو کیونکہ بالکل محروم رکھنا اُس سے ذلیل تر ہے۔	القناعة مال لاینفد۔	قناعت وہ دولت ہے جو زوال پذیر نہیں۔
رای الشیخ احب الی من جلد الغلام۔	بوڑھوں کی رائے میرے نزدیک جوانوں کی تلواروں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔	اللسان سبع ان خلی عنه عقر۔	زبان کاٹ کھانے والا جانور ہے اگر وہ چھوڑ دیا جائے۔
اضاعة الفرصة غصة۔	وقت فرصت کا ضائع کرنا ملال کا باعث ہوتا ہے سنگ در دست و مار بر سر سنگ نکند مرد ہوشیار درنگ۔	من قصر فی العمل ابتلی بالهم۔	جو شخص کام کرنے میں سستی کرتا ہے وہ ضرور غم میں مبتلا ہوتا ہے۔
الفقر موت الاکبر۔	ناداری بہت بڑی موت ہے۔	الاعجاب یمنع من الازدیاد	غرور ترقی کا مانع ہے۔
آلة الریاسة وسعة الصدر۔	ریاست کا آلہ کشادہ دلی ہے۔	الطمع رق مؤبد۔	طمع ہمیشہ کی غلامی ہے۔
المرء مخبوء تحت لسانه۔	آدمی اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔	صحة الجسد من قلة الحسد	جسم کی صحت قلت حسد پر منحصر ہے۔
المرأة شر کلها و شر ما فیها انه لابد منها۔	عورت سراپا بدی ہے اور سب سے زیادہ برائی جو اُس میں ہے وہ یہ ہے کہ بغیر اسکے چارہ نہیں۔	ماء وجهك جامد یقطره السؤال فانظر عند من یقطر۔	تیری آبرو پسینہ کی مثال ہے کہ سوال کرنے اور مانگنے سے ٹپک جاتی ہے۔

اشد الذنوب ما استهان به صاحبه۔	سب سے زیادہ سخت وہ گناہ ہے جسے گناہ کرنیوالا خفیف جانتا ہو۔
من الخرقة المعاجلة قبل الامکان والاناة بعد الفرصة۔	دو چیزیں عقل کی علامتیں نہیں ہیں۔ ایک کسی کام میں اُسکے وقت سے پہلے جلدی کرنا۔ دوسرے اُسکے وقت پہنچنے پر سستی اور غفلت کرنا۔
منھومان لایشبعان طالب دنیا و طالب العلم۔	دو بھوکوں کی سیری نہیں ہوتی ایک طالب زر دوسرا طالب علم۔
الغنی ترك المنی۔	عمدہ تونگری قطع آرزو ہے۔
افضل الزھد اخفاء الزھد۔	سب سے اچھا وہ زہد ہے جو چھپایا جائے۔
فاعل الخیر خیر منه و فاعل الشر شر منه۔	نیکی کرنیوالا نیکی سے بہتر ہے۔ بدی کرنیوالا اُس بدی سے بدتر ہے۔
قدر الرجل علی قدر ھمته وصدقه علی قدر مروته وشجاعته علی قدر انفته وعفته علی قدر غیرته۔	انسان کی قدر اُسکی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔ اور اُسکی راستی کی قدر اُس کی مروّت کے اندازے پر اُسکی شجاعت کی قدر اُسکی غیرت کے موافق ہوتی ہے اور اُس کی غیرت اُس کی لیاقت پر منحصر ہوتی ہے۔
احذروا صولة الکریم اذا جاع واللئیم اذا شبع۔	کریم کے حملہ سے اُس وقت ڈرو جبکہ وہ بھوکا ہو اور لئیم سے اُس وقت جب وہ سیر ہو۔
اکبر العیب ان تعیب ما فیك مثله۔	سب سے بڑا عیب وہ ہے جسکو لیے تم دوسروں کو عیب لگاؤ۔ حالانکہ وہی تم میں موجود ہو۔
الدھر یومان یوم لك یوم علیك فاذا کان لك فلا تبطر واذا کان علیك فاصبر۔	زمانہ کی مدت دو روز ہے ایک روز تمہارے لیے اور تم دوسرے روز کے لیے ہو۔ جو روز تمہارا ہے تم اُسپر نازاں مت ہو اور جس روز کے لیے تم ہو اُس پر صبر کرو۔
فکفاك ادبا لنفسك اجتناب ما تکرہ لغیرك۔	تحصیل ادب کے لیے اتنا کافی ہے کہ جو امور تم دوسروں میں نہ پسند کرو اُس سے خود پرہیز کرو۔
من اسرع الی الناس بما یکرھون قالوا فیه بما لا یعلمون	جو شخص کسی کے حق میں اُن باتوں کو جائز رکھے جسے وہ خود اچھا نہ سمجھتا ہو تو دوسرے لوگ اُسکے حق میں وہ باتیں کہینگے جو اُس میں نہیں ہیں۔
لا قربة بالنوافل اذا اضرت بالفرائض۔	اُن نوافل کا کچھ حاصل نہیں جن سے ادائے فرائض میں خلل پڑے۔
الظفر بالحزم والحزم باجالة الرای والرای بتحصین الاسرار۔	فتحیابی دوراندیشی پر منحصر ہے اور دوراندیشی رائے پر موقوف ہے اور حسن رائے تحفظ اسرار پر منحصر ہے۔
عیبك مستور ما اسعدك	تمہارے عیب بھی پوشیدہ ہیں

جدّك۔	جبتک تمہارا زمانہ بنا ہوا ہی۔
لاغنی کالعقل ولا میراث کالادب ولا ظہیر کالمشاورۃ۔	کوئی اطمینان عقل کی اطمینان سے بہتر نہیں ہے اور نہ کوئی میراث ادب سے اور نہ کوئی معین مشاورت سے بہتر ہے۔
المرءۃ عقرب حلوۃ اللبسۃ (اللسعۃ)	عورتیں بچھو ہیں۔ اُن کے کاٹنے میں بھی مزا ہے۔
قیمۃ کلّ امرء ما یحسنہ	انسان کی قیمت اُسکے محاسن ہیں۔
نزل المعونۃ علی قدر المؤنۃ	اعانت قدر ہمت پر منحصر ہے۔
خذ الحکمۃ انّی کانت فان الحکمۃ تکون فی صدر المنافق۔	حکمت حاصل کرو اگرچہ وہ کسی منافق کے سینہ ہی میں ہو۔
ما اختلفت دعوتان الا کانت احدھما ضلالۃ۔	دو مختلف دعوے کبھی ایسے نہیں ہونگے جس میں ایک ناحق نہ ہو۔
الھمّ نصف الھرم۔	نصف غم پیری ہے۔
من استبدّ برایہ ھلک	جو خود رائی کرتا ہی وہ ہلاک ہوتا ہی۔
ترک الذّنوب اھون من طلب التوبۃ۔	ترک معاصی طلب توبہ سے ضروری ہے۔
اللجاجۃ تسل الرّای۔	خوشامد عقل کو کند کر دیتی ہی۔
کلّ وعاء یضیق بما جعل فیہ الاوعاء۔	ظرف میں جب کوئی چیز رکھتے ہیں تو اُس ظرف کی وسعت کم ہو جاتی ہے مگر ظرف علم جب اُس میں علم رکھا جاتا ہے تو وہ اور وسیع ہو جاتا ہی۔
من طلب شیئا نالہ او بعضہ	جو شخص جس چیز کی خواہش کریگا پائیگا۔
کلّ مقتصر علیہ کاف۔	جس چیز پر قناعت کیجائیگی وہی کافی ہو جائیگی۔
اولی الناس بالعفو اقدرھم علی العقوبۃ۔	وہی عمدہ آدمی ہی جو باوجود قدرت کے لوگوں کو معاف کر دیتا ہی۔
المال مادّۃ الشھوات۔	دولت تمام خواہشات نفسانی کا مادّہ ہے۔
فوت الحاجۃ اھون من طلبھا الی غیر اھلھا۔	کسی خواہش کا بھلا دینا اس سے بہتر ہے کہ کسی نااہل سے اُسکی خواہش کیجائے۔
من نصب نفسہ للنّاس اماما فلیبدأ بتعلیم نفسہ قبل تعلیم غیرہ ولیکن تادیبہ بسیرتہ قبل تادیبہ بلسانہ ومعلم نفسہ ومودبھا احق بالاجلال من معلم النّاس ومودبھم۔	جب کوئی آدمی اپنی ذات کو کسی قوم کا ہادی بنائے تو اُسکو لازم ہی کہ وہ غیروں کی تعلیم سے پہلے اپنی ابتدا کرے اور دوسروں کو ادب کی تعلیم دینے سے پہلے اپنے آپ کو مودّب بنائے اور جو شخص اپنے آپ کو مودّب بنائے تو اُسکی تعظیم ادب دینے والی سے زیادہ ہے۔
من شاور الرّجال شارکھا فی عقولھا۔	جو صاحبان عقل سے مشورہ کرتا ہے وہ اُنکی عقل میں شریک ہو جاتا ہے۔
ثمرۃ التفریط الندامۃ و ثمرۃ الحزم السّلامۃ۔	غفلت کا نتیجہ ندامت اور احتیاط کا نتیجہ سلامتی و صحت ہے۔
من لان عودہ کثفت اغصانہ۔	جسکی جڑ نرم ہوگی اُس میں شاخیں کثرت سے ہونگی۔
الکرم اعطف من الرّحم۔	فیاضی قرابت سے زیادہ مہربان ہی۔
النّاس ابناء الدّنیا ولا یلام الرّجل علی حب امّہ۔	انسان دنیا کے فرزند ہیں اور کوئی لڑکا ماں کی محبت کی وجہ سے ملزم نہیں کہا جا سکتا۔

ہم نے اپنے اِس باب میں جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی اُس نایاب ذخیرہ سے نہایت اختصار کے ساتھ ایسی مختصر اور چھوٹی چھوٹی نصیحتیں۔ حکیمانہ مقولے اور پُر معنی نُکتے ناظرین کے پیش کر دیے ہیں جن سے بڑے بڑے مفید اور ضروری فائدے اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ اگر یہ غور سے پڑھے جائیں اور اپنی لغزشوں کی اصلاح کیجائے تو پھر کبھی محاسن اخلاق۔ تہذیب۔ شائستگی۔ دانشمندی اور تمام اخلاقی اور روحانی فروگزاشتوں کی گرفت کا شبہہ بالکل جاتا رہے۔

یہ دینی دنیوی۔ اخلاقی اور روحانی نصیحتیں جناب امیر علیہ السلام کی جامعیت اور حکیمانہ قابلیت کا پورا ثبوت پہنچا رہی ہیں جن کو ہم انکے سوا اور کسی کے اقوال اور کلام میں نہ انسے پہلے پاتے ہیں نہ مابعد۔ یہ وہی حکیمانہ نکتے ہیں جن کے عدیم المثال۔ لاجواب اور نادر الوجود ہونیکا اعتراف اہلِ اسلام تو اہلِ اسلام۔ اہلِ یورپ نے بھی بڑے اعزاز اور بڑے دعووں سے کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر سائمن ڈی اکلی *Mr. Simon de Ockley* نے جو انگریزوں میں پہلا اسلامی مورّخ ہے اپنی کتاب ہسٹری او سارا سینس *History of Saracens* میں کیا ہے۔ اس نے آپ کے اقوال فرانس کے شہر بتھولیم *Bethulium* کی مشہور اور قدیم کتب خانہ *M. S. S.* میں پائے تھے۔ اور وہاں یہ مفید نصائح مصر کے کتب خانۂ قدیم سے لائے گئے تھے۔

ہم نے حقیقت میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی علمی لیاقت۔ جامعیت اور استعداد و قابلیت میں صرف دو چار خطبے۔ دو چار موعظت اور یہی اتنے حکیمانہ مقولے قلمبند کر دیے ہیں۔ انکو ہم اُنکی یکتا اور بےعدیل لیاقتوں کی کامل تشریح اور تفصیل نہیں لکھ سکتے۔ اگر ہم اِس مضمون کی طرف کسی تفصیل کا قصد کریں تو ہم کامل طور پر یقین کرتے ہیں کہ ہماری کتاب کا یہ حصّہ اپنے طور پر ایک خاص کتاب بنجائیگا۔ اور مناقب خوارزمی اور خصائص نسائی سے کبھی حجم میں کم نہیں ہو سکتا۔

بہرحال۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی جامعیت اور قابلیت کی یہی مثالیں ہیں جو اس وقت پیشِ نظر ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ آپکی جامعیت کا اندازہ انسانی قوتوں سے محال ہے۔ ابھی ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو ہم نے طوالت۔ سختی عبارت۔ حلِ لغات اور اپنی کم علمی اور بے استعدادی کی وجہ سے مطلقاً چھوڑ دی ہیں۔ نہیں تو امیر المؤمنین علیہ السلام کی جامعیت اور علمی قابلیت کی بہت بڑی مثالیں تو آپکے توقیعات۔ خطبات۔ ارشادات اور مناجات وغیرہ وغیرہ میں پائی جاتی ہیں جو کثرت سے حدیث اور اعمال کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کی عبارات ایسی ہی سخت اور دشوار ہیں۔ اور خاصکر اُن میں عرب کے لغات کا ایسا ذخیرہ ہے کہ آج چودہ ۱۴۰۰ سو برس سے یہ ادعیات اور مناجات تمام اسلامی دنیا میں رائج اور شائع ہیں۔ مگر ان میں سے بہت کم ایسی ہیں جس کی شرح پر ہندوستان کے کسی قابل عالم کا قلم اُٹھا ہو یا عراق و حجاز کے کسی مستعد اور لائق کا قدم۔ صحیفۂ علویہ جس کی بعض ادعیات کی مختصر اور پُر معنی شرح مُلّا محمد باقر داماد

علیہ الرحمہ کے ایسے قابل فلاسفر نے کی ہے۔ ان دعاؤں کا کافی ذخیرہ ہے۔ دعائے سمات۔ دعائے صباح۔ دعائے کمیل۔ دعائے مجیر۔ دعائے استغفار۔ دعائے جوشنین۔ دعائے قاف۔ مناجات عشرہ، دعائے یستشیر وغیرہ وغیرہ ہیں۔ یہ وہ دعائیں ہیں جن کے لفظ لفظ سے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی فصاحت و بلاغت اور عربی کی لٹریچر اور بے عدیل لیاقت معلوم ہوتی ہے۔ اور جن کے فقرہ فقرہ سے خدائے سبحانہ وتعالے کی عظمت۔ اُس کی صفاتِ معبودیت۔ اُس کی کمال قدرت اور انسان کی عبودیت کے خاص اظہار۔ مجبوری اور معذوری کی پوری صورت ظاہر ہوتی ہے۔

ان دعاؤں کو اگر پورے طور سے سمجھ لیا جائے اور انکے مطالب و مقاصد کو غور سے پڑھکر سوچا جائے تو بغیر کسی تحریک کے خود فیصلہ کر لیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سمجھائے ہوئے خالص اور خاص الخاص اوصاف یہی ہیں۔ اُس کے کمال قدرت عظمت اور وحدت کے مخصوص یہی الفاظ ہیں جو امیر المؤمنین کی زبان معجز بیان سے ان دعاؤں میں مترشح ہوئے ہیں۔ ہم اس مقام پر دعائے یستشیر کے بعض مقامات سے ذیل میں انتخاب کر کے لکھتے ہیں جو فصاحت اور سلاست کے اعتبار سے اپنی آپ نظیر ہے۔

دعائے یستشیر

اللہ لَا اِلٰہ اِلّا ھو لہ الاسمآء الحسنٰی فانا اشھد باَنّکَ انت اللہ لا رافع لما وضعت ولا واضع لما رفعت ولا معزّ لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت ولا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت وانت اللہ لا الٰہ الّا کنت اذ لم تکن سمآء مبنیّۃ والارض مدحیۃ ولا شمس مضئیّۃ ولا لیل مظلم والنّہار مضیّ ولا بحر لجّی ولا جبل راس ولا نجم سار ولا قمر منیر ولا ریح ینفس ولا طیر یطیر ولا نار تتوقّد ولا ماء یطرّد کنت قبل کلّ شیٔ وکوّنت کلّ شیٔ وقدّدت کلّ شیٔ وابتدعت کلّ شیٔ وافقرت واغنیت وامّت واحییت واضحکت وابکیت وعلی العرش استویت فتبارکت یا اللہ وتعالیت انت اللہ الّذی لَا اِلٰہ الّا انت الخلّاق العلیم امرک غالب علمک نافذ وکیدک غریب وعدک صادق وقولک حق وحکمک عدل وکلامک ھدی ووحیک نور ورحمتک واسعۃ وعفوک عظیم وفضلک کثیر واعطاؤک جزیل وحبلک متین وامکانک عتید وجارک عزیز وبأسک شدید وکرمک مکید۔

صریخ المستصرخین منفس عن المکروبین مجیب دعوۃ المضطرین اسمع السّامعین ابصر النّاظرین احکم الحاکمین اسرع الحاسبین ارحم الرّاحمین خیر الغافرین قاضی حوائج المؤمنین مغیث الصّالحین انت اللہ لَا اِلٰہ الّا انت رب العالمین انت الخالق وانا المخلوق انت الرّبّ وانا العبد انت الرّازق وانا المرزوق انت المالک وانا المملوک انت المعطی وانا

السّائل انت الجواد وانا البخیل انت القوی وانا الضعیف انت العزیز وانا الذّلیل انت الغنی وانا الفقیر انت السّیّد وانا العبد انت الغافر وانا المسیئ وانت العالم وانا الجاهل انت الحکیم وانا العجول انت الرّاحم وانا المرحوم انت المعافی وانا المبتلی انت المجیب و انا المضطرّ وانا اشهد بانّك انت الله لآ الٰه الّا انت الله الواحد الفرد والیك المصیر وصلّی الله علی محمّد و اهلبیته الطّاهرین الطّیّبین واغفرلی ذنوبی واستر علی عیوبی وافتح لی من لدنك رحمة ورزقا واسعا یا ارحم الرّاحمین۔

سوائے اُسکے اور خدا نہیں ہے۔ اُسی کے لیے تمام مقدس اسماء زیبا ہیں۔ ہم سب اسکے شاہد ہیں کہ تو ایسا ہی خدا ہے کہ جو جس کو چاہے بلند کرے۔ پھر اُسکو کوئی گرا نہیں سکتا۔ اور تو جسے گرا دے پھر اُسکو کوئی بلند نہیں کرسکتا۔ اور جسکو تو کوئی چیز عطا کرے پھر کوئی دوسرا اُسکو منع نہیں کرسکتا۔ اور تو جس کے لیے منع کر دے پھر اُسکو دے نہیں سکتا۔ اور تو ایسا ہی خدا ہے کہ سوائے تیرے اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر تو نہ ہوتا تو یہ آسمان روشن نہ ہوتے۔ یہ چمکنے والا آفتاب نہ ہوتا۔ یہ اندھیری رات نہ ہوتی۔ نہ یہ روزِ روشن ہوتا اور نہ یہ دریائے رواں۔ نہ یہ پہاڑ قائم ہوتے نہ یہ گھومنے والے ستارے اور نہ یہ چمکنے والا ماہتاب۔ نہ ہوا چلتی اور نہ بادل گھومتے۔ نہ بجلی کوندتی اور نہ بادل گرجتے۔ نہ کوئی ذی روح سانس لیتا اور نہ کوئی طائر ہوا میں اُڑتا۔ نہ آگ بھڑکتی اور نہ پانی ٹپکتا۔ تو سب چیزوں سے پہلے ہے۔ تو نے سب چیزوں کو بنایا ہے۔ تو نے سب چیزوں پر قدرت حاصل کی ہے۔ تو نے سب چیزوں کی ایجاد کی ہے۔ تو ہی نے فقیر کیا ہے تو ہی نے غنی۔ تو ہی نے مارا ہی تو ہی نے جلایا۔ تو ہی نے رُلایا تو ہی نے ہنسایا۔ اور تو ہی آسمان پر قائم ہے۔ ہم تیری برکت اور تیری عظمت کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں۔ تو ایسا خدا ہے کہ تیرے سوا دوسرا پیدا کرنیوالا نہیں ہے۔ تیرے احکام غالب ہیں۔ تیرے علم جاری۔ تیری مشیت عجیب۔ تیرے وعدے سچے۔ تیرے قول صحیح۔ تیرے احکام عین انصاف۔ تیرے کلام ہدایت۔ تیری وحی نور۔ تیری رحمت وسیع۔ تیری معافی بہت بڑی۔ تیرے احسانات کثیر۔ تیری بخشش بدلا دینے والی۔ تیرے اقرار محکم۔ تیری قوتیں مستحکم ہیں۔ تیرے الطاف عزیز ہیں اور تیرے خوف شدید ہیں۔

تو سب خوش اعتقادوں کا اعتقاد ہے۔ تو دردمندوں کا دردمند ہی۔ تو تمام مصیبت زدوں کی دعاؤں کا قبول کرنیوالا ہی۔ تو سب دیکھنے والوں سے زیادہ دیکھنے والا۔ سب سے زیادہ سننے والا۔ سب حاکموں سے زیادہ حکم کرنیوالا۔ سب حساب کرنیوالوں سے جلد حساب کرنیوالا۔ سب بخشنے والوں سے زیادہ بخشنے والا۔ تمام مؤمنین کی حاجتوں کا بر لانیوالا۔ نیک بندوں کی مدد کرنیوالا۔ تو ایسا ہی خدا ہے کہ کوئی دوسرا تیرے سوا عالم کا پیدا کرنیوالا نہیں ہے۔ تو خالق ہے ہم مخلوق۔ تو مالک ہی ہم مملوک۔ تو روزی رساں ہے اور ہم روزی پانیوالے۔ تو حاکم ہے اور ہم محکوم۔ تو پیدا کرنیوالا ہے اور ہم بندے۔ تو عطا کرنیوالا ہے اور ہم مانگنے والے۔ تو غنی ہی اور ہم تنگدل۔ تو قوی ہی اور ہم ضعیف۔ تو عزیز ہی اور ہم ذلیل

تو غنی ہے اور ہم فقیر۔ تو ہمارا سردار ہے اور ہم تیرے غلام۔ تو بخشنے والا ہے اور ہم گناہ کرنیوالے۔ تو عالم ہے ہم جاہل۔ تو حکیم ہے ہم مریض۔ تو رحم کرنیوالا ہے ہم رحم پانیوالے۔ تو معاف کرنیوالا ہے۔ ہم گناہ کرنیوالے۔ ہم تیری شہادت دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ تو اپنے بندوں کو بے سوال دیتا ہے اور ہم سب تیری تصدیق کرتے ہیں۔ اے ہمارے خدا! تو ایک اور بے مثل ہے۔ سب تیری ہی طرف پھر جانیوالی ہیں۔ تو اپنی رحمت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی پاک و پاکیزہ اولاد پر بھیج۔ میرے گناہوں کو بخشدے۔ میرے عیوب کو ڈھانپ لے۔ اور اپنے کمالِ رحمت سے میرے رزق کو وسعت عطا فرما۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنیوالے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کی ادعیات اور مناجات کے اُس لاانتہا ذخیرہ کی نسبت جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے ہم اتنے ہی انتخاب کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اسلام کے اور ممالک کو چھوڑ کر صرف ہندوستان کی نسبت ہم صحیح طور پر یقین کرتے ہیں کہ یہاں کے اعلےٰ اعلےٰ اور مشہور کتب خانوں میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی ادعیات اور مناجات کا کتنا اور کیسا وسیع سرمایہ ہوگا۔ جسکا اندازہ مشکل سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کثیر ذخیرہ پر جب کوئی غور کرنے والا سوچنے لگے تو اُسے ضرور خیال ہوگا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایسی وسیع۔ طویل۔ فصیح اور بلیغ تالیف وتصنیف کا کافی وقت کب پایا۔ اور کیسے پایا۔ کیونکہ آپکی مقدس حیات کا زمانہ جن مکروہات میں گزرا وہ کسی کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں۔

مگر اس خیال کے ساتھ ہی یہ بھی یقین کرنا چاہیے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا یہ پاکیزہ ذخیرہ آپکی عزلت گزینی اور جانشینی کے زمانۂ خاص کا سرمایہ ہے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے چوبیس برس عزلت کا زمانہ صحیح صحیح لا تطمئن القلوب الا بذکراللّٰہ کی مثال میں گزرا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام سے زیادہ اپنے وقت کا قدر کرنیوالا اور اُسکو ہمیشہ مفید اور ضروری امر میں صرف کرنیوالا مشکل سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اپنی کم فرصتی میں اہلِ اسلام کی ہدایت اور اصلاح کے متعلق اتنے کام کیے جو کسی دوسرے سے اُسکے اطمینان اور فارغ البالی کے وسیع اوقات میں بھی ناممکن تھے اگرچہ آپ کا زمانہ اطمینان سے نہ گزرا مگر تاہم آپنے تمام اہل اسلام کے لیے اتنی مفید اور کام آنیوالی چیزوں کا سرمایہ جمع فرمادیا اور اخلاق وادب کے کافی احکام کے ساتھ روحانی تعلیم وہدایت کے متعلق استغراق فی اللہ۔ توکل۔ خدا سے خضوع وخشوع اور خلوص پیدا کرنے کے ذریعے اُس کی معبودیت اور معرفت کے سچے طریقے۔ ہماری عبودیت کی صحیح اور کامل مثالیں جمع فرمادیں کہ اگر ہم اُن کو پڑھیں۔ دیکھیں اور اُن پر غور کریں اور ایک سچے اہلِ اسلام کی شان میں ہو کر اُسکی محراب عبادت میں اُسی عاجزی۔ انکساری خضوع اور خشوع کے ساتھ کھڑے ہوں جو ایک بندے کی شان ہے تو ہمیں کامل یقین ہے کہ ہم اپنے مقاصد دارین پر کامل طور سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے کمال علمی پر فاضل معتزلی کی رائے

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم دنیا میں واعظ بنیں اور دنیا کی قدر دنیا والوں کی نگاہوں میں کھلائیں اُن کو ایسے ہی مضامین اور الفاظ پیدا کرنے چاہییں۔ اور اُن کے بیان ایسے ہی ہونے چاہییں جیسے امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور تمام دنیا سے اپنی جامعیت اور فصاحت وبلاغت کی داد لی ہے۔ اور اگر وہ ایسے مضامین والفاظ نہ پیدا کر سکیں تو بہتر ہے کہ وہ چُپ رہیں اور اپنے کلام کو دنیا پر ظاہر کرکے اپنے آپ کو رسوا اور بدنام نہ کریں۔ اور جس شخص کو ہمارے اس بیان کی تصدیق میں شک ہو وہ سمجھ لے کہ علی علیہ السلام جیسے شخص تھے جس نے اپنی اعلےٰ علمی قابلیتوں کا اعتراف معاویہ کے ایسے مخالف سے کرا لیا۔ جیسا کہ معاویہ نے خود کہا ما السن الفصاحۃ بقریش۔ آپ کے سوا دوسرا قریش میں فصیح وبلیغ پیدا نہیں ہوا تمام فصحاؔ و بلغائے عرب کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ لوگ ایک جگہ جمع ہو کر اُنکے آگے سجدہ کریں۔

زیادہ تر تعجب تو یہ ہے کہ لیاقت علمی کو چھوڑ کر جب آپکی شجاعت ودلیری کا ذکر آتا ہے تو اُنکی مثال ایک شیر درندہ کی ہوتی ہے اور جب موعظت کے سلسلہ میں آپکی عبادت اور ریاضت کا ذکر آتا ہے تو آپ کی وضع اُن خدا رسیدہ زاہدوں کی صورت میں پائی جاتی ہے جنہوں نے تمام عمر میں سوائے موٹے نمدوں کے اور کوئی چیز کپڑے کی قسم سے نہیں پہنی۔ عمر بھر گوشت نہیں کھایا۔ اور کسی کا ایک قطرہ خون نہ بہایا۔ کبھی تو آپ کی مثال بسطام ابنِ قیس شیبانی اور عتبہ ابنِ حارث الربوعی اور عامر ابن الطفیل عامری میں دکھلائی دیتی ہے جو کسی وقت میں عرب کی قدیم شجاعت اور دلیریوں کے سرمایۂ ناز تھے۔ اور کبھی سقراط۔ یوحنا پیشوایانِ بنی اسرائیل اور جنابِ عیسےٰ ابنِ مریم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی صورت میں پائی جاتی ہے جو ترکِ تعلق۔ نفس کُشی اور ریاضت کی سخت اور دشوار گزار محنتوں میں اپنی آپ نظیر ہو چُکے ہیں۔ میں اپنی نسبت (فاضل معتزلی) خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پچاس برس سے یہ خطبات میرے پیشِ نظر ہیں۔ اور ہزار مرتبہ سے زائد میں نے انہیں ضرور پڑھا ہوگا۔ مگر اب بھی ہر موقعہ پر جب ہم انکو پڑھتے ہیں تو انکے پڑھنے سے ایک خوفِ عظیم معلوم ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ ایک نیا اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔

محامدِ اوصاف اور محاسنِ اخلاق

شجاعت۔ دلیری اور ہمت۔ ارشادات۔ خطبات اور ہدایات کے باب کو تمام کرکے اہم جناب امیر المومنین علیہ السلام کے محامدِ اوصاف اور مکارمِ عادات اور محاسنِ اخلاق کی صحیح اور کامل مثالیں تاریخی مشاہد کے ساتھ اپنے بیان کے موجودہ سلسلہ میں قلمبند کرتے ہیں اور جس طرح فاضلِ معتزلی نے آپ کے علمی آثار کے بعد آپ کی شجاعت ودلیری کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی تاریخ سے ظاہر ہوا اُسی کی تقلید میں ہم بھی اپنے مسئلۂ بیان میں آپ کے محامدِ اوصاف کا آغاز آپ کی شجاعت۔ دلیری اور ہمت کے بیان سے کرتے ہیں۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی ذاتِ مبارک کے ساتھ یہ ایسے مخصوص اوصاف ہیں کہ آج چودہ سو برس کے بعد مشکل۔ مجبوری اور ضعف کی سخت سے سخت حالتوں میں ہزاروں اہلِ اسلام کے منہ سے پہلا لفظ جو نکلتا ہے وہ "یا علی علیہ السلام" ہوتا ہے۔

کسی کے نام میں اتنی یادگاری اور قیام کا مادّہ تو ہو۔ اور کسی کی قوت زمانہ میں اتنا اثر تو پھیلائے۔ اہل اسلام میں موقوف نہیں۔ دنیا کی تمام قوم اور قبیلوں میں شاید کوئی دوسرا آدمی ایسا ملے جس نے اپنی شجاعت۔ دلیری اور ہمت کی یادگاریں اتنے واقعات پیچھے چھوڑے ہوں جتنے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے۔ دنیا کی تاریخوں میں شاید کوئی فرمانروا۔ والیٔ ملک ایسا ملے جس کی شجاعت اور دلیری کے اتنے واقعات یادگار رہوں۔ ہم کو اُن واقعات کے دُہرانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے جن کو ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں درج کر چکے ہیں۔ ان معرکوں میں جناب امیر علیہ السلام کی بے نظیر شجاعت اور ہمت سے جیسی جیسی اعلےٰ اور عدیم المثال کارروائیاں ظاہر ہوئیں وہ میری تصدیق کی محتاج نہیں ہیں۔ اسلام کی تاریخیں تو درکنار غیر قوموں کی تاریخیں بھی اس سے مالا مال ہیں۔

ایسے بزرگ کی شجاعت۔ ہمّت اور دلیری کا کیا کہنا جس نے آغازِ شباب سے لیکر ضعیفی اور بڑھاپے کے گرتے ہوئے دنوں تک بھی میدانِ جنگ میں کاٹے ہوں۔ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں تو شاید ایسا ہی کوئی سال گزرا ہو جس میں امیر المؤمنین علیہ السلام کو اپنے ان ذاتی جوہروں کے اظہار کا موقع نہ ملا ہو۔ آپ کے بعد خلافت کے زمانہ میں بھی۔ اگرچہ جنگ کے میدانوں میں آپ کی شرکت نہیں ہوئی تاہم جب کسی مقابلہ۔ محاصرہ اور فوج کشی کے مشکل وقتوں میں آپ سے پوری رائے لی گئی۔ آپ کی قیمتی تجویزوں سے پوری کامیابی ہوئی۔ محاصرۂ روم۔ فارس۔ نہاوند کے واقعات سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔

اپنی خاص خلافت کے وقت میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اگرچہ دست بقبضہ ہونے سے بہت احتیاط کی اور جنگِ جمل تک خموش رہے۔ مگر صفین کے معرکوں میں معاویہ کی شدید بغاوت نے آپکو دست بقبضہ ہونیکے لیے مجبور کر دیا۔ اتنے معرکوں میں کوئی ایسا نہیں رہا جس میں آپکی تیغ آبدار نے دشمن کی گھنی صفوں کا ستھراؤ نہ کر دیا ہو۔ اور مخالف کے باقیماندہ سخت جانوں کو اُن کے مقاموں سے بھگا کر اُنکی آخر لشکرگاہ تک نہ پہنچا دیا ہو۔ عمرو عاص۔ حوشب ذی ظلم۔ جریب اور ضحاک۔ بہت سے شام کے ایسے معزز اور جرار سپاہی جو اپنی قوت اور تاب وطاقت کی وجہ سے معاویہ کے سرمایۂ ناز اور بہت بڑے صاحب اعزاز ہو رہے تھے۔ آپ کے مقابلہ سے ہزاروں ذلتیں اُٹھا کر بھاگ گئے۔

اگر ان واقعات کو تجربہ اور سالہا سال کی مشق ومہارت کا باعث سمجھکر ایک معمولی امر قرار دیا جائے تو بھی جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی شجاعت اور دلیری ایک ایسی جوہر دار آئینہ ہے جسکی ہر صورت ہر طرف سے یکساں معلوم ہوتی ہے۔ ان واقعات سے قطع نظر کرکے آپ کی شجاعت کو جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے زمانہ میں دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ آغاز شباب بلکہ کم سنی ہی کے وقت سے غزوات النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیرو ہونے کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ اور یہ ایسا شرف تھا جس میں آپ کا کوئی سہیم اور شریک ثابت نہیں ہوتا۔ غزوۂ ذوالعشیرہ (ابتدائی معرکہ) سے لیکر غزوۂ طائف کے اخیر معرکہ تک غزوات کی تمامی خدمات جس خوبی اور نموداری سے آپ نے ادا کیں ویسا کسی دوسرے نے نہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے اوّل حصّہ میں مفصّل طور پر بیان ہو چکا ہے۔

غزوۂ بدر کے واقعہ سے پہلے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو کسی میدانِ جنگ میں تلوار اٹھانیکا موقعہ نہیں ملا تھا۔ مگر بدر کی کامیابیوں کا سہرا آپ ہی کے سر باندھا گیا۔ اپنے مقابل کے علاوہ حضرت حمزہ علیہ السلام کے مقابل سے بارِ دیگر مقابلہ کی کس نے ہمت کی۔ اور اُسکے مارنے اور اپنے مقدس چچا کے مدد پہنچانے میں کس نے اپنا خون اور پسینہ ایک کر ڈالا۔ حضرت عبید اللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ کے قاتل سے پہنچکر سرِ میدان اُن کا انتقام کس نے لیا شیبہ۔ عتبہ اور ولید جو صنادید قریش اور مکّہ کے افلاذ الاکباد (کلیجوں کے ٹکڑے) مشہور تھے۔ کس نے مار گرایا۔ ان کے علاوہ حارث ابن زمعہ۔ زمامہ ابن اسود۔ نوفل ابن خویلد۔ عثمان ابن کعب۔ عثمان ابن مالک۔ حنظلہ ابن ابو سفیان (معاویہ کے بڑے بھائی) عثمان ابن طلحہ اور مالک ابن طلحہ سے نبرد آزما اور دلیر جوانوں کو کس نے خاک میں ملایا۔

احد کے قیامت خیز میدان میں ابو سفیان کے سالہا سال کے انتظام کو کس نے توڑا اور ایک ایک کرکے اُنکے تمام علمداروں کو کس نے قتل کر ڈالا۔ اور بنی عبدالدار کے تمام نموداروں کو جو قریش کی علمداری اور سپہ سالاری کے عہدوں پر مامور تھے کس نے ختم کر دیا۔

غزوۂ خندق میں عرب کی رستمِ دستاں عمرو ابن عبد ودسی جسکی شجاعت اور دلیری کے سکے تمام عرب کے دلوں پر بیٹھے ہوئے تھے کون مقابل ہوا۔ اور اُسکے ایسے مشہور و معروف نمودار اور جرار شجاع کو اُسکی تمام شجاعت اور دلیریوں کے ساتھ کس نے مٹی میں ملایا۔

غزوۂ حنین میں تمام اہلِ اسلام کے منتشر اور متفرق ہو جانیکے بعد حریف کے مقابلہ میں کون اپنا سینہ سپر کیے رہا اور دشمن کے تیروں کی لگاتار بوچھار میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس جان کا محافظ شروع سے آخر تک کون بنا رہا۔ پھر دشمن کی گھنی صفوں میں ہوتا ہوا اور اُنکو چیرتا ہوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لگام پکڑ کر آپ کو اُس کثیر جماعت سے کون باہر نکال لایا۔ موت کی عین گرم بازاری میں مخالف کی گرمجوشیوں کو کس نے ٹھنڈا کیا اور دم کے دم میں دشمن کے چالیس جوانوں کو کس نے مار گرایا۔

محاصرۂ طائف میں تین مہینے کامل قیام لشکر کا کس نے انتظام کیا اور قرب و جوار کے بتخانوں کو مسمار کرکے تمام گمراہ قوموں کو کس نے اسلام کے سیدھے راستوں پر لگایا اور شہاب سے پہلوان نما

کو مار کے اور لوگوں کو کس نے شریعت کا مطیع و منقاد بنایا۔

فتح مکہ میں بت شکنی کا شرف کس کے ہاتھ آیا اور کاسر الاصنام کا گرانمایہ خطاب دربارِ نبوت سے کس نے پایا۔ خالد ابن ولید کی غلطیوں کی اصلاح کے لیے بنو خزیمہ سے طیش اور عتاب کی موجودہ حالتوں میں مخاطب اور مقابل ہونیکی غرض سے کسکی ہمت کے پاؤں بڑھے۔ سورۂ برات کے نزول کے وقت احکام عشرہ کی تبلیغ کے لیے لاکھوں کفار میں کون جا دھنسا۔ اور اُن کی کثرتِ جماعت میں خدا کے احکام کا اس دلیری اور شجاعت سے کس نے اعلان کیا۔

یہ تو مشرکین کے مقابل ہونیکے حالات تھے۔ اب یہود کے معاملات میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی دلیرانہ خدمات ملاحظہ کیجائیں۔ **بنی قینقاع** پر فوج کشی کس نے کی اور اُنکو جلا وطنی کی سزا تک پہنچا کر اسلام کو اُن کے خدشوں سے کس نے مطمئن کر دیا۔

بنی نضیر کے یہودیوں کی شبخون والی تدبیروں کو کس کی ہمت اور بیدار مغزی نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور تن تنہا تمام اہلِ اسلام کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر رات کے تیرہ و تار حصّہ میں اسلام کی حفاظت کیلیے سرِ راہ کون آ بیٹھا۔ اور انیس ابنِ عروہ اور اُسکے ہمراہیوں کی امیدوں کو کس نے منقطع کر دیا۔

خیبر کے واقعات میں تین دن کی متواتر شکست کے بعد دربارِ رسالت سے حدیثِ لوا کا خلعت پہنکر حارث۔ مرحب۔ یاسر۔ انتر۔ داؤد۔ ضجیج۔ کابوس وغیرہ وغیرہ یہودیوں کے تیس نمودار افسروں کو جنکی شجاعت اور دلیریوں پر خیبر کے ہفتخوان کی مجموعی قوّت قائم تھی۔ دم کے دم میں کس نے خاک میں ملا دیا پھر اُس کے اتنے بڑے سنگین اور گرانبار دروازے کو بغیر کسی کی امداد۔ کسی کی اعانت اور کسی کی شرکت کے کس نے اُکھاڑ پھینکا۔

بنی قریظہ کے یہودیوں کو جو ابوسفیان کی سازش میں آکر غزوۂ خندق میں اسلام کی سخت مخالفت ثابت ہوئی ہے کسکی ہیبت اور کس کی شجاعت نے پست کر دیا۔

کہاں ان تمام خدمات کے مخاطب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ یا آپ کی شجاعت میں کسی دوسرے کی شرکت یا مداخلت بتلائی جا سکتی ہے جسکی ذاتی شجاعت اور قوت کی صرف اجمالی کیفیت اتنی طویل ہو جو بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں مشکل سے آتی ہو وہ ایک میرے بیان کی محتاج نہیں رہ سکتی۔

عمرو ابنِ عبد ود کا حال ساری دنیا کو معلوم ہے۔ اسی کے ایسا ایک اور دوسرے شجاع اور نمودار کو جو اپنے زمانہ کا یادگار اور سرمایۂ افتخار تھا۔ آپ مغلوب کر چکے تھے۔ مگر خیریت گزری کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا نام عمر ابن معدی کرب تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس کی ہمت۔ قوت اور شجاعت کو یاد کر کے اکثر عمر ابن الخطاب فرمایا کرتے تھے الحمد للہ الذی خلقنا و خلق عمرا۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو

پیدا کیا اور عمر کو بھی۔ عمر ابن معدی کرب بہت دنوں تک اسلام نہ لایا۔ مسلمانوں کے تمام قبیلوں کو جو مدینہ سے دور دور بستے تھے تباہ کیا کرتا تھا۔ اُنکے مویشیوں کو لوٹ لیتا تھا بستیوں کو اُجاڑ دیتا تھا۔ بلائے مجسم بنا ہوا جہاں پہنچتا تھا اپنی جماعت سے بیچارے مسلمانوں کو برباد کرتا تھا۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے عمر کی سرکوبی کے لیے امیر المؤمنین علیہ السلام کو تھوڑے لوگوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام اُسے گرفتار کرلائے۔ عمر نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت عمر کی خلافت تک زندہ رہا۔ مگر جس قدر ابتدا میں یہ اسلام کے لیے مضر ثابت ہوا تھا انتہا میں اُسی قدر مفید بھی نکلا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں یہ فوجی بندوبست کا ایک رکن خیال کیا جاتا تھا۔ فتوحاتِ عجم میں اسی کی دلیری اور ہمت نے اہلِ اسلام کی کامیابی کے تمام راستے کھولدیے۔ اکثر اوقات فوج کی سپہ سالاری کے منصب پر بھی معین ہوتا تھا۔ مگر اتنی کامیابیوں کے بعد بھی جب کبھی اُس کو اپنے خاص واقعات یاد آجاتے تھے تو بے اختیار ہو کر کہہ اُٹھتا تھا قد محی السّیف علی الصّنائع۔ علی علیہ السلام کی تلوار نے میرے تمام کاموں کو خاک میں ملادیا۔ ؎۱

حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ اسلامی فتوحات کی ترقی کا شباب مشہور ہے۔ اس زمانہ میں جہاں اہلِ اسلام اپنے حریف کو اپنی شجاعت۔ ہمّت اور قوّت یاد دلاتے تھے وہاں جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے واقعات اور اُنکے محاسنِ خدمات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور انہی کا نام لیکر اپنے حریف کے دل میں اسلام کی ہمّت اور شوکت کے سکّے جماتے تھے۔ ؎۲

اہلِ اسلام میں دلیری شجاعت اور ہمّت کے اتنے اوصاف کے ساتھ انکے سوا کسی اور کو بھی موصوف پاتے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اہلِ اسلام میں بہت بڑے بڑے نمودار شجاع۔ دلیر اور قوّت دار گزرے ہیں۔ جنھوں نے میدانِ جنگ میں کھڑے کھڑے اپنے حریف کی جماعت کو چُن لیا۔ اُن کی جماعت کو پسپا کردیا۔ اُن کے قلعوں کو آسانی سے فتح کرلیا۔ اُنکے ملکوں پر۔ علاقوں پر۔ شہروں پر اسلامی حکومت کا پھریرا اُڑایا۔ یہ سب صحیح واقعات ہیں مگر یہ تمام حضرات کسی ایک معرکہ اور کسی ایک مقام کی فوج کشی کے ساتھ مخصوص تعلق رکھتے تھے۔ اُس میں سے ہر شخص کے لیے اُسکی کامیابی کی شہرت ایک حد تک محدود تھی۔ جیسے خلافتِ اوّل میں خالد بن ولید عرب کی غیر مطیع قوموں کے مطیع بنانے کے لیے مشہور ہیں۔ ابو عبیدہ جرّاح شام کی فتحیابی کے لیے یاد کیے جاتے ہیں۔ ممالکِ افریقہ کے ساتھ عمرو عاص کا ذکر کیا جاتا ہے عمر ابن معدی کرب فارس کا فاتح کہا جاتا ہے۔

مگر ان تمام معمولی مشاہیر اسلام کی خلاف اگر جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی غزواتی خدمات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جنابِ رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے زمانہ میں اسلامی فتوحات نے جتنی وسعت پائی اور ترقی کی وہ تنہا انہی کی شجاعت۔ دلیری اور ہمّت کے کامل ثبوت ہیں۔ جن کی اجمالی

؎۱ تہذیب المتین صفحہ ۵۱۲ ؎۲ واقدی ۱۲

کیفیت ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکی اور اس سے پہلے اس کتاب کے پہلے حصہ میں پوری تشریح و تصریح کے ساتھ لکھدی گئی ہے۔

اہلِ اسلام کی شجاعت اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کی دلیریوں میں یہی فرق تھا۔ آپ کی شجاعت و دلیری محدود نہیں تھی اور ان لوگوں کی محدود۔ آپ کو اپنے کسی حریف سے مقابل ہونے میں خوف نہ ہوتا تھا۔ یا اُسکی جمعیت اور قوت دیکھکر آپ پر کوئی ہیبت طاری نہ ہوتی تھی۔ اکثر میدانِ جنگ میں فرمایا کرتے تھے۔ واللہ لابن ابی طالب انس بالموت من الطفل بثدی امہ۔ خدا کی قسم پسر ابیطالب علیہما السلام کو اپنی موت اِس سے زیادہ عزیز ہے جیسے کہ بچوں کو اپنی ماں کی چھاتیاں عزیز ہوتی ہیں۔ اکثر اپنے ہمراہیوں کو ذیل کے الفاظ میں ہمت دلائی جاتی تھی۔

ایھا الناس انکم لم تقتلوا تموتوا والذی نفس ابن ابیطالب بیدہ الف ضربۃ السیف علی الراس اھون الی موتہ علی الفراش۔

اے لوگو! اگر قتل ہوگے تو یوں مروگے۔ اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی جان ہے مجھ کو ہزار ضربیں تلوار کی کھانا بیکار بستر پر پڑے پڑے مرنے سے زیادہ سہل اور آسان ہے۔

ایک مرتبہ سعید ابن قیس ہمدانی نے عین موقعۂ جنگ پر آپ کو دیکھا کہ صرف دو کپڑے پہنے تھے۔ عرض کی کہ ایسی سخت لڑائی کے وقت میں جب سب لوگ زرہ پہنتے ہیں آپ یہ معمولی لباس پر کیوں اکتفا فرماتے ہیں؟ جواب میں ارشاد ہوا ای یوم من الموت افر یوم لا یقدر ام یوم القدر۔ میں موت سے کہاں بھاگ سکتا ہوں اُس دن جس دن موت آنیوالی ہے اور اُس دن جس دن نہیں آنیوالی ہے۔

کسی شخص نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ خچر پر بہت سوار ہوتے ہیں اور گھوڑی پر کم۔ فرمایا گھوڑا بھاگنے اور دوڑنے کے لیے ہوتا ہے تو میں کبھی اپنے دشمن کے آگے سے فرار نہیں کرتا۔ اور نہ کسی بھاگنے کا تعاقب کرتا ہوں۔ اور جو مجھ پر حملہ آور ہوا اُس سے بھاگتا نہیں۔ اِس لیے مجھے خچر ہی کفایت کرتا ہے۔ لا قبل علی من فر ولا افر ممن کر والبغلۃ تکفینی۔ جو میرے سامنے سے بھاگ جائے میں اُسکی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور جو مجھ پر حملہ آور ہو میں اُس سے بھاگتا نہیں۔ اس لیے خچر مجھے کفایت کرتا ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا۔ کیا جناب امیر المومنین علیہ السلام حرب صفین میں بذاتِ خاص لڑے تھے؟ ابنِ عباس کہنے لگے۔ میں نے اُنکے مانند کسی کو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ میں اُنکو دیکھا کرتا تھا کہ لڑائی میں سر ننگے نکلا کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں عمامہ ہوا کرتا تھا اور ایک ہاتھ میں شمشیر۔

صاحبِ مستطرف لکھتے ہیں:-

قال مصعب ابن زبیر کان علی علیہ السّلام حذرا فی الحروب شدیدا الرّوعان لا یکاد احد یتمکن منہ وکانت درعۃ صدرا لاظھر لھا فقیل لہ اما تخاف ان توتی من قبل ظھرک فقال اذا مکنت عدوی من ظھری فلا ابقی اللہ ان ابقی علی علیہ السّلام۔

مصعب ابن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السّلام لڑائیوں میں بہت ہوشیار تھے اور اُس کی گھاتیں خوب جانتے تھے۔ ممکن نہیں تھا کہ کوئی آپ پر چوٹ کر سکے۔ آپ کی زرہ فقط آگے کے لیے تھی۔ پشت کی طرف زرہ نہیں تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا امیرالمومنین! آپ اس سے نہیں ڈرتے کہ آپ کا کوئی دشمن پیچھے سے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنے دشمن کو پیچھے سے آنے دوں تو خدا مجھے باقی نہ رکھے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ جب صفین کا جھگڑا بہت بڑھ گیا تو حضرت علی علیہ السّلام نے معاویہ کو اپنی مبارزت کے لیے طلب کیا۔ تاکہ دونوں میں سے ایک کے قتل کی وجہ سے مسلمان آرام پا جائیں عمروعاص نے یہ سُنکر کہا کہ فقد انصفت علی علیہ السّلام۔ علی علیہ السّلام نے انصاف کیا ہے۔ معاویہ نے جواب دیا ان امرئی بمبارزۃ ابی الحسن وانت تعلم انہ الشجاع المطرق اراک طمعت فی امارت الشام بعدی۔ تو مجھے ابوالحسن علیہ السّلام کے ساتھ مبارزت کرنے کے لیے کہتا ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ ٹھوکنے والا بہادر ہے۔ اس سے معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ تو میرے بعد شام کا امیر ہونا چاہتا ہے۔

صاحب حیٰوۃ الحیوان دمیری کتاب درۃ الغواص سے نقل کرتے ہیں وکانت ضربات علی ابکارا اذا اعتلا قد اعترض قط۔ جناب امیرالمومنین علیہ السّلام کی ضربیں ایک ہی بار کاٹ ڈالنے والی تھیں۔ اگر سر پر پڑتی تھیں تو نیچے ایک تسمہ لگا باقی نہیں چھوڑتی تھیں۔ اور اگر کروٹ پر پڑتیں تو دوسری کروٹ تک صاف کر دیتی تھیں۔

اس بے نظیر شجاعت اور قوت کے اظہار کے وقت امیرالمومنین علیہ السّلام کو اپنی حریف کے ساتھ جیسی نرمی۔ مروت اور رعایت مدنظر رہتی تھی وہ بھی اپنی آپ جواب اور مثال ثابت ہوتی ہے۔ حقیقت میں ایک عالی ہمت شجاع کا صرف یہی فرض منصبی نہیں ہے کہ وہ اپنے حریف کو پسپا کرنے کی کوششوں کے ساتھ اپنے انسانی اخلاق اور ہمدردی کو بھلا دے بلکہ شجاعت کے اصلی معنی یہ ہیں کہ اُس کی شدید حالتوں اور سخت پرجوشیوں کے وقت بھی حریف کی ہمدردی کا خیال دل سے لگا رہے۔ حریف کی مخالفانہ کارروائیوں پر اُسکے شدید اور ضروری جوابوں کا سوچ لینا اور اُس کو عمل میں لانا۔ صرف یہی شجاعت کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر اوقات ان امور سے چشم پوشی کرنا اُسکی وحشیانہ اور ظالمانہ کارروائیوں پر بھی اپنی انسانی ہمدردی کو مدنظر رکھنا۔ اپنے اخلاقی اصول پر قائم رہنا۔ البتہ ایک ذی ہمت شجاع کے ضروری فرائض میں داخل ہیں۔

اصلی شجاع ہم اُسی کو کہینگے جو اپنے لشکر اور اہل لشکر کے ساتھ ہمیشہ محبت۔ رعایت۔ مروت اور

ہمدردی کا یکساں خیال رکھتا ہو۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی نظام ملکی کے متعلق لشکر والوں کی ساتھ مخصوص محبت اور رعایت رکھے جانے کی تاکیدیں مفصل طور پر لکھی گئی ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اپنی شجاعت اور دلیری کے بیمثال جوہروں کو حریف کے مقابلہ میں اُنکی مخالفت کی پوری گرمجوشی کے وقت ہمدردی اور محبت کے کیسے سچّے ثبوت کے ساتھ ظاہر کیا ہو۔ سب سے پہلے مقتول کے اسباب جنگ۔ سلاح۔ راحلہ اور ہتھیار لینے کے قدیم قاعدہ کو جو اہل عرب کا خاص دستور تھا امیر المؤمنین علیہ السّلام کی عالی ہمّتی اور سچّی شجاعت کی تجویزوں نے توڑ دیا۔ اور مقتول کو مار کر اُس کے اسباب کے لے لینے کی رسم کو آپکی مروّت اور عالی ہمتی نے اپنے اخلاق اور استغنا کی شایاں نہ سمجھا۔ غزوۂ خندق میں عمرو عبدود سے یکتائے زمانہ پہلوان کو مار کر آپ نے اُسکی لاش کو اُسکے بیش قیمت اور اعلےٰ سلاح جنگ کے ساتھ ویسے کا ویسا ہی چھوڑ دیا۔ اور اُسکو قتل کرکے پھر اُس کے مُردے کی طرف نگاہ بھی نہیں کی۔ اسکی مفصّل کیفیت اس کتاب کے پہلے حصّہ میں قلمبند ہو چکی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اُسکی بہن اُسکی لاش پر رونے آئی تو اپنے بھائی کو سلاح جنگ سے بجنسہ ویسا ہی آراستہ پاکر مطمئن ہو گئی اور رونے کے عوض یہ شعر پڑھے ؎

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ — لکنت ابکی علیہ آخر الابد
من کان لکن قاتلہ من لا یعاب بہ — من کان یدعی ابوہ بیضۃ البلد

اگر عمرو عبدوُدّ کا قاتل کوئی اور شخص ہوتا تو میں اس وقت سے لیکر ابد الآباد تک اُسکے واسطے رویا کرتی۔ مگر اُس کو ایک ایسے شخص نے قتل کیا ہے جو کسی عیب سے منسوب نہیں ہوسکتا اور اُسکا باپ بیضۃ البلد (شہر کا نور) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قنبر سے جو ہمیشہ رکاب میں حاضر رہتے تھے فرماتی تھی یا قنبر لا تعرّ فو الشی۔ قنبر! میرے کشتوں کو ننگا نہ کرو۔ ان الاسود الغاب ھمنہا یوم الکریھۃ فی المسلوب الاانساب۔ شیر ژیاں کا مقصود مارنے یا مرنے سے ہے۔ وہ مقتول کے سامان اور اسباب تلف کرنے پر نگاہ نہیں کرتا۔

غزوۂ احد میں ذکوان کا قصّہ آپکے ان محاسن کا شاہد کامل ہے۔

کسی غزوہ میں مقابلہ کے وقت۔ مقابل کی تلوار ٹوٹ گئی۔ اُسکی تلوار ٹوٹتے ہی امیر المؤمنین علیہ السّلام کا ہاتھ رُک گیا۔ ممکن تھا کہ آپ ایسے موقعہ کو تائید غیبی سمجھ کر کبھی توقف نہ فرماتی۔ مگر نہیں۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام مجبوری کے اِن موقعوں کو ہمیشہ اپنی اظہار شجاعت کے لیے موزوں سمجھتے تھے۔ بہرحال۔ حریف تو اُنکے مقابلہ سے مجبور ہو کر چُپ ہو رہا۔ آخر کار آپ سے تلوار کا سوال کیا۔ آپ نے وہی تلوار عنایت فرمائی جو آپکے دست مبارک میں تھی۔ اور جس سے کام لے رہے تھے۔ وہ ایسی بیجا مروّت دیکھکر حیران رہگیا۔ تامل کے بعد پوچھا۔ یا علی علیہ السّلام یہ تم نے کیا کیا۔ اپنے پسپا حریف اور قریب الہزیمت مخالف کو پھر از سر نو قوی کر دیا۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام نے متبسّم ہوکر نہایت استقلال سے اُسکا جواب دیا میں کیا کروں میری کوئی حالت ہو۔ سائل کا کوئی سوال کبھی کسی وقت میں مجھ سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے اِس دلیرانہ اخلاق کا اُس کے دل پر اتنا اثر پڑا کہ وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔

احد کے غزوہ میں جب طلحہ ابنِ ابی طلحہ کو جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے زخمی کیا تو وہ گھوڑے سے زمین پر آرہا۔ اُسکے گرتے ہی امیر المؤمنین علیہ السّلام بھی مرکب سے اُتر پڑے۔ چاہتے تھے کہ اُسکی باقیماندہ جان کو ایک وار میں تمام کر دیں۔ مگر اُسکے قریب ہی جاکر واپس آئے۔ اور اُس سے کچھ بھی تعرض نہ فرمایا۔ دیکھنے والوں نے کہا آپ نے یہ کیا غلطی کی۔ اسکا سر کیوں نہ جُدا کیا۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ میں اُسکی مجبوری کے وقت اُسے کیا مارتا۔ اور مرتے ہوئے پر کیا ہاتھ اُٹھاتا۔

ایک یہودی نے عین مقابلہ کے وقت اپنی کمال مجبوری کے اظہار میں روئے مبارک پر تھوک دیا۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے اُسے چھوڑ دیا۔ اُس نے اپنی واگزاشت کی وجہ پوچھی تو جواب میں ارشاد ہوا کہ میں تجھے خدا کے حکم سے مارتا تھا۔ کچھ اپنے نفس کی خاطر نہیں۔ مگر تو نے میرے مُنہ پر تھوک دیا۔ تو اب میرا تجھے مار ڈالنا نفس کی شرکت کا باعث ہوگا۔ اس لیے میں علٰحدہ ہوگیا۔ اور تیرے قتل سے باز رہا۔ وہ کافر اس تقریر کو سُنکر ایمان لایا۔ مولوی روم نے اس قصّہ کو نہایت شرح و بسط سے مثنوی میں تحریر فرمایا ہے۔ جس کا اوّل شعر یہ ہے ؎ او خیو انداخت بر روئے علیؑ ÷ افتخارِ ہر نبی و ہر وصی۔

حریف کے مقابلہ میں مروّت اور ہمدردی سے پیش آنا۔ اُس کے مظالم اور مخالفانہ شدتوں پر صبر کرنا اُسکی وحشیانہ حرکات کو خیال میں نہ لانا۔ اُسکی شدید مخالفت سے چشم پوشی کرنا۔ اور اُسکے جواب سے درگزر کرنا اور دوسروں کی تحریک پر بھی اپنی طرف سے کوئی سبقت نہ کرنا حقیقت میں اصلی شجاعت اور دلیرانہ استقلال کے یہی جوہر ہیں۔ اور اصلی شجاع کے وہ مخصوص اوصاف جو اُس کو دنیا کی تمام نبرداریوں میں مرد ثابت کریں اور اُسکی شجاعت اور مردانگی کو دنیا میں فرد۔ یہی ہیں جو مشکل سے آج سی کو دنیا کی دلیر اور جوانمرد قوموں میں ملینگے۔

اسلامی دنیا میں آج تک امیر المؤمنین علیہ السّلام کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی شجاعت اور دلیری مشکل سے مانی جاسکتی ہے۔ اہلِ اسلام پر کیا منحصر ہے۔ جس قوم نے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی غزواتی خدمات پر ڈالی ہے اور اسلام کی ابتدائی فتوحات پڑھی ہیں۔ اُس نے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی شجاعت مردانگی اور دلیری کی صرف تعریف ہی نہیں کی۔ بلکہ اُنپر سخت استعجاب بھی کیا ہے۔ دیکھو مسٹر کارلائل Mr: Caralyall انگلستان کے مشہور و معروف فاضل مورخ نے اپنی لکچرز۔ ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ Lectures, Heroes & Heroes Worship میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے سامنے سے کوئی مقابل آج تک نہ بھاگ سکا اور اُنکی زد سے کوئی جانبر نہ ہوا۔

اسلامی مروت

اخلاق کے ساتھ مروّت ضروری ہے۔ اور مروّت کے ساتھ رحمدلی۔ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کی مروّت اس درجہ تک مشہور ہے کہ ہماری کسی تصریح کی مطلق حاجت نہیں۔ آپ کے حالات پر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے لیکر آپ کی خلافت تک نظر ڈالی جائے تو اس بیس برس کے عرصہ میں معلوم ہوجائیگا کہ آپ کو اس عرصہ میں کیسی کیسی مخالفتیں پیش آئیں اور سخت سے سخت مصیبتوں سے سامنا ہوا۔ دشمن کے ناقابلِ برداشت مظالم دن رات سہنے ہوئے۔ مگر ان تمام مخالفتوں سے چشم پوشی کی گئی اور اُن تمام مصیبتوں پر تحمّل کیا گیا۔

یہ کیا تھا؟ یہ وہی امیرالمؤمنین علیہ السّلام کی مروّت اور محاسنِ اخلاق کے تقاضے تھے۔ معاویہ سے گھاٹ لیکر پھر واپس کر دینا۔ یہ آپ ہی کی دریادلی اور عالی ظرفی کا کام تھا۔ مروان امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے جیسے سخت مخالف تھے وہ دنیا کو معلوم ہے۔ جب جمل کی لڑائی فتح ہو گئی اور حضرت عائشہ کی فوج پسپا۔ تو مقیدین میں یہ بھی تھے۔ امیرالمؤمنین علیہ السّلام نے انکے ساتھ کیا کیا؟ حضرات حسنین علیہما السّلام نے سفارش کی۔ فوراً چھوڑ دیا۔ اسی طرح عبداللہ ابن زبیر کے حالات پر غور کیا جائے جو ہمیشہ آپ کو ناگفتہ کلمات سے یاد کیا کرتے تھے جو کسی طرح انسانی تہذیب کا تقاضا نہیں ہو سکتا فتح ہوجانیکے بعد جب یہ بھی گرفتار ہو آئے تو ان کو بھی آپنے آپ ضامن ہو کر رہا کر دیا۔ اور کہا تو اتنا کہ جاؤ۔ خدا تمہیں مجھ کو پھر نہ دکھائے۔

طلحتین کی تعلیم وصحبت سے اہلِ بصرہ کی مخالفت سب کو معلوم ہے۔ یہ لوگ بھی ابن زبیر کے ایسا علانیہ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے تھے مگر بصرہ والوں پر پوری فتح پانے کے بعد سب کو امان دیدی گئی اور اُن کی جان۔ مال اور اسباب میں کسی قسم کا نقصان نہ ہونے دیا گیا۔ حضرت عائشہ جو ان تمام مصائب اور شدائد کا باعث ہوئیں جس اہتمام۔ اطمینان اور آرام سے مدینہ بھیجی گئیں اُس سے آپ کی مروّت اور اخلاق کے کامل ثبوت ہوتے ہیں۔

گشتگانِ جمل کے ڈھیروں کو دیکھکر۔ جنھوں نے آپ کے قتل پر پوری آمادگی دکھلادی۔ آپ نے جس قدر حسرت وافسوس فرمایا وہ تمام کتابوں میں مندرج ہے۔ قنبرؓ نے دودھ اور شہد میں پانی ملاکر شربت بنایا اور آپ کو حوالہ فرمایا۔ یہ وہ وقت تھا کہ میدانِ رستخیز نہایت سختی سے گرم تھا۔ آفتاب بھی پوری تمازت پر تھا۔ اور لو ہے سے لوہا لڑ رہا تھا۔ آپ نے اُس جام کو دیکھا اور فرمایا۔ قنبر مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی تشنگی کی فرو رتوں سے مطمئن ہو جاؤں اور میری فوج اور قوم کے ہزاروں بالب تشنہ و اشکم گرسنہ ہزاروں من لوہے کا بوجھ لادیں۔ اس غربت اور مصیبت کی موجودہ حالت میں اپنا خون اور پسینہ ایک کرتے ہوں یہ کہکر وہ جام واپس دیا اور فرمایا کہ جاؤ جو مجھ سے زیادہ حاجتمند ہو اُسے

تلاش کرکے پلادو۔

مسٹر ماٹلے Mr. Motley انگریزی مؤرخ نے معرکۂ زتفن Zuthphen میں سر فلپ سڈنی Sir Philip Sydney موجودہ سپہ سالارِ افواج برطانیہ کے متعلق اُسکے زخمی ہونے اور قریب المرگ پہنچنے کے وقت ایک ایسا ہی واقعہ لکھا ہے جس پر آج تک تمام انگریزی قوموں کو بڑا فخر اور ناز حاصل ہے اور ہر اخلاقی مباحث میں اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ وہ حضرات جب اسلام کے اس مجاہد۔ امام۔ رہنما اور پیشوا کے یہ واقعات پڑھینگے تو انکو ثابت ہو جائیگا کہ آپ کے محاسنِ اخلاق سے دنیا کے لوگ بہت پیچھے ہیں۔

۳۹ھ کے اخیر اور ۴۰ھ ہجری کے شروع میں امیر معاویہ نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے رو در رو مقابلہ سے مجبور اور مایوس ہو کر جب بلادِ اسلامیہ میں عام بغاوت پھیلا دینے کی دفعتاً تدبیر نکالی اور تمام علاقوں میں خفیہ فوجیں بھیجی گئیں تو علاقۂ ہیت پر بھی فوج کشی کی خبر سُنی گئی۔ کمیل ابنِ زیاد نخعی یہاں کے عامل تھے۔ انہوں نے یہ صلاح ٹھیرائی کہ معاویہ کی فرستادہ فوج سے تو کچھ روک ٹوک نہ کیجائے۔ بلکہ اسکی جگہ شام کے مقبوضات قرقیسیا کو لوٹ لیں۔ اور قرقیسیا شام کی قلمرو میں داخل تھا۔ یہ تجویز ٹھیرا کر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں اسکی منظوری کے لیے عرضی لکھی امیر المؤمنین علیہ السلام کے اخلاق و مروت ایسے کیا تھے جو خلائق کی بربادی۔ رعایا کی پریشانی۔ ملک کی تباہی کی اجازت دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ عامیانہ نگاہوں میں اگرچہ یہ ترکی بہ ترکی جواب تھا مگر امیر المؤمنین علیہ السلام کے اخلاقی اصول کے بالکل نقیض اور خلاف تھا۔ نہایت خشم آلود الفاظ میں اسکے جواب میں جو ہدایت نامہ کمیل ابنِ زیادِ نخعی کو لکھا گیا وہ یہ ہے۔

اما بعد فانّ تضیيع المرءِ ماوُلّیَ وتکلّفہٗ ما کُفِیَ لعجزٌ حاضرٌ ورأیٌ مُتَبّرٌ وان تعاطیك الغارۃ علیٰ اھل قرقیسیا یعطیلك مسالحك التی ولّیناك لیس بھا من یمنعھا ولا یردّ الجیش منھا لرأیٌ شعاعٌ فقد صرت جسراً لمن اراد الغارۃ من اعدائك علیٰ اولیائك شدید المنکب ولا مھیب الجانب ولا سادٍّ ثغرۃً ولا کاسرٍ شوکۃً ولا مغنٍ عن اھل مِصرہٖ مُجزٍ عن امرہٖ۔

امّا بعد۔ اپنے ملکی انتظام کو چھوڑنا۔ اُن سے غفلت کرنا اور دوسرے کے ملک کی فکر کرنا اُس حالت میں کہ اُس ملک کی جوابدہی سے علٰحدہ نہیں ہوئے اور تم پر واجب ہے۔ لیکن دوسروں کے ملکوں کی طرف ایسی حالت میں توجہ کرنا جو تم پر کسی طرح لازم نہیں ہے ہماری سوءِ تدبیری اور کم فہمی کی دلیل ہے۔ شہر قرقیسیا والوں کے غارت کرنے کی تجویز جو حریف کے قلمرو میں داخل ہے اور اپنے ملک کی سرحدوں کو جو تمہاری ماتحتی میں دی گئی ہیں اُسی طرح معطل چھوڑ دینا۔ کہ پھر تمہارے بعد وہاں کوئی ایسا باقی نہیں رہتا کہ دشمن کو دفع کر سکے یا کسی بیرونی فوج سے مقابلہ پر آئے۔ تمہاری پریشان رائے اور خام خیالی کے سامان ہیں۔ تم ایسے ہو گئے کہ

تمہارے دشمنوں میں سے جو شخص چاہے تمہارے ملک میں قتل و غارت کرے اور تمہارے دوستوں کو مضرت پہنچائے۔ وہ جب چاہیں بغیر کسی خوف کے تمہارے ملک میں چلے آئیں۔ نہ تمہارے پاس زور بازو باقی ہے اور نہ اُس سے مقابلہ کی قوت۔ نہ تم اپنے ہی ملکوں کے رخنے مٹا سکتے ہو اور نہ اپنے کسی حریف کو شکست پہنچا سکتے ہو۔ جب تک کہ تم اپنے حریف کو پورے طور سے دفع نہ کر سکو گے تم کبھی اپنی ذات کو فرائض منصبی کی ذمہ داریوں سے بری نہیں کر سکتے والسّلام۔

امیر المؤمنین علیہ السّلام کے شجاعانہ اور دلیرانہ حالات قوی سے قوی حریف اور سخت سے سخت دشمن سے مقابلہ حقیقت میں بتلا رہے ہیں کہ دنیا کے جریدہ میں آپکی شجاعت و دلیری جواب نہیں رکھتی ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ ان موقعوں میں آپکے خلق و مروت کے واقعات بھی اپنی مثال اور نظیر نہیں رکھتے۔ اگر کسی وقت میں آپکو فولاد کی طرح سخت پایا جائیگا تو پھر دوسرے وقت آپ کو موم سے بھی زیادہ نرم دیکھا جائیگا۔ ہم اپنے بیان کی تصدیق میں پھر جنگِ صفین کے سلسلہ سے ایک واقعہ نکالکر ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

جب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے مقابلہ میں معاویہ کا تمام زور گھٹ گیا۔ نہ زورِ تقریر ہی کام نکال نہ زورِ شمشیر سے تو اُنکی بزدل اور کینہ پرور طبیعت نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام پر سب و شتم کرنیکا علی الاعلان حکم شام کے قلمرو میں جاری فرمایا۔ پھر کیا تھا۔ عام طور سے تمام اہل شام جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کو ایسے کریہ الفاظ سے یاد کرنے لگے جن کا ذکر ناگفتہ بہ ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے موقع انسان کے تحمل سے باہر ہوتے ہیں۔ اور کوئی انکی برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام کے خلقِ عظیم نے یہ مصیبتیں بھی نہایت آسانی سے اُٹھا لیں اور برداشت کر لیں اور اُنکی بیہودہ حرکات سے صریح چشم پوشی اور خاموشی اختیار فرمائی۔ بعض خالص اور پُرجوش اصحاب نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کی اجازت چاہی۔ مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام کے اخلاق نے اس کو بھی اپنے شایاں نہ سمجھا۔ نہج البلاغہ میں اس مضمون کو یوں لکھا ہے۔

وقد سمع قوماً من اصحابه يسبون اهل الشّام ايام حربهم بصفّين انّي اكره لكم ان تكونوا سبّابين ولكنكم لو وصفتم اعمالهم و ذكرتم حالهم كان اصوب في القول و ابلغ في العذر و قلتم مكان سبكم اياهم اللّهمّ احقن دماءنا و دماءهم و اصلح ذات بيننا و بينهم و اهدهم من ضلالتهم حتّٰی يعرف الحقّ من جهله و يرعوي عن الغيّ والعدوان من لهج به۔

معاشر النّاس! ہمکو تمہاری یہ باتیں پسند نہیں آتیں کہ تم کسی کو گالی دو یا گالی دینے والوں میں شمار کیے جاؤ۔ بلکہ اس کے بالعوض تم اُنکے مقابلہ میں اپنے محاسنِ اخلاق بیان کرو اور اُن کے معائب اُنکے سامنے رکھدو تو یہ تمہارے لیے تمہاری اُس چیز سے کہیں بہتر ہوگا۔ اور اس میں کسی کو عذر نہ ہوگا۔ بلکہ تم ان کلمات کے

بدلے میں یہ کہو اور خدا سے خواستگار ہو کہ وہ تمہارے اور اُن کے خون گرنے کو بچائے اور تمہاری اور اُن کی عداوتوں کو اصلاح اور رفاہ سے بدل دے اور اُن کو گمراہیوں سے نکالکر سبیلِ ہدایت پر لگا دے۔ کیونکہ جس نے اس وقت تک حق کو نہیں پہچانا ہے وہ پہچان لے اور بدراہی سے راہِ نیک پر چلا دے۔ اور جس کی طبیعت شرارت۔ فتنہ و فساد کی طرف راغب ہو وہ اس سے باز رہے۔

ان امور سے قطع نظر کرکے۔ اسی صفین کے سلسلہ میں امیر صاحب کی طرف سے رسد کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس کا کیا جواب دیا۔ پھر اس کے بعد دریا کا پانی ایک شبانہ روز بند رہا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کا لشکر جس میں سوائے اہلِ اسلام کے اور کسی قوم کے دوسرے لوگ نہیں تھے۔ پیاسا پڑا رہا۔ مگر امیر شام نے کوئی مروت یا رعایت اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ روا نہیں رکھی۔ بیچاروں نے اپنی غریب اور پیاسی جانوں پر کھیل کر اپنی شجاعت اور دلیری کے ہاتھوں آخرکار دریا کو اُن سے چھین لیا۔ دریا پر پورا قبضہ پاکر امیر المؤمنین علیہ السلام نے معاویہ کی ان حرکات کا کیا جواب دیا۔ کچھ بھی نہیں۔ اہلِ شام درخواستیں لیکر آئے۔ اُس چشمۂ فیض نے دریا کا ایک گھاٹ اُن کے مصارف۔ آرام اور ضروریات کے لیے علٰحدہ کر دیا۔ پرجوش اصحاب نے خلاف رائے ظاہر کی۔ ارشاد فرمایا گیا۔ نہیں خدا کی قسم۔ مجھ سے وہ امور کبھی نہیں صادر ہونیوالے جو ان جاہلوں نے ابھی ابھی کیے۔ دریا خدا تعالےٰ کے منبعِ فیض ہیں۔ جس سے دشمن۔ دوست۔ کافر اور مسلمان سب کو سیراب ہونا چاہیے۔

یہ وہی واقعات ہیں جنھوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے محاسنِ اخلاق۔ اسلامی رعایت اور قومی مروت اور انسانی ہمدردی کو دنیا کے بڑے بڑے کارناموں میں بالکل بے مثال اور نادر الوجود ثابت کر دیا ہے اور حقیقت میں جب تک نفوس کی پاکیزگی۔ قلوب کی صفائی اور انسانی ہمدردی کا خیال اس درجہ تک نہ ہوگا محاسنِ اخلاق اور کریم النفسی کے اوصاف تکمیل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

کرم و جود

۱۲عربی آں واحد النعم کہ ز داؤد نطقِ او — نشنید گوشِ آز بجز نغمہ نعم

وہ علی علیہ السلام ہی کا دروازہ تھا جس سے سائل کبھی پھیرا نہ گیا۔ آپکے جود و کرم اور لطف و سخا کے متعلق اس کثرت سے واقعات اسلامی کتابوں میں مندرج ہیں کہ اُن کا شمار اگر محال نہیں تو دشوار تو ضرور ہے۔ اسلامی سیرتوں میں جن لوگوں کے حالات پڑھے جائینگے اُن سب میں جس قدر واقعات جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے جود و کرم کے متعلق پائے جائینگے اُتنے کسی اور بزرگوار کے نہیں چنانچہ محمد ابن طلحۃ الشافعی کتاب مطالب السئول میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابی اسحاق السبیعی قال سالت اکثر من اربعین رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من کان اکرم الناس علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالوا علی بن ابیطالب۔

ابو اسحٰق سبیعی کا بیان ہے کہ میں نے چالیس صحابۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سب سے زیادہ کون سخی تھا؟ سب نے کہا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔

امام شعبی فرماتے ہیں:۔

کان علیہ السّلام اسخی النّاس علی الخلق الّذی یحبہ اللہ السخا والجود ما قال لا لسائل قط وانہ کان یسقی بیدہ لنخل قوم من یهود المدینۃ حتی مجلت یداہ ویتصدق بالاجرۃ ویسد علی بطنہ حجرا۔

امام شعبی ذکر کرتے ہیں کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام تمام لوگوں سے ایسے سخی ترین تھے اور للہ سخاوت وجود کو محبوب رکھتے تھے کہ آپ نے کبھی کسی سائل کے لیے اپنی زبان سے نہیں نہیں فرمایا۔ اپنے ہاتھ سے یہودِ مدینہ کے نخلستان کو سیراب کرتے تھے یہانتک کہ ہاتھوں میں چھالے پڑجاتے تھے اور اجرت کے پیسے خیرات کردیا کرتے تھے اور اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی سخاوت کے دشمن تک بھی قائل تھے۔ مطالب السئول میں مرقوم ہے:۔

قال معاویۃ لمحقن بن ابی محقن لما قال لہ جئتاك من عند ابخل النّاس ویحك کیف تقول انہ من ابخل النّاس وھو الّذی لو ملك بیتا من بتر و بیتا من تبن لنفد تبرہ قبل تبنہ۔

معاویہ سے جب محقن ابن ابی محقن نے یہ کہا کہ میں تیرے پاس بخیل ترین شخص کے پاس سے آیا ہوں (اشارہ ہے امیر المؤمنین علیہ السّلام کی طرف) تو معاویہ نے کہا۔ افسوس ہے تجھ پر۔ تو کیونکر اُنھیں بخیل کہتا ہے۔ اگر اُن کو ایک گھر سونے کا اور ایک گھر انجیر کا ملکیت میں دیدیا جائے تو قبل اسکے کہ وہ انجیر کے گھر کو تمام بانٹ دیں۔ سونے کے گھر کو چکا دینگے۔

امام طغوی اپنی طبقات میں لکھتے ہیں:۔

کان علی علیہ السّلام یبارز کافرا وقد اصطف الفریقان وفی المسلمین قلّۃ وفی الکافرین کثرۃ بلغ عدد الکفّار اثنی عشر الف فارس فقال لہ کافر فی المبارزۃ ادنی سیفك یا علی علیہ السلام حتی انظر الیہ فلفع علی سیفہ الیہ فقال الکافر عجبا لك یا ابن ابیطالب لم امنت حیث دفعت السّیف الی وانا اقاتلك قال لما سددت الیہ الیّ مددت ید السّائل ولم احسن من مرّوتی ان اردید السّائل وان کان کافرا فاسلم الکافر۔

امیر المؤمنین علیہ السّلام ایک کافر سے لڑرہے تھے اور دونوں طرف لشکر کے لوگ صف باندھے کھڑے تھے مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ کفار کثرت سے موجود تھے۔ کفار کی جمعیت بارہ ہزار سوار تھی۔ کافر نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام سے عرض کی کہ آپ مجھے اپنی تلوار دیں دیکھوں کیسی ہے۔ آپ نے فوراً تلوار دیدی۔ کافر نے تلوار ہاتھ میں لیکر کہا کہ اب تو تلوار آپ مجھے دے چکے۔ اب مجھ سے آپ کیونکر بچ سکینگے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب تو نے بھیک مانگنے والوں کی طرح میری آگے ہاتھ

پھیلا دیے تو میری مروّت نے تقاضا نہ کیا کہ مانگنے والا ہاتھ رد کیا جائے اگرچہ وہ کافر کیوں نہو بس وہ کافر مسلمان ہوگیا

امام ابوبکر محمد ابن الحسین سنبلانی مناقب الاصحاب میں لکھتے ہیں:-

کان علیہ السلام یقول لا عجب ممن یشتری الممالیک بمالہ ولا یشتری الاحرار بمعروفہ۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ مجھ کو اُن لوگوں کی حالتوں پر افسوس آتا ہے جو اپنے مال کو غلام اور لونڈیوں کے خریدنے میں صرف کرتے ہیں اور اپنے کرم و احسان سے آزاد لوگوں کو غلام نہیں بناتے۔

امام دارقطنی تحریر فرماتے ہیں:-

عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا اتی بجنازۃ لم یسال عن شیء من عمل الرجل ویسأل عن دینہ فان قیل علیہ دین کف عن الصلوٰۃ وان قیل لیس علیہ دین صلی اللہ علیہ فاتی بجنازۃ فلما قام لیکبر سئل ھل علی صاحبکم دین قالوا دیناران فقعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال صلوا علی صاحبکم فقال علیؑ ھما علیّ وھو بریءٌ منھما فتقدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم قال لعلی علیہ السلام جزاک اللہ خیرا فک اللہ رھانک کما فککت رھان اخیک۔

ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص کے جنازہ پر تشریف لیجاتے تھے تو اُسکے اعمال کے متعلق کبھی سوال نہیں فرماتے تھے بلکہ اُسکے قرض کی نسبت پوچھتے تھے اگر کہا جاتا تھا کہ اس شخص پر قرض ہے تو آپ خود نماز نہ پڑھتے۔ اور اگر یہ بیان کیا جاتا کہ اس شخص پر قرض نہیں ہے تو آپ اُسکی خود نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ ایک جنازہ پر تشریف لے گئے۔ جب آپ تکبیر کے ارادہ سے اُٹھے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے اس دوست پر قرض تو نہیں ہے۔ لوگوں نے عرض کی صرف دو دینار قرض ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قرض کا نام سنتے ہی بیٹھ گئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے دوست کے جنازہ کی نماز پڑھ لو۔ اتنے میں جناب علی مرتضٰے علیہ السلام نے کہا ان دونوں دیناروں کا ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔ اور یہ میرا مرنیوالا دوست اس سے بری الذمہ ہے۔ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تب جنازہ کی نماز پڑھی اور جناب علی مرتضٰے علیہ السلام فرمایا کہ خدا تمہیں اسکی نیک خیر عطا فرمائے۔ اور تمہارا قرض بھی اُسی طرح چھڑائے جس طرح تم نے اپنے بھائی کا قرض چھڑایا ہے۔

اِسکے ایسے واقعات کا ابھی اتنا کثیر ذخیرہ ہمارے پیش نظر ہے جسے ہم قلمبند کرنا کیسا شمار بھی کر نہیں سکتے۔ ان احادیث کے علاوہ کلام مجید کی بہت سی آیتیں ہیں جنکی شان نزول جناب امیر المومنین علیہ السلام کی سخاوت اور جود و کرم میں بیان کیجاتی ہیں۔ جن کو ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں باب الفضائل کے متعلق لکھ چکے ہیں۔ فمن شاء فلیرجع الیہ۔

ستّر اونٹوں کی قطار کا بخشدینا۔ حالت رکوع میں انگشتری کا عنایت فرمانا

باب مدینہ کا بیکر سائل کے سوال کو پورا کرنا۔ زرہ۔ شمشیر یہانتک کہ ردائے فاطمہ علیہا السلام کا محتاجین کی رفع حاجت کے لیے اکثر گرو کیا جانا۔ پانی بھرنے مٹی گوڑنے اور درخت پٹانے کی سخت اور دشوار گزار محنتوں سے جو کچھ پانا وہ فی سبیل اللہ سائلوں کو دیدینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام و کمال ایسے واقعات ہیں جو علی العموم تمام اہل اسلام کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور اس شہرت اور کثرت سے تمام کتابوں میں درج ہیں کہ اُن کو نہ میرے بیان کی احتیاج باقی ہے اور نہ کسی صراحت کی ضرورت۔

حلم

تحمل و بردباری کے متعلق امام احمد بن حنبل اپنے مناقب میں ذیل کی عبارت لکھتے ہیں:۔

عن معقل بن یسار ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لفاطمۃ علیہا السلام الا ترضین انی زوجتک اقدم اُمتی سلما واکثرھم علما واعظمہم حلما۔

معقل ابن یسار سے منقول ہے کہ جناب سرور موجودات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا نکاح اُس شخص سے کیا ہے جو میری اُمت میں از روئے اسلام کے مقدم ترین اور از روئے علم کے عالم ترین اور از روئے حلم کے اعظم ترین خلائق ہے۔

امام محمد ابن یوسف الگنجی شافعی لکھتے ہیں:۔

سال معاویہ خالد ابن یعمر فقال لہ علی ما احببت علیاء فقال علی ثلث خصال علی حلمہ اذا غضب وعلی صدقہ اذا قال وعلی عدلہ اذا حکم۔

معاویہ نے خالد ابن یعمر سے پوچھا کہ تم کس بات پر جناب علی مرتضٰے علیہ السلام کو دوست رکھتے ہو؟ وہ کہنے لگے۔ انکی تین باتوں پر۔ اُنکے حلم پر جب وہ غصہ ہوتے ہیں۔ اُنکی صداقت پر جب وہ تقریر کرتے ہیں۔ اُنکے عدل پر جب وہ حکم کرتے ہیں۔

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:۔

ان علیا علیہ السلام دعا غلاما فلم یجبہ فدعا ثانیا وثلثا فلم یجبہ فقام الیہ فراٰہ مضطجعا فقال اما تسمع یا غلام فقال نعم قال ما حملک علی ترک جوابی قال اٰمنت عقوبتک فتکاسلت فقال امض فانت حر لوجہ اللہ تعالیٰ۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے غلام کو پکارا۔ اُسنے جواب نہ دیا۔ پھر پکارا۔ پھر پکارا۔ مگر وہی جواب نہ دیا۔ آپ نے اُٹھ کر دیکھا تو وہ سو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے لڑکے کیا تو میری آواز نہیں سُنتا تھا؟ وہ عرض کرنے لگا میں نے سُنی تھی۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے پوچھا کہ پھر تو نے جواب کیوں نہ دیا؟ کہنے لگا چونکہ آپکی عقوبت سے مجھے اپنی امان کا پورا یقین تھا اس لیے میں الکسا گیا۔ آپنے فرمایا۔ جا میں نے تجھے خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔

زہد

مناقب الاصحاب میں قبیصہؓ کی اسناد سے تحریر ہے:۔

عن قبیصة قال مارایت ازهد فی الناس من علی ابن ابی طالب علیه السلام۔

قبیصہ کا قول ہے کہ ہم نے آدمیوں میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام سے زیادہ تر زہد والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔

تاریخ ابن اثیر میں لکھا ہے:۔

عن حسن بن صالح قال تذکروا الزهاد عند عمر بن عبد العزیز رحمة الله علیه فقال عمر ازهد الناس فی الدنیا علی بن ابیطالب علیه السلام

حسن ابن صالح سے مروی ہے کہ لوگ عمر ابن عبدالعزیزؒ کے پاس زاہدوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ عمر کہنے لگے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام زاہد تھے۔

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں تحریر ہے:۔

عن ابی نعیم قال سمعت سفیان یقول مابنی آجرة علی اجرة ولا لبنة علی لبنة ولا قصبة علی قصبة و انکان لیؤتی بجبوحة من المدینة فی جراب - ابونعیم کہتے ہیں کہ ہمنے سفیان کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے پکی اینٹ پر پکی اینٹ نہیں رکھی اور نہ کچی اینٹ پر کچی اینٹ اور نہ بانس پر بانس دھرا اگر وہ چاہتے تو مدینہ سے جراب تک آبادی بڑھا دیتے۔

امام احمد ابن حنبل - علامہ ابن عساکر اور امام زہری نے بھی آپ کے زہد کے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں جسے ہم طوالت کا باعث سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔

عبادت

عبادت - ریاضت - توجہ الے اللہ - استغراق فی ذکر اللہ - خشوع و خضوع - غرض ان تمام اوصاف کا خاتمہ ایک امیر المؤمنین علیہ السلام کی ذات قدسی صفات پر ہوگیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے جتنی کم سنی اور کم عمری کے زمانہ سے اپنے دل کو خدا کی یاد - اپنی جان کو خدا کی راہ اور اپنی زبان کو خدا کے ذکر میں نذر کر دیا تھا اتنی کم سنی کے عالم سے اور کسی نے نہیں۔ رجوع - خشوع - خضوع - تذلل اور تحمل کے اعلےٰ مراتب جو قربت الٰہی کے مخصوص مدارج ہیں جس طرح آپنے اور آپکے بعد آپ کی اولادِ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین نے حاصل فرمائے۔ ویسے اہلِ اسلام میں سے کسی اور کو نہیں۔ بہت دنوں تک جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تنہا نماز پڑھی اور سات برس کے کامل عرصہ تک اُس خدائے واحد کی اطاعت اور عبادت میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی دوسرا شریک جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے سوا نہیں تھا سالہاسال تک یہ معمول تھا کہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے تھے۔ روزانہ اوقات

کا یہ دستور رکھا تھا کہ عشا کے بعد دولت سرا میں دن بھر کے بعد تشریف لاتے تھے۔ حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوتے تھے یہانتک کہ طلوعِ فجر کے وقت تجدیدِ وضو فرما کر باہر تشریف لاتے اور نمازِ جماعت ادا فرماتے۔ اُس وقت سے لیکر طلوعِ آفتاب تک تعقیبات اور اوراد میں مصروف رہتے تھے۔ اسکے بعد کاروبارِ خلافت ملاحظہ فرماتے۔ نمازِ ظہر کا وقت آجاتا تو پھر جماعت کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کیجاتی تھی۔ ظہر کی تعقیبات تمام کر کے فوراً نمازِ عصر کی نیت کیجاتی تھی۔ نمازِ عصر سے فارغ ہو کر قضا کے مسائل فیصل فرمائے جاتے تھے۔ ان فیصلوں میں شام ہو جاتی تھی اور پھر نمازِ مغربین کے بعد سے دوسرے دن کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

استغراق فی العبادت کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو مُنہ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ اور تمام بدن کانپنے لگتا تھا۔ اکثر اصحاب پوچھتے تھے تو ارشاد ہوتا تھا کہ میں خدا کے سامنے اُسکی اُن امانتوں کے ادا کرنیکے لیے کھڑا ہوتا ہوں جس کے تحمّل کے لیے نہ زمین کی قوتیں کافی ہو سکیں اور نہ پہاڑ کی راسیز بھی میں نہیں جانتا کہ میں نے اُسکی نماز کو پورے طور سے ادا کیا یا نہیں۔

امّ سعید سے جو حضوری کا ہمیشہ سے شرف رکھتی تھیں کسی نے پوچھا کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی عبادت کا ماہِ رمضان میں کیا حال رہا کرتا تھا۔ امّ سعید نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی عبادت کے لیے رمضان اور شوال دونوں برابر تھے۔ میں نے تو سال بھر میں کوئی رات ایسی نہیں دیکھی جسے آپنے عبادتِ الٰہی میں نہ تمام فرمایا ہو۔

تاج الاسلام سلیمان ابن داؤد السقیفی لکھتے ہیں:۔

روی عن علی علیہ السّلام انّہ کان کلّما دخل وقت الصّلوٰۃ تغیر لونہ فقیل لہ فی ذٰلک قال جآء وقت الامانۃ التی عرضہا اللہ علی السّمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنّہا فقد حملتہا مع ضعفی ولا ادری کیف اودیہا۔

جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپکا رنگ زرد ہو جاتا تھا ایک مرتبہ اسکی نسبت آپ سے دریافت کیا گیا۔ آپنے فرمایا۔ اُس امانت کی ادا کا وقت آگیا ہے جس امانت کو خدا نے آسمانوں پر زمینوں پر پیش کیا۔ اُنھوں نے اُسکے تحمّل سے انکار کیا۔ اور میں نے باوجود اپنی ناتوانی کے اُٹھا لیا۔

علامہ ابن الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:۔

قیل قد یبسط لہ نطع بین الصّفین لیلۃ الہریر فیصلی علیہ والسّہام وقعت بین یدایہ ومرت علی صماخیہ یمینا وشمالا فلا یرتاع لذٰلک وما قام حتّیٰ فرغ من وظیفتہ

صفین کے معرکے میں لیلۃ الہریر والی شب کو دونوں صفوں کے بیچ میں آپکے لیے چٹائی بچھائی گئی تھی اور آپ اُس پر نماز پڑھتے تھے اور تیر سامنے سے آتے جاتے تھے اور آپ کے کانوں کے پاس سے ہو کر نکل جاتے تھے۔

اور آپ اُن کا کچھ خوف نہیں فرماتے تھے۔ جب تک کہ آپ اپنے وظائف سے فارغ نہو لیے اپنی مقام سے نہ اُٹھے۔ اسکے بعد علامۂ موصوف لکھتے ہیں:۔ وکانت جبھۃ کثفنۃ البعیر بطول سجدہ۔ آپ کی پیشانی کثرتِ سجود سے ایسی ہوگئی تھی جیسے اونٹ کا سینہ۔

اسلامی تاریخ سیر، حدیث۔ فقہ کی تمام کتابیں آپ کی عبادت کے واقعات سے مالامال ہیں۔ اہلِ تصوف اور اشراق کی تمام معارف اور معالم تو بالجملہ آپ ہی کی ذاتِ مستغنی عن الصفات پر ختم ہوتے ہیں۔

استغراق اور توجہ الی اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس عالم اور محویت میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کو اپنی جسمانی تکلیفوں کا مطلق خیال نہیں رہتا تھا۔ اور بعض اوقات تو محویت کی کیفیت وہ ہوتی تھی کہ دیکھنے والوں کو آپکی بیہوشی۔ مرضِ سکتہ اور آخر درجہ رحلت فرما جانیکا یقین ہوجاتا تھا۔ مشہور ہے کہ احد کے غزوہ میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے پائے مبارک پر تیر لگا وہ ایسا ہی سخت تھا کہ پاؤں سے نہ نکل سکا۔ اُسکا کھینچنا اگرچہ دشوار نہیں تھا مگر امیر المؤمنین علیہ السّلام اُسکی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ آخر کار یہ مسئلہ جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ بابرکت میں پیش ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت علیؑ نماز پڑھیں یہ تیر نکال لیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جرّاح نے زنبور کے ذریعہ سے وہ تیر نکالا۔ پاؤں کے نیچے تمام مُصلّا خون سے تر ہوگیا۔ مگر تاہم خدا کے اُس سچے اور خالص مُصلّی کو اصل واقعہ کی خبر تک بھی نہ ہوئی۔ ملا عبد الرحمٰن جامی نے تحفۃ الاحرار میں اس واقعہ کو نہایت خوبی سے نظم کیا ہے جسے ہم ذیل میں بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

شیر خدا شاہِ ولایت علیؑ	صیقلی شرک خفی و جلی	روز احد چوں صف ہیجا گرفت	تیر مخالف بہ تنش جا گرفت
غنچۂ پیکاں نہ گل او نہفت	صد گلِ راحت ز گلِ او شگفت	روئے عبادت سوی محراب کرد	پشت براو بر سر اصحاب کرد
خنجر الماس چو بید آختند	چاک بہ تن شکلِ گل انداختند	غرق بخوں غنچۂ زنگار گوں	آمد ازاں گلشن رخشاں بروں
گلگلِ خونش بمصلا چکید	گفت چو فارغ ز نماز آں بدید	ایں ہمہ گل چیست تہ پائے من	ساختہ گلزار مُصلائے من
صورتِ حالش چو نمودند باز	گفت کہ سوگند بدانائے راز	کز الم زخم ندارم خبر	گرچہ ز من نیست خبردار تر
طائرِ من سدرہ نشیں شد چہ باک	گرچہ شدم تن چو قفس چاک چاک	جامیؔ از آلائشِ تن پاک شو	در قدمِ پاک رواں خاک شو

ابو درداجن کا شمار صحابہ کبار کے اعلےٰ اور اعلم طبقہ میں ہوتا ہے اور یہ وہی بزرگ تھے جو خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں اجتہاد کی پوری قوت رکھتے تھے۔ آپکی عبادت اور استغراق فی اللہ کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں جسکو ہم خدمتِ مرحوم اوحد النّاس مولینا مفتی میر محمد عباس صاحب اعلے اللہ مقامہ کی نہایت مشہور و معروف مثنوی من و سلوٰی سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

گوش کن قولِ ابودردا ایں	نقل کرد از امامِ ما ایں	گفت رفتم در بیابانے شبے	ناگہاں آمد بگوشم یاربی
زاں صدا مو برتنِ ما راست شد	دیدم غمناک ازاں نجوا ست شد	پر ز غم بود آں صدا نامِ خدا	دانست از سر تا بپا نامِ خدا
یا الٰہی دیدہ عصیانِ من	بود ہر یک زاں بلائے جان من	نامۂ من پُر شدہ از جرم و خطا	لیک میخواہم ز تو عفو و عطا

آرزوہائے رضایت می کنم　　خواہشِ لطف و عنایت می کنم
دیدا انجا گلشنِ احسانِ علیؑ است　　درمیانِ خارہا پنہاں علیؑ است
در شبِ تاریک شمعش آہ بود　　شعلۂ دل ابرِ شب را ماہ بود
گفت ای مولای من آقای من　　اے خدا اے مونسِ شبہای من
چوں بعدل و انتقامت بنگرم　　وز شرار از قہرِ تو یاد آورم
آہ ازاں جرمے کہ رفت از خاطرم　　وانکہ اندر نامۂ خود بنگرم
وائے بر حالِ غریبے مضطرے　　وائے بر بے مونسے بی یاورے
آہ ازاں دم کز نظر اندازیش　　وز غضب اندر سقر اندازیش
سیلِ اشک از چشمِ دریا بار ریخت　　ریخت خوں از دیدہ و بسیار ریخت
در ہوا پیچید دودِ آہِ او　　منقطع شد نالۂ جانکاہِ او
زینقدر ہا رنجِ بیداری کشید　　زحمت از بسیاریِ زاری کشید
می دمِ صبح است بیدارش کنم　　صرفِ ذکرِ حق دگر بارش کنم
مثلِ چوبِ خشک بیحس دیدمش　　ماند ساکن ہرچہ جنبانیدمش
رفتم آں دم نزدِ سرور لرزاں　　گفتمش شد فوت امیر مومناں
گفت ایں غشی است کز خوفِ خدا　　عارضِ او می شود از سالہا
برمن آندم گریہ زور آوردہ بود　　حالِ او ہوش از سرِ من بردہ بود
ای ابودردا چہ پیش آمد ترا　　چیست ایں حالت بیاں کن ماجرا
گفت چوں فردا رسد روزِ حساب　　ہر یکے بیند بچشمِ خود عتاب
ای ابادرداء ھایشوی الوجوہ　　شور و زورش برکند بنیادِ کوہ
یک طرف منصوب میزانِ عمل　　می برد یک سمت دیوانِ عمل
پیشِ حق استادہ باشم دل تپاں　　بستہ باشد ہیبتِ او ام زباں
دستِ رحمت بر سرم حالا منہ　　آستیں بر چشمِ خوں پالا منہ

درپے آواز شد راوی رواں　　مثلِ سیلابِ سرشکِ ہر رواں
غلغلے در تاب و تب افگندہ است　　آتشے در کشتِ شب افگندہ است
خواند اول چند رکعت از نماز　　بعد شد مشغول در عجز و نیاز
چوں کنم در عفو غفرانت نگاہ　　کوہِ عصیانم نماید پرِ کاہ
آہ از روزِ حسابت اے خدا　　آہ از روزِ عقابت اے خدا
آہ چوں گوئی گرفتارش کنند　　درمیانِ مردماں خوارش کنند
نے رفیقے بہرِ امدادش رسد　　نے زخویش کس بفریادش رسد
بعد ازیں ہا نالۂ سر کرد شاہ　　برکشید از سینۂ پُر درد آہ
قطع شد آخر صدائے پرغمش　　گشت موقوف آں فغان و ماتمش
گفت ظن بردم کہ شاید آنجناب　　رفتہ باشد بعد ازیں محنت بخواب
حالیا بعد از تعب خوابیدہ است　　ہست ایں پایانِ شب خوابیدہ است
چوں رسیدم بر سرِ بالینِ او　　بود بر خاک آں تنِ سیمینِ او
برکشیدم آہِ سردے از درون　　قائلاً انا الیہ راجعون
شد حزیں چوں ایں خبر گفتم باو　　وجہ پرسید او زمن گفتم باو
چند کس رفتند از انصارِ او　　آب پاشیدیم بر رخسارِ او
چوں بہوش آمد نگاہے کرد و گفت　　گریۂ من دید و آہے کرد و گفت
گفتمش انکارِ تو زاری می کنم　　گریہ بر حالیکہ داری می کنم
ہر یکے غوغائے آتش بشنود　　شورِ دریا ہائے آتش بشنود
عالمے را ہیمۂ خود ساختہ　　غلغلِ ھل من مزید انداختہ
چوں در یخالت کشیدم پیشِ حق　　بر دلِ یاراں چہا باشد قلق
تو در آندم بیشتر خواہی گریست　　چوں کنی بر من نظر خواہی گریست
چوں بود جا پیشِ حق فردا مرا　　کس نپرسد ای ابودردا مرا

خداکی سچی عبادت کرنیوالے۔ اُسکی یاد اور ذکر میں مرمٹنے والے۔ ایسی ہی عبادت کرتے ہیں۔ اُنکے استغراق توجہ۔ خضوع و خشوع کی یہی محویت اور اُنکے مقدس دلوں کے رجوع کی یہی کیفیت ہوتی ہے ؎

دنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ سجود　　اُنکے لیے بھی بندگی واجب الوجود　　(میر انیس مرحوم)

حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام جو ائمہ معصومین علیہم السلام میں اپنی کثرتِ عبادت کی وجہ سے زین العابدین اور سید الساجدین کے معزز القاب سے یاد کیے جاتے ہیں ایک دن کسی کتاب میں اپنی جد بزرگوار کی

احوال ملاحظہ فرما رہے تھے جب ذکرِ عبادت تک پہنچے تو فوراً کتاب ہاتھ سے رکھدی۔ ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا کہ سوائے اُنکے اور کسی انسان میں اتنی طاقت کہاں جو خدا کی اتنی عبادت کرے (تہذیب المتین صفحہ ۳۵۵)

زہد فی الطعام

فالودہ کی ایجاد سب سے پہلے آپ ہی کے زمانِ خلافت میں ہوئی۔ ایک دن آپکی خدمت میں فالودہ لایا گیا۔ اُس کے کھانے سے انکار فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں اسکو حرام نہیں جانتا مگر مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ میرا نفس کبھی ایسی چیزوں کا خوگر نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ عادی ہو جائے۔ یہ کہکر فرمایا ذہبتم طیباتکم فی حیاتکم لیجاؤ۔ خدا تمہیں مبارک کرے۔ (مناقب احمد حنبل)

سوید ابن غفلہ سے روایت ہے کہ میں عید کے روز امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ نانِ خشک تناول فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آپ عید کے دن بھی ایسی غذا کھاتے ہیں ارشاد ہوا کہ اے سوید عید اُسکے لیے ہے جو گناہوں سے پاک اور عصیان سے آمرزیدہ ہو گیا ہو۔

پھر سوید ایک دوسرا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں کہ میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھا کہ ایک پیالے میں تھوڑا سا دودھ اور سوکھی ہوئی روٹی کے ٹکڑے آپکے سامنے رکھے ہیں۔ اُنپر اُسی طرح جَو کی موٹی موٹی بھوسیاں لگی ہوئی ہیں۔ وہ ٹکڑے سوکھ جانے سے ایسے سخت ہو گئے تھے کہ آپ اُنکو زانو سے دباکر توڑ رہے ہیں۔ فضّہ خادمۂ خاص سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ میں نے اُنکو اپنی طرف مخاطب کر کے کہا کہ فضّہ تم کو انکی ضعیفی پر بھی رحم نہیں آتا کہ تم انکی روٹیوں کے آٹے کو چھان تو دیا کرو۔ فضّہ نے جواب دیا کہ میں کیا کروں امیر المؤمنین علیہ السلام نے مجھے آٹا چھاننے کو خود منع فرما دیا ہے۔ اتنے میں خود ارشاد فرمایا کہ سوید! کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ آپ فضّہ کو آٹا کیوں نہیں چھاننے دیتے؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ میرے لیے یہی غذا بہتر ہے میں نے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہی غذا کھاتے دیکھا ہے۔

ایک بار کوئی صاحب مہمان ہوئے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو گھر میں سے کھانا آیا۔ اُس بیچارے کو یہ خیال ہوا کہ مہمانوں کی عام غذا سے صاحبِ خانہ کی غذا میں ضرور اہتمام ہوتا ہوگا اور وہ بہتر ہوتا ہوگا۔ اس خیال سے اُنہوں نے اصرار کیا کہ ہم جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھائینگے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے کھانیکا وقت آیا اور قنبر نے دسترخوان بچھایا تو سوائے سوکھی جَو کی روٹیوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ بھی ایسی سخت جو ہاتھ سے توڑے نہیں ٹوٹتی تھیں۔ اب تو مہمان سخت پشیمان ہوئے بیٹھے ہیں۔ نہ کھاتے ہیں اور نہ کچھ کہتے ہیں۔ یہ حال دیکھکر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے خود پوچھا تو مہمان نے عرض کی کہ مجھ سے تو یہ روٹیاں کھائی کہاں تک جائینگی۔ توڑی بھی نہیں جاتیں۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام تو قبل سے اُنکے مدعا کو سمجھ چکے تھے۔ جواب میں ارشاد فرمانے لگے کہ بھائی ہماری تو غذا یہی ہے جسے ہمارے سوا دوسرا مشکل سے کھا سکتا ہے ؎ لذت یہ کسی چیز میں پائی نہیں جاتی ٭ جز آلِ نبی اور سے کھائی نہیں جاتی۔ (مرزا اوج)

ایک صاحب حضرت امام حسن علیہ السّلام کے مہمان ہوئے۔ مالدار بھی تھے اور خوشحال بھی۔ نمازِ مغرب میں شریک ہوئے۔ فریضہ سے فارغ ہوکر صحنِ مسجد میں ٹہلنے لگے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کے کھانے کا وقت تھا۔ اُس دن سوائے جَو کے آٹے کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کی نظر اُن پر جا پڑی اُن کو بُلایا۔ یہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو پہچانتے نہ تھے۔ جب یہ قریب آئے تو آپ نے اُس آٹے میں سے ایک کفِ دست خود پھانک کر ایک کفِ دست اُن کو بھی دیا۔ انہوں نے اُس آٹے کو لیکر اپنے عمامہ کی کھونٹ میں باندھ لیا۔ اور مسجد سے امام حسن علیہ السّلام کی خدمت میں واپس آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کھانے کا وقت آیا تو اُن کو مسجد کا واقعہ یاد آیا۔ امام حسن علیہ السّلام سے کہنے لگے کہ مسجد میں ایک فقیر اُترا ہے۔ مناسب ہے کہ پہلے آپ اُسے غذا بھجوالیں تو ہم پیچھے کھالینگے۔ اُس نے اپنے آردِ شعیر میں سے کچھ مجھے بھی دیا ہے جو میرے عمامہ کے گوشہ میں بندھا ہے۔ یہ کہکر وہ جَو کا آٹا امام حسن علیہ السّلام کو دکھلایا۔ امام حسن علیہ السّلام نے یہ روداد سُنی تو آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ تم پہچانتے نہیں وہ مردِ فقیر نہیں بلکہ ہمارا تمہارا اور تمام اہلِ اسلام کا امیر ہے اور پیشوا۔

محمد ابن طلحۃ الشافعی کتاب مطالب السئول میں تحریر کرتے ہیں:۔

عن عبد اللہ ابن زریر قال دخلت علی علی علیہ السّلام یوم الاضحیٰ فقرب الی حریرۃ فقلت اصلحک اللہ یا امیر المؤمنین ع قد اکثر لک الخیر فقال یا بن زریر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وٰالہ وسلم یقول لا یحل للخلیفۃ من مال اللہ الا قصعتان قصعۃ یاکلھا ھو واھلہ و عیالہ وقصعۃ یضعھا بین ایدی النّاس۔

عبد اللہ ابن زریر سے منقول ہے کہ میں عید الضحیٰ کے دن جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے حلیم میرے آگے رکھا۔ میں نے عرض کی یا امیر المؤمنین! خدا نے اکثر چیزوں کو آپ کے لیے وافر فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن زریر! میں نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ خلیفہ کے لیے دو پیمانوں سے زیادہ مالِ خدا سے لینا حلال نہیں ہے۔ اس میں سے ایک پیمانہ تو خود اُس کے اور اُس کے اہل و عیال کے مصارف کے لیے اور ایک پیمانہ اُسکو مہمانوں کے لیے۔

امام احمد ابن حنبل مسند میں لکھتے ہیں:۔

عن سوید بن غفلۃ قال دخلت علی علی علیہ السّلام فی قصر الامارۃ و بین یدیہ رغیف من شعیر وقدح من لبن والرّغیف یابس تارۃ یکسرہ بیدیہ وتارۃ برکبتیہ فشق علیّ ذٰلک فقلت بجاریۃ لہ یقال لھا فضۃ الا ترحمین ھذا الشّیخ وتنخلین لہ ھذا الشّعیر اما ترین نشارۃ علیہ وما تعالی منہ فقالت لای شی یُوجر ھو وانا شرعی وانہ عھد الینا ان لا ننخل لہ طعاما قط فالتفت الی وقال ما تقول لھا یا بن غفلۃ فاخبرتہ فقلت یا امیر المؤمنین

علیہ السلام ارفق بنفسک فقال ویحک یا سوید ما شبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واھلہ من خبز بر ثلاثہ حتی لقی اللہ تعالیٰ وما نخل لہ طعام قط ولقد جعت بالمدینۃ جوعا شدیدا فخرجت اطلب العمل فاذا بامرأۃ قد جمعت مدرا تریدان تبلہ فقاطعتہا علی دلو بتمرۃ فملدت ستۃ عشر دلوا حتی مجلت یدای ثم اخذت التمر واتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاخبرتہ فاکل منہ۔

سوید ابن غفلہ سے مروی ہے کہ میں ایک بار قصر الامارۃ میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ کے سامنے جَو کی روٹی اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا۔ روٹی ایسی خشک تھی کہ کبھی آپ اُسکو ہاتھوں سے اور کبھی گھٹنوں سے توڑتے تھے۔ یہ حالت دیکھکر مجھے تاسف ہوا۔ اور آپ کی خادمہ فضہ سے کہا تو اس بزرگ پر ترس نہیں کھاتی۔ اور ان کے لیے جَو چھانکر روٹی نہیں پکاتی اور اتنا بھی نہیں دیکھتی کہ اس پر کتنی بھوسی لگی ہوئی ہے۔ اور اس سخت روٹی کے توڑنے میں انکو کتنی مشقت ہوتی ہے۔ فضہ نے جواب دیا کیا وجہ ہے کہ اس میں اُنکو تو اجر ملے اور ہم گنہگار ٹھیریں۔ مگر حقیقتِ امر یہ ہے کہ آپ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ اُنکی روٹی ہم کبھی چھانکر نہ پکائیں۔ یہ سنکر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابنِ غفلہ تم اِس خادمہ سے کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے ساری تقریر بیان کی اور کہا اے امیر المؤمنین (علیہ السلام) آپ اپنی جان پر رحم فرمائیے اور اتنی مشقت نہ کریں۔ ارشاد فرمایا۔ اے سوید تجھ پر افسوس ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُنکے اہل وعیال نے کبھی برابر گیہوں کی روٹی تین دن تک نہیں کھائی اور کبھی اُن کے لیے چھانکر آٹا نہیں پکایا گیا۔ ایک دفعہ مدینہ میں میں سخت بھوکا تھا۔ مزدوری کو نکلا۔ دیکھا ایک عورت مٹی کے ڈھیلوں کو جمع کر کے اُنکو بھگونا چاہتی ہے۔ میں نے اُس سے فی ڈول ایک خرمہ اجرت طے کی اور سولہ ڈول کھینچکر اُسکی مٹی کو بھگویا۔ حتےٰ کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ وہ کھجوریں لیکر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ پھر میں نے اور آپ نے وہ کھجوریں ملکر کھائیں۔

ملا سیرۃ النبوہ میں لکھتے ہیں :-

عن زید قال علی علیہ السلام اذا صلیت الظھر غدا فغدا الی قال فلما کان الغد وصلیت الظھر غدوت الیہ فلم اجد عندہ حاجبا یحبسنی دونہ فوجدتہ جالسا وعندہ کوز ماء فدعا بوعاء مشدود علیہ ختم فقلت فی نفسی لقد امننی حتی یخرج الی جواھر او لا ادری ما فیہ فلما کسر الخاتم وحلہ فاذا فیہ سویق فاخرج منہ قبضۃ فی القدح وصب علیہ الماء وشرب وسقانی فلم اصبر فقلت یا امیر المؤمنین علیہ السلام اتصنع ھذا بالعراق و

طعام العراق کثیر فقال اما واللہ ما اختم علیہ بخلاً ولاکنّی اتباع قدرما یکفینی واخاف ان یوضع فیہ من غیرہ وانا اکرہ ان ادخل بطنی الا طیّباً فلذلک احترزت بما تریٰ ؛

زید سے مروی ہے کہ مجھے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ظہر کی نماز کے بعد میرے پاس آئیو۔ اور کھانا کھائیو۔ جب دوسرا دن ہوا اور میں ظہر کی نماز پڑھ چکا۔ انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ کوئی حاجب ان کا نہیں تھا کہ مجھ کو ان سے روکتا۔ میں نے اُن کو بیٹھا ہوا پایا۔ اُنکے پاس پانی کا ایک لوٹا دھرا ہوا تھا۔ پس وہ ایک ظرف سربمہر لائے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ البتہ اس میں سے جواہر نکالکر مجھے عطا فرمائینگے۔ کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ اس میں کیا ہے۔ جب جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُسکی مُہر کو توڑا اور اُسکو کھولا تو دیکھتا کیا ہوں کہ اُس میں ستو ہیں۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُس میں سے ایک مٹھی بھر کر پیالہ میں ڈالے اور اُسپر پانی ڈالا اور مجھ کو بھی بلایا۔ میں صبر نہ کر سکا۔ بس میں نے عرض کی یا امیر المؤمنین علیہ السلام آپ عراق میں رہکر یہ کھاتے ہیں حالانکہ عراق میں طرح طرح کے کھانے ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ واللہ میں بخل کی وجہ سے اسپر مہر نہیں لگاتا مگر جس قدر کہ مجھ کو کافی ہو اُسی کا اتباع کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کوئی چیز سوا ستو کے اس میں نہ رکھی جائے اور میں مکروہ جانتا ہوں کہ اپنا پیٹ سوائے پاک چیزوں کے اور کسی شے سے بھروں۔ اس لیے احتراز کرتا ہوں۔ جیساکہ تو نے دیکھا ہے۔

شرح نہج البلاغہ میں تحریر فرمایا ہے :۔

عن عبداللہ بن ابی رافع قال دخلت علیٰ علی علیہ السّلام یوم عید فقدم الی جراباً مختوماً فوجدنا فیہ خبز شعیر یابساً مرضوضاً فقدم واکل فقلت یا امیر المؤمنین علیہ السّلام کیف تختمہ قال خفت من ھٰذین الوالدین ان یلینا بسمن اوزیت۔

عبداللہ ابن ابو رافع سے منقول ہے کہ میں عید کے دن جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ آپ نے میرے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا رکھدیا۔ ہم نے اُسکو کھولا اور اُس میں جو کی روٹیوں کے خشک ٹکڑے پائے۔ پس آپ اُس میں سے کھانے لگے۔ میں نے عرض کی۔ یا امیر المؤمنین! آپ نے اس پر مہر کیوں لگائی ہے؟ فرمایا میں ان لڑکوں سے ڈرتا ہوں کہ اس کو روغن یا زیت سے چرب نہ کریں۔

علامہ ابن حدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں :۔

عن ابن حدید قال وکان یاتدم بخل او بملح فان ترقی علیٰ ذٰلک فبعض نبات الارض فان ارتفع ذٰلک فبقلیل من البان الابل ولا یاکل اللحم الا قلیلاً ویقول لا تجعلوا بطونکم مقابر الحیوان۔

علامہ ابن الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام ہمیشہ سرکہ و نمک کھایا کرتے تھے جب اس سے کبھی ترقی فرماتے تھے تو بعض ترکاریوں کا استعمال فرماتے تھے اور اگر اس سے بھی بڑھجاتے تھے تو کبھی تھوڑا اونٹ کا دودھ پی لیتے تھے۔ اور گوشت نہیں کھاتے تھے مگر بہت کم اور ارشاد فرماتے تھے

کہ اپنے پیٹ کو حیوانوں کا مقبرہ نہ بناؤ۔ (شرح نہج البلاغہ)

کتابِ ریاض النظرہ میں علامہ محب طبرانی لکھتے ہیں :۔

عن علی بن ربیعۃ الرّائی قال کان لعلی علیہ السّلام امرأتان فکان اذا کان یوم ھٰذہ اشتری لحمابنصف درھم واذا کان یوم ھٰذہ اشتری بنصف اُخرہ۔

علی ابن ربیعۃ الرائیؒ سے منقول ہے کہ جنابِ امیر علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں۔ جب اس بی بی کی باری ہوتی تو نصف درم کا گوشت خرید فرماتے اور جب اُس بی بی کی باری ہوتی تو دوسرے نصف درہم کا۔

علامۂ موصوف دوسرا واقعہ یہ لکھتے ہیں :۔

عن ابی صالح قال دخلت علی ام کلثوم بنت علی علیہ السّلام واذا ھی تمشط فی ستر بینی و بینھما فجاء حسن وحسین علیھما السّلام فدخلا علیھا وھی جالسۃ تمشط فقالت الا تطعمون اباصالح شیئا قال فاخرجوا الی قصعۃ فیھا مرق بحبوب قال قلت تطعمون ھٰذا وانتم امراء فقالت یا اباصالح کیف انت لو تری امیرالمومنین علیًا علیہ السّلام وانی باترج فذھب حسین علیہ السّلام فاخذ منھا اترجۃ فنزعھا من یدہ ثم امر بہ فقسم بین النّاس۔

ابو صالح سے مروی ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت امّ کلثوم بنتِ علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ کنگھی کر رہی تھیں اور میرے اور اُنکے درمیان میں پردہ حائل تھا۔ اتنے میں جنابِ حسن وحسین علیہما السلام تشریف لائے۔ حضرت ام کلثوم علیہا السلام نے فرمایا کہ ابوصالح کو تم کچھ کھلاتے نہیں ہو۔ ابو صالح کا بیان ہے کہ میرے لیے ایک شوربہ کا پیالہ لایا گیا جس میں دال پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ امرا ہو کر ایسی غذا کھاتے ہیں۔ جنابِ ام کلثوم کہنے لگیں اے ابوصالح! اگر تم امیرالمومنین علیہ السلام کو دیکھو تو تمہارا کیا حال ہو۔ ایک بار جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس کہیں سے نارنگیاں آئیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک نارنگی اُٹھالی۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے وہ نارنگی اُنکے ہاتھ سے لیکر لوگوں کو بانٹ دی۔

زہد فی اللباس

امیرالمومنین علیہ السلام کے کھانے کی کیفیت تو معلوم ہوئی۔ اب خوراک کے بعد پوشاک کے حالات بھی ملاحظہ فرمائے جائیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ خود ہمیشہ موٹے کپڑے پہنتے تھے اور اپنے خادموں کو نفیس پوشاک پہناتے تھے۔ ایک روز ایک بزاز کی دوکان سے دو کپڑے خریدے۔ ایک کپڑے کی قیمت دو درم تھی اور دوسرے کی تین۔ قنبرؓ ساتھ تھے۔ دو روپیہ والا کپڑا اپنے لیے رکھا اور تین درم والا کپڑا قنبرؓ کو حوالہ کیا۔ قنبرؓ نے عرض کی کہ اس کو آپ پہنیں۔ یہ کپڑا آپ کے لیے زیبا ہے کیونکہ آپ کو لوگوں سے ملاقات کرنی ہوتی ہے۔ اور مجمع عام میں خطبہ پڑھنا ہوتا ہے۔ جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام نے

ہنسکر جواب دیا۔ تم جوان ہو۔ تمہارے ہی لیے نفیس کپڑا زیبا ہے اور میرے لیے یہی کافی ہوگا۔

امام ابو اسحٰق شعبی کا بیان ہے کہ میرا بچپن تھا۔ میرا باپ مجھ کو لیکر جمعہ کے دن مسجد کوفہ میں گیا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام خطبہ فرمارہے تھے۔ اور آدمیوں کی یہ کثرت تھی کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے میرے باپ نے مجھ کو اپنے کندھے پر چڑھا لیا۔ میں نے دیکھا کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام خطبہ فرمارہے ہیں۔ اور اپنی آستینوں کو زور زور سے ہلاتے جاتے ہیں۔ میں نے اس کا سبب پوچھا اور باپ سے کہا کہ کیا امیر المؤمنین علیہ السّلام کو گرمی معلوم ہوتی ہے۔ جو اپنی آستینوں سے ہوا دیتے جاتے ہیں۔ میرے باپ نے کہا کہ یہ گرمی کے باعث سے نہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے پاس سوائے اس پیراہن کے دوسرا پیراہن نہیں تھا۔ اور میلا ہو چکا تھا۔ مجبور ہو کر اسکو خود دھویا ہے اس لیے اسے حرکت دیتے جاتے ہیں کہ جلد خشک ہو جائے۔

صالح ناقل ہیں کہ میری دادی نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کو دیکھا کہ بازار کوفہ سے خُرمے خریدے اپنی عبا میں لیے جارہے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور چاہا کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام اپنا بار مجھے دیدیں تاکہ میں آپ کے گھر تک پہنچادوں۔ فرمایا نہیں۔ تھوڑی دور آگے چلکر پوچھا الا تاکلین منہ۔ کیا تو اس میں سے کچھ کھانا چاہتی ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ حضرت وہ خُرما لیکر گھر میں داخل ہوئے۔ جمعہ کا روز تھا مسجد میں تشریف لائے تو وہی عبا اوڑھے ہوئے تھے اور خرمے کے چھلکے اُسی طرح اُس وقت تک اُس لگے ہوئے تھے۔

لیلیٰ بنت مسعود نہشلی کے ساتھ عقد کیا۔ لیلیٰ کے والدین امیر تھے۔ اُنھوں نے لیلیٰ کے لیے دولتسرا کے ... میں اپنے خاص اہتمام سے ایک حجلہ آراستہ کیا۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام تشریف لائے تو یہ سامان دیکھکر اُن تمام بیش بہا اور اعلےٰ پردوں کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا۔ ناموس علی (علیہ السّلام) کے لیے وہی حالت کافی ہے جس حالت میں وہ ہیں۔

کتاب غارات ابراہیم ثقفی میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام اپنی حکومت کے زمانہ میں اپنی تلوار ہاتھ میں لیے بازار کوفہ میں کھڑے ہوئے فرمارہے تھے کہ میں اپنی تلوار بیچتا ہوں جسکو لینا ہو وہ لے۔ اگر میرے پاس پائجامہ کی قیمت ہوتی تو میں اسے ہرگز نہ بیچتا۔ ابو رجا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی کہ میں آپ کے ہاتھ پائجامہ بیچتا ہوں اور آپ کے اوپر اُس کی قیمت قرض چھوڑتا ہوں۔ جس وقت آپ کے پاس اسکی قیمت موجود ہو آپ مجھے واپس دینگے۔ یہ کہکر میں نے پائجامہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام کو دیدیا۔ پھر تقسیم کے دن اُنکے حصہ سے اُسکی قیمت لے لی۔

جب کبھی پیراہن کی آستینیں بڑی ہو جاتی تھیں تو اُن کو اپنے ہاتھوں سے پھاڑ ڈالتے تھے کامل
اور فقرائے اسلام کے لیے اُن کی ٹوپیاں سلوا کر تقسیم فرماتے تھے۔ اہل کوفہ سے ہمیشہ ارشاد

فرماتے تھے کہ اگر میں تمہارے شہر سے سوائے اس موٹے کپڑے کے جو میرے بدن پر ہے اور فلاں غلام و جاریہ کے جو میرے ساتھ ہیں کوئی دوسری شئے اپنے ساتھ لیجاؤں تو تم مجھ کو خائن جاننا۔

احمد ابنِ حنبل مناقب میں اور ابنِ اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں :۔

عن ھارون ابن عنترۃ عن ابیہ قال دخلت علیٰ علی علیہ السّلام بالخورنق وھو یرعد فی یوم بارد وعلیہ شملۃ فقلت یا امیر المؤمنین علیہ السّلام ان اللّٰہ قد جعل لک ولاھلک فی ھٰذا المال نصیبا وانت تفعل ھٰذا بنفسک فقال واللّٰہ ما ارزاکم من اموالکم شیئا واللّٰہ انّھا لقطیفتی التی خرجت بھا من المدینۃ ما عندی غیرھا۔

ہارون ابن عنترہ اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ میں جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوا جب آپ قصرِ خورنق میں تشریف رکھتے تھے۔ موسم سرما تھا۔ آپ جاڑے کی شدّت سے کانپ رہے تھے۔ فقط ایک کپڑا پُرانا اوڑھے تھے۔ میں نے عرض کی یا امیر المؤمنین علیہ السّلام خدا تعالےٰ نے آپکے اور آپکے اہل و عیال کے لیے اس بیت المال میں حصّہ مقرر فرمایا ہے اور آپ اپنے نفس کے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ واللہ میں تمہارے مالوں میں سے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا واللہ یہ میرا وہی کھیس ہے جسکو میں مدینہ سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔

احمد ابنِ حنبل مناقب میں لکھتے ہیں :۔

عن زید ابن ابی وھب قال خرج علی علیہ السّلام الی النّاس وعلیہ ازار مرقوع فعابتہ الجعد بن نعجۃ فی لباسہ فقال مالک فی لبوسی انّ لبوسی ھٰذا ابعد من الکبر واجدر ان یھتدی بہ المسلم۔

زید ابن ابی وہب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام گھر سے باہر لوگوں میں تشریف لائے۔ آپ کے تہبند میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ جعد ابن نعجہ خارجی آپ کو اس لباس میں دیکھکر طعن کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا تم کو میرے لباس سے کیا سروکار ہے۔ یہ میرا لباس غرور سے دور ہے اور اس لائق ہے کہ مسلمان اس کی پیروی کریں۔

ملّا علی متقی کنز العمّال میں اور محب طبری ریاض النظرہ میں تحریر کرتے ہیں :۔

عن عمرو بن قیس قال قیل لعلی علیہ السّلام یا امیر المؤمنین علیہ السّلام لم ترقع قمیصک قال تخشع القلب ویقتدی بہ المؤمن۔

عمرو بن قیس ناقل ہیں کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اپنے پیراہن میں پیوند کیوں لگاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اس سے دل نرم ہوتا ہے اور مومن اس کی پیروی کرتا ہے

پھر اُنہی کتابوں میں ہے :۔

عن ام سلیم وقد سئلت عن لباس علیؑ الذی اصیب فیہا قالت کان لباس الکرابیس السُنبلانیہ۔

ام سلیم سے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے اُس لباس کی نسبت پوچھا گیا جس میں آپکا انتقال واقع ہوا وہ کہنے لگیں کہ آپ کا لباس سُنبلان کی گزی کا تھا۔

مناقب میں ہے:۔

عن ابی ملیکہ قال لما ارسلہ عثمان علیٰ علی علیہ السلام فی الیعاقیب وجدہ موتزر بعبائہ محتجزا بعقالہ وھویھنا بعیرالہ رای یطلبہ بالقطران۔

ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان نے مجھ کو یعاقیب میں جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی عبا کا تہبند باندھے ہیں۔ اور اُسپر رسی لپیٹے ہوئے ہیں اور اپنے اونٹ کو بدبودار روغن مل رہے ہیں۔

مناقب میں ہے:۔

عن ابی بحر عن شیخ لہ قال رایت علی علی علیہ السلام ازاراً غلیظاً ثمنہ خمسۃ دراھم وقد اشتراہ بخمسۃ دراھم قال ورایت معہ خمسۃ دراھم مصرورۃ قال ھذا ابقیۃ نفقتنا۔

ابی بحر اپنے ایک بزرگ سے ناقل ہیں کہ میں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو دیکھا کہ موٹا تہبند باندھے ہوئے تھے جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ اور پانچ درہم اُنکی ہمیاں میں بندھے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ یہ ہمارا باقی نفقہ ہے۔

پھر وہی راوی ناقل ہے:۔

عن ابی بحر عن شیخ لہ رایت علی علی علیہ السلام ازاراً غلیظاً قال اشتریتہ بخمسہ دراھم فمن اربحنی فیہ درھما بعتہ ایاہ قال وکان یاتزر بعبائہ ولیشد وسطہ بعقال یھنا بعیرہ وھو یومئذ خلیفۃ۔

ابی بحر اپنے شیخ سے ناقل ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو دیکھا۔ موٹا تہبند باندھے ہوئے۔ فرمانے لگے۔ میں نے اسے پانچ درہم پر خریدا ہے جو کوئی مجھ کو اسی میں سے ایک درہم نفع دے تو میں اسکو بیچ دوں۔ راوی کا بیان ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ایک چادر کا تہبند باندھے تھے اور ایک رسی سے اُسے خوب کسے تھے۔ اور اپنے اونٹ کو آپ روغن ملتے تھے۔ حالانکہ اُس زمانہ میں آپ خلیفہ تھے۔

مناقب میں تحریر ہے:۔

عن ابی سعید الازدی قال رایت علیاً فی السوق وھو یقول من عندہ قمیص صالح بثلاثۃ

دراهم فقال رجل عندی فجاء به فاعجبه فاعطاه ثم لبسه فاذا هو یفضل عن اطراف اصابعه فامر به فقطع ما فضل عن اطراف اصابعه۔

ابی سعید الازدی سے نقل ہے کہ میں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کو بازار کوفہ میں دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے آیا کسی کے پاس تین درہم کی قیمت کا اچھا کرتہ ہے؟ ایک آدمی نے کہا۔ میرے پاس ہے۔ آپ اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور وہ کرتا آپ کو اچھا معلوم ہوا۔ تین درہم پر اُس کو خرید فرمایا۔ جب اُس کو پہنا تو وہ آپ کے ہاتھوں کی اُنگلیوں سے بڑھتا تھا۔ آپ نے اُس کی زیادتی کو کٹوا ڈالا۔

ریاض النظرہ میں مندرج ہے:۔

عن عبد اللہ ابن ابی الھذیل قال رایت علیاً خرج وعلیہ قمیص غلیظ رازی اذا مد کم قمیصہ بلغ الظفر واذا ارسلہ صار الی نصف الساعد۔

عبد اللہ ابن ابی ہذیل سے منقول ہے کہ میں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کو دیکھا کہ ایک موٹا کُرتہ رازی کا پہنے ہوئے تھے کہ جب اُسکی آستینیں کھینچتے تو وہ ہاتھ کے ناخن تک پہنچ جاتیں اور جب اُس کو چھوڑ دیتے تو وہ کلائی کے نصف تک سکڑ کر رہجاتا۔

استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھا ہے:۔

عن الحسن بن جرموز عن ابیہ قال رایت علیاً یخرج من مسجد الکوفۃ وعلیہ قطریتان متزرا بواحدۃ مرتدیا بالاخری وازارہ الی نصف ساق وھو یطوف بالاسواق و معہ درۃ یامرھم بتقوی اللہ عزوجل وصدق الحدیث وحسن البیع والوفا فی الکیل والقسط فی المیزان۔

حسن ابن جرموز اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ میں نے جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السّلام کو مسجد کوفہ سے نکلتے ہوئے دیکھا کہ دو قطریہ میں سے ایک تہ بند باندھے ہیں اور ایک اوڑھے ہیں۔ آپ کا تہ بند نصف ساق تک رہتا ہے۔ اور وہ بازاروں میں پھر رہے ہیں۔ اور آپ کے پاس درّہ ہے۔ لوگوں کو خدا کے خوف سے سچ بولنے۔ کھرا سودا بیچنے اور پیمانہ کے پورا کرنے اور ترازو کے برابر رکھنے کا حکم کرتے ہیں۔

مناقب میں تحریر ہے:۔

عن ابی النوار بیاع الکرابیس قال اتانی علی علیہ السّلام ومعہ قنبر غلامہ فاشتری منی ثوبین غلیظین فقال لغلامہ قنبر اختر ایھما شئت فخیر قنبر احدھما واخذ علی علیہ السّلام الاخر فلبسہ۔

ابو النوار گزی فروش کا بیان ہے کہ ایک بار امیر المؤمنین علیہ السّلام اپنے غلام قنبر کو لیے ہوئے میرے

پاس آئے اور مجھ سے دو موٹے کپڑے خرید فرمائے۔ اور اپنے غلام قنبر سے فرمایا کہ ایک ان میں سے جو تمہیں پسند ہو لیلو۔ قنبر نے اُن میں سے ایک کو لے لیا۔ اور جناب امیر علیہ السلام نے دوسرا لیکر خود پہن لیا۔

مناقب میں ہے:۔

عن ابن عباس قال دخلت یوما علیٰ امیر المؤمنین علی علیہ السلام وھو یخصف نعلہ فقلت لہ ما قیمت ھٰذہ النعل التی تخصف فقال ھی واللہ احب الیّ من دنیاکم الا ان اقیم بہ حقا وادفع باطلا قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یخصف نعلہ ویرقع ثوبہ ویرکب الحمار ویردف خلفہ۔

عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ میں ایک دن جناب امیر علیہ السلام کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آپ اپنا جوتا سی رہے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کا جوتا کس قیمت کا ہے؟ فرمایا۔ یہ جوتا مجھے تمہاری تمام دنیا سے محبوب ہے۔ مگر وہ امور جس کی وجہ سے میں حق کو قائم اور باطل کو دور کروں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جوتا سیتے تھے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔ گدھے پر سوار ہوتے تھے۔ اور اپنے پیچھے دوسرے کو بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔

مناقب میں ہے:۔

عن سوید ابن غفلہ قال دخلت علیٰ علی علیہ السلام ولیس فی دارہ غیر حصیر رث وھو جالس علیہ فقلت یا امیر المؤمنین علیہ السلام انت ملک المسلمین والحاکم علیہم وعلیٰ بیت المال وتاتیک الوفود ولیس فی بیتک سوی ھٰذا الحصیر فقال یا سوید اللبیب لا یتانس فی دار النقلۃ واما بین ایدینا دار المقامۃ قد نقلنا الیہا متاعنا ونحن منقلبون الیہا عنقریب قال فابکانی واللہ کلامہ۔

سوید ابن غفلہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ آپ ایک پرانے بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی یا امیر المؤمنین علیہ السلام آپ مسلمانوں کے بادشاہ اور حاکم ہیں۔ بیت المال کے مختار ہیں۔ قوموں کے ایلچی آپ کے پاس آتے ہیں۔ لیکن آپ کے گھر میں اس پرانے بوریے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ فرمایا اے سوید! عاقل ایسے گھر سے انس نہیں کرتا جس سے نقل کرنا ہو۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمیشگی کا گھر ہے۔ ہم اپنے سامان کو اُس میں نقل کر چکے ہیں اور عنقریب ہم بھی اُسی طرف جانیوالے ہیں۔ سوید کا قول ہے کہ بخدا آپ کے اس کلام نے مجھے رُلا دیا۔

استیعاب میں ہے:۔

عن عطاء رایت علیٰ علی علیہ السلام قمیص کرابیس غیر غسیل۔

عطا کہتے ہیں کہ میں نے جناب علی علیہ السلام کو گزی کا بے دُھلا ہوا کپڑا پہنے دیکھا۔

طرزِ معاشرت وتفقدِ احوالِ رعایا

امیر المومنین علیہ السلام کی معاشرت اور حسنِ تواضع ایسا سادہ تھا کہ معمولی سے معمولی بھی جس نے اس سے قبل آپ کو نہ دیکھا ہو۔ اگر دفعۃً دیکھے تو کبھی ممالکِ اسلامی کا فرمانروا نہیں کہہ سکتا۔ گھر کا تمام کام کاج اپنی ہاتھ سے کرتے تھے۔ قنبر اور سعید وغیرہ کو کبھی اُن کی تکلیف نہیں دیتے تھے۔ بازار کی ساری کام آپ کر لیتے تھے۔ اپنا جوتا آپ سی لیتے تھے۔ اپنا کپڑا آپ دھو لیتے تھے اور اپنے پیراہن میں آپ پیوند لگاتے تھے۔ اور ان ضرورتوں میں کبھی دوسروں کی استمداد کے محتاج نہیں ہوتے تھے۔ خانہ داری کے کاموں کو بھی اکثر اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ مسجد کی تمام خدمات کی انجام دہی تو کلیتاً آپ ہی کے متعلق تھی۔ امامت کے ممتاز منصب سے لیکر جاروب کشی کی اونے خدمات تک اپنے ہاتھوں سے انجام دیے جاتے تھے۔

حضرت فضّہ جب سے خدمت خانہ داری پر مشرف ہوئیں تو جناب سیدہ علیہا السلام پر تاکید کی گئی کہ گھر کے کاموں کو ایک دن تم انجام دو اور ایک دن فضّہ۔ اس آسان طریقہ سے ایک روز جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو فرصت ملتی تھی اور ایک دن حضرت فضّہ کو۔

یہ تو قبلِ خلافت کے حالات تھے۔ خلافت پانے پر بھی آپ کی سادہ وضعی اور پاکیزہ نفسی میں کسی قسم کا تغیر اور تبدّل واقع نہیں ہوا۔ ہمیشہ موٹے سے موٹے کپڑے پہنے اور گھر کے خادموں کو نفیس پوشاکیں پہنائیں۔ آپ معمولی سے معمولی کھانا کھایا مگر مہمانوں کو الوانِ نعمت سے ہمیشہ محظوظ ومسرور فرمایا۔ اپنے لیے دسترخوان پر خرما۔ نمک۔ سرکا یا جَو کے آٹے کے سوا اور کبھی کوئی چیز رکھنے نہ دی۔ مگر ہاں جب کوئی مہمان مسافر یا غریب آگیا تو پھر اُسکے لیے دسترخوان پر ہر قسم کا تکلف بھی تھا اور اہتمام بھی۔

اکثر پیادہ پا چلتے تھے۔ گھوڑے پر بغیر سفر کی ضرورتوں کے عام طور سے سوار نہیں ہوتے تھے۔ اپنے تجمل وشان کا اظہار جس کے لیے آپ ہر طرح سے شایاں تھے کبھی ہونے نہیں دیتے تھے۔ عام طور سے ممالک محروسہ اور رعایا پر اپنی سطوت۔ قوت یا اختیار کا ذرّہ بھر بھی اظہار نہیں ہونے دیتے تھے۔ عام طور سے رعایا کے ساتھ جو رعایت اور اُنکے حقوق کی حفاظت منظور تھی اُسکی کیفیت ہم پوری تفصیل کے ساتھ نظامِ ملکی کی بحث میں لکھ آئے ہیں۔ فریادی کی فریاد کو خود سُنتے تھے۔ کسی کے ذریعہ اور وسیلہ کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ بازار کوفہ اور شہر کی راہوں میں یوں نکلتے تھے کہ کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا کہ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام جاتے ہیں یا کوئی اور۔ جب کہیں راہ میں ہجوم ہوتا تھا اور چلنے کیلئے راہ نہیں ملتی تھی تو اُن پر کسی قسم کا تحکم نہیں کیا جاتا تھا۔ اور وہ سختی اور درشتی سے چلا چلا کر جانوروں کی طرح دور ہٹائے نہیں جاتے تھے۔ بلکہ نہایت نرمی اور شفقت فرماتے تھے کہ اے معاشر المؤمنین! اسلام علیکم علی (علیہ السّلام) کو راستہ دو کہ وہ آسانی سے چلا جائے۔ کچھ لوگ تو آواز پہچان کر اور کچھ صورت

دیکھکر راستہ سے ہٹ جاتے تھے۔

حریث ابنِ شاہل کوفہ میں تھا اور کسی ملک کی ولایت کا عہدہ اُسکے سپرد تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کہیں گھوڑے پر تشریف لیجارہے تھے۔ وہ دیکھکر پیادہ ہوکر ساتھ ہولیا۔ اُس کو پیادہ دیکھکر آپ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ اور فرمایا ارجل فان مشی مثلک مع مثلی فتنہ للوالی ومذلۃ للمؤمنین۔ بھائی واپس جاؤ۔ تمہارا میرے ساتھ پیادہ پا چلنا تمہاری ولایت کے موجودہ منصب کے لیے بہت سی غلط فہمی کا باعث ہوگا۔ اور تمہاری مومن بھائیوں کے لیے کم وقعتی اور ذلت کا موجب ہوگا۔

مسجد سے نماز پڑھکر گھر آتے تھے۔ دروازہ پر ایک عورت ملی جو زار زار رو رہی تھی۔ وجہ پوچھی تو اُس نے عرض کی کہ میرا شوہر مجھ پر بہت سخت ظلم کرتا ہے۔ آج اُسنے قسم کھائی ہے کہ میں تجھے مار ڈالونگا۔ آپ نے فرمایا کہ دھوپ کی شدت کم ہولے تو میں تیرے شوہر کو بلوا کر تیرا تصفیہ کردوں۔ اُسنے جواب دیا کہ جہاں تک دھوپ کی حرارت کم ہو اُس کے غصہ کی آگ اور بھڑک جائیگی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام اُسکا یہ جواب سُنکر فوراً اُس کے ساتھ ہولیے۔ اُسکے گھر تک آئے۔ دروازہ پر آواز دی۔ اندر سے ایک جوان نے کواڑ کھولے۔ آپ نے اُسے سلام کیا۔ اور پھر کہا کہ اے بندۂ خدا! خدا سے ڈر اور اپنی عورت پر ناحق ظلم نکر۔ اُس نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی صورت بھی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کون ہیں جو ہمارے خانگی خانگی معاملات میں بیکار دخل دیتے ہیں۔ اب میں آپکی سفارش پر اسکو زیادہ تکلیف دونگا۔ یہ گفتگو سُنکر ہمسایہ کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔ وہ سب کے سب امیر المؤمنین علیہ السلام کو پہچانتے تھے۔ اُس شخص سے کہنے لگے کہ تو کس سے ایسی سختی اور درشتی سے باتیں کرتا ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام سے۔ وہ غریب امیر المؤمنین علیہ السلام کا نام سُنتے ہی قدموں پر گر پڑا اور عذر خواہی کرنے لگا۔ پھر اُسنے اقرار کیا کہ اب یہ عورت اگر مجھ کو اپنے قدموں کے تلے بھی کچلیگی تو بھی میں اسکو کچھ نہ کہونگا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُس عورت کو بُلایا اور اطاعتِ شوہر کے متعلق کامل ہدایت فرماکر اُس کے گھر بھجوادیا۔

بازارِ کوفہ میں کسی ضرورت سے جارہے تھے۔ دیکھا کہ ایک لونڈی دوکان پر کھڑی زار زار رو رہی ہے۔ اُس کے رونے کی وجہ دریافت فرمائی تو اُس نے عرض کی کہ میرے آقا نے مجھ سے ایک درم کی خرمے منگائے تھے۔ اِس دوکان سے لے گئی۔ اتفاقاً وہ اُسے پسند نہ آئے۔ اب دوکاندار کے پاس لائی ہوں تو وہ پھیرتا نہیں۔ آقا کے پاس لیجاتی ہوں تو لیتا نہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُس دوکاندار سے فرمایا کہ بھائی تم خوب جانتے ہو کہ یہ خادمہ ہے۔ صاحبِ خانہ نہیں۔ تم اپنی کھجوریں واپس لیلوگے تو تمہارے لیے کوئی قباحت نہیں ہوگی۔ اتفاق سے وہ دوکاندار شہر میں تازہ وارد تھا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کو پہچانتا نہ تھا۔ آپکی سفارش سنکر اُسے غصہ آگیا۔ اور وہ آپ سے سخت کلامی کرنے لگا۔ اور لوگ جو اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے دوڑ پڑے اور اُسکو سخت وسُست کہکر کہنے لگے کمبخت! تو امیر المؤمنین علیہ السلام

کو نہیں پہچانتا- وہ آپ کا نام سنتے ہی خوف زدہ ہو گیا- فوراً عورت سے کھجوریں لیکر اُس کے دام واپس کر دیئے پھر امیر المؤمنین علیہ السّلام کے قدموں پر گرا اور اپنی طرف سے معذرت پر معذرت کرنے لگا- آپ نے اُس کی طرف دیکھکر ارشاد فرمایا کہ جب تم نے اس عورت کے ساتھ تصفیہ کر لیا تو میں بھی اب تم سے رضامند ہو گیا-

بازارِ کوفہ میں بہت جاتے تھے اور اکثر بآوازِ بلند یہ آیہ تلاوت فرماتے تھے یا معشر النّاس اوفوا الکیل والمقیاس واوزنوا بالقسطاس المستقیم ولا تبخسوا النّاس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین- لوگو! باٹ اور پیمانے درست کرو- پوری ڈنڈی سے تولو- آدمیوں کی چیزوں کو کم نہ کرو- اور ملک میں فساد ڈالنے والے نہ ثابت ہو-

بھولے ہوئے مسافر کو خود راستہ بتلا دیتے تھے- کوئی کہن سال ضعیف یا معذور الاعضاء راستہ میں ملتا تو خود اُسکی اعانت فرماتے- کسی کو راہ میں غلط کلام اللہ پڑھتے سُنتے تو کھڑے ہو کر اُس کو فوراً بتلا دیتے-

امیر المؤمنین علیہ السّلام نے بازارِ کوفہ میں کچھ خریدا- دوکاندار کے لڑکے نے دو درہم آپ سے قیمت میں زیادہ لے لیے- اُسکا باپ آیا تو بیٹے نے اُس سے روئداد بیان کی- وہ اُس پر سخت برہم ہوا اور وہ دونوں درہم زائد لیکر امیر المؤمنین علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا- اور عرض کی کہ میرے لڑکے نے آپکو پہچانا نہ تھا- یہ دو درہم آپ سے زائد لے لیے- حضرتؑ نے فرمایا کہ میں اسی قیمت پر راضی ہو گیا ہوں اور دی ہوئی چیز کو واپس لینا میری عادت نہیں-

ریاض النظرہ میں منقول ہے:-

عن ابی صھبا قال رایت علیّا بشط الکلا یسئل عن الاسعار-

ابو صہبا کہتے ہیں کہ جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو نہر کلا کے کنارے غلّوں کے نرخ پوچھتے دیکھا-

امام عبدربہ اندلسی کتاب عقد الفرید میں لکھتے ہیں:-

عن عامر الشعبی قال وفدت سودۃ بنت عمارۃ بن الاشتر الھمدانیہ علی معٰویۃ بن ابی سفیان فاستاذنت علیہ فاذن لھا فلمّا دخلت قال لھا کیف انت یا ابنۃ الاشتر فقالت بخیر فقال لھا انت القائلۃ یوم صفین لاخیک ؎ شمّر کفعل ابیک یا ابن عمارۃ + یوم الطعان وملتقی الاقران + وانصر علیّاً والحسین ورھطہ + واقصد لھند وابنھا بھوان + ان الامام اخا النبی محمّد + علم الھدی ومنارۃ الایمان - قالت یا امیر ماتت الرّاس وبتر الذنب فدع عنک تذکار ما قد نسی قال ھیھات لیس مثل مقام اخیک نسی فقالت صدقت واللہ یا امیر ولکن اسالک باللہ اعفانی عما استعفیتہ قال قد فعلت فقال ما حاجتک قالت یا امیر انک صرت للنّاس

سیدا ولامورھم مقلد اواللہ سائلک عما افترض علیک من حقنا ولا یزال تقدم علینا
من ینھض بعزتک ویبسط بسلطانک فیحصدنا حصاد السنبل ویدوسنا دیاس البقر ھذا
ابن ارطاۃ قدم بلادی وقتل رجالی واخذ مالی ولولا الطاعۃ لکان فینا عزۃ ومنعۃ فاما عزلتہ
فشکرناک واما لا فعرفناک فقال معویۃ ایای تھددنی بقومک واللہ لقد ھممت ان اردک
الیہ فینفذ حکمہ فیک فسکت ثم قالت ؎ صلی الالہ علی روح تضمنہ + قبر فاصبح فیہ العدل
مدفونا + فقال من ذاک قال علی بن ابیطالب علیہ السلام قال ما ادی علیک منہ اثرا
قالت بلی اتیتہ یوما فی رجل ولاہ صدقاتنا فوجدتہ قائما یصلی فانفتل من الصلوۃ ثم قال
برافۃ وتلطف لک حاجۃ فاخبرتہ خبر الرجل فبکی ثم رفع راسہ الی السماء فقال اللھم انت
تعلم انی لم امرھم بظلم خلقک وترک حقک ثم اخرج من جیبہ قطعۃ من جواب فکتب
فیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قد جاءتکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا
الناس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ذالکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین
اذا اتاک کتابی ھذا فاحفظ بما یدیک حتی یاتی من یقبضہ منک والسلام فعزلہ فقال
معاویہ اکتبوا لھا بالانصاف لھا والعدل علیھا فقالت الی خاصۃ ام لقومی عامۃ قال اما انت وغیرک
قالت ھی واللہ اذا الفحشاء واللوم ان کان عدلا شاملا والا لیسعنی ما یسع قومی قال ھیھات
علمکم ابن ابی طالب علیہ السلام الجراۃ علی السلطان نقلہ الامام ابو عمر واحمد بن عبد ربہ
الاندلسی فی کتابہ العقد الفرید۔

عامر ابن الشعبی ناقل ہیں کہ سودہ بنت عمارہ ابن اشتر ہمدانیہ ایک دفعہ بطریق سفارت معاویہ کے دربار
میں حاضر ہوئیں اور اذن مانگا۔ معاویہ نے اپنے سامنے بلایا جب یہ سامنے گئیں تو اسنے پوچھا کہ اے اشتر
کی بیٹی کیا حال ہے؟ سودہ نے کہا۔ اچھا حال ہے۔ معاویہ نے کہا تو ہی نے صفین کے روز اپنے بھائی کیلیے یہ شعر
کہے تھے کہ۔ ای ابن عمارہ نیزہ مارنے اور بہادروں کی باہم ملنے کے روز تو بھی اپنے باپ کی طرح اپنا دامن اٹھا لے اور علی
اور حسین علیہما السلام اور انکی جمعیت کی مدد کر۔ اور ہندہ اور اسکے بیٹے کو ذلیل کر۔ کیونکہ وہ نبی صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کا بھائی ہے۔ امام ہے۔ اور وہ ہدایت کا علم اور ایمان کا نشان ہے۔

سودہ نے جواب دیا اے امیر! سر کٹ گیا۔ دم اکھڑ گیا۔ جو بات بھول گئی اسکا ذکر چھوڑ دے۔ معاویہ نے کہا افسوس
ہے۔ تیرے بھائی کا وہ مرتبہ نہیں تھا کہ اسکا ذکر بھلا دیا جائے۔ سودہ نے کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ لیکن جو کچھ مجھ سے
ہوا اسے آپ معاف فرمائیں۔ معاویہ نے کہا میں نے اسے معاف کر دیا۔ اب تو اپنی حاجت بیان کر۔ سودہ نے
کہا کہ اب آپ تمام لوگوں کے سردار رہ گئے ہیں۔ اور انکے تمام امور آپ کے گلے پڑے ہیں۔ خدا نے جو امور
ہمارے حقوق کے متعلق آپ سے متعلق کیے ہیں اور آپکے اوپر فرض کیے ہیں۔ خدا ضرور انکے لیے آپ سے پوچھیگا

آپ ہمیشہ ہم پر ایسا عامل مقرر کرتے ہیں جو آپکی عزت کی وجہ سے ہم پر حکومت کرتا ہے اور کھیتی کی طرح ہمکو کاٹتا ہے اور گائے کی طرح ہم کو دوہتا ہے۔ یہ ابن ارطاۃ ہمارے شہر پر حاکم بناکر بھیجا گیا ہے جس نے ہمارے مردوں کو مار ڈالا ہے۔ اور ہمارا مال چھین لیا ہے۔ اگر آپ کی اطاعت مانع نہ آتی تو ہم بھی عزت رکھتے تھے اور دفع کر سکتے تھے۔ اگر تم نے اُسے معزول کر دیا تو ہم تمہارا شکریہ ادا کرینگے۔ ورنہ ہم اپنی جانیں دیدینگے۔ معاویہ نے کہا کیا تو مجھ کو اپنے قوم و قبیلہ سے ڈراتی ہے۔ واللہ میں چاہوں تو تجھے اُسی کے پاس بھیجدوں تاکہ وہ اپنا حکم تم پر جاری کرے۔ سودا نے خاموش ہو کر یہ شعر پڑھا ؎ خدا کی رحمت ہو اُسکی روح پر جسکو قبر نے بغلگیر کر لیا ہے کہ وہ اُس میں عدل کرتا ہوا مدفون ہوا۔ معاویہ نے پوچھا وہ کون شخص ہے جس کی نسبت تو نے یہ شعر کہے۔ سودہ نے جواب دیا۔ جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔ معاویہ نے کہا میں بھی تو اُن کی مہربانیوں کا اثر کچھ تمہارے حال میں پاؤں۔ سودہ بولی۔ ایک روز میں اُن کی خدمت میں ایک شخص کی شکایت لیکر گئی جسکو اُنھوں نے تحصیل زکوٰۃ کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ میں نے اُنھیں نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ نماز سے مُنہ پھیر کر فرمایا اور نہایت نرمی اور مہربانی سے کہا تمہیں کوئی ضرورت ہے؟ میں نے آپ سے اُس شخص کا پورا حال عرض کیا۔ آپ سُنکر رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہنے لگے کہ اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے عاملوں کو تیری خلائق پر ظلم کرنیکے لیے نہیں مقرر فرمایا۔ اور تیرا حق چھوڑنے کو نہیں کہا ہے۔ پھر اپنی جیب سے کاغذ کا پرچہ نکالکر لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیشک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس کھُلے کھُلے نشان ہیں۔ تم اپنے پیمانے اور ترازو کو درست کرو۔ اور لوگوں کی چیزوں کو نہ گھٹاؤ اور ملک کی آبادی کے بعد خرابی مت ڈالو اگر تم مومن ہو۔ جب میرا یہ خط تجھے ملے تو جو کچھ کہ تیرے پاس ہو اُسے خوب نگاہ رکھ۔ جبتک کہ اُسکا لینے والا تیری پاس پہنچ جائے۔ پھر امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُسے معزول فرما دیا۔ معاویہ اپنے اہل دفتر سے کہنے لگا کہ تم بھی اسی طرح عدل و انصاف کرنے کے لیے لکھو۔ سودہ کہنے لگی خاص میرے لیے یا کہ میری تمام قوم کے لیے۔ معاویہ نے کہا تجھے دوسروں سے کیا سروکار ہے؟ سودہ کہنے لگی۔ یہ امر تو نہایت قابل اعتراض ہے اگر عدل عام شامل ہو تو بہتر۔ ورنہ جو اور قوم کا حال ہوگا وہی میرا۔ معاویہ کہنے لگا جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے تم لوگوں کو بادشاہوں کے سامنے گستاخی کرنے کی جرأت دلادی ہے۔

امام سنبلانی مناقب الاصحاب میں تحریر فرماتے ہیں:-

وکان لقبود علی مفاتیح یخلی عنہما فی مراقیت الصلوٰۃ وکان ینفق علیہم من بیت المال ویقول علینا الوثاق وعلیہم الاباق۔

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے جیلخانہ کی کنجیاں تھیں جن سے نماز کے وقت وہ قیدخانے کھولے جاتے تھے اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے بیت المال سے اُنکی خوراک مقرر تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا

کام اِن کو قید رکھنا ہے اور ان کا کام بھاگ جانا ہے۔
ایک بیوہ کا مشہور قصّہ جو امیر المؤمنین علیہ السّلام کے تفقدِ احوالِ رعایا کی بے نظیر مثال ہے جسے مفتی مولوی سید محمد عبّاس صاحب علیہ الرحمہ نے نہایت فصاحت سے منظوم فرمایا ہے ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

قبلۂ حاجاتِ مردان و زناں	شاہِ مرداں پیشوائے انس و جاں	پیرزالے بیوہ در راہ دید	خستہ بود و مشکِ آبے می کشید
گفت اے مسکیں چہ آمد بر سرت	چیست آں محنت کہ تا شد شوہرت	پیرزن چوں مہربانی ہاش دید	گفت و آہے دردناک از دل کشید
کشتۂ جور و جفائے حیدرم	قتل شد در جنگ با او شوہرم	درمیانِ ما و او حاکم خدا است	روزِ عدل و دادِ ما روزِ جزا است
بر لبش چوں رفت لفظِ عدل و داد	لرزہ بر اندام شیرِ حق فتاد	مشک بر دوشِ خود از احساں گرفت	راہِ محنت خانۂ ایشاں گرفت
رفت و روشن کرد آتش در ایاغ	بر رخش از شعلہ شد چوں لالہ داغ	چوں شرر بالائے شد از مطبخش	شاہ می گفت اے علی ایں را بچش
فارغ از حالِ ارامل بودہ	از غمِ ایتام غافل بودہ	بعد ازاں ہر روز رفتے پیشِ او	می نہادی مرہمے بر ریشِ او
بستہ بر دے نان و خرما در کمر	از برائے بچگانِ بے پدر	لقمہ ہا دادے و گفتے برخورید	وز سرِ تقصیرِ حیدرؑ بگذرید
آرے از دستش جفاہا رفتہ است	بر شما از وے جفاہا رفتہ است	سیّد از خاکِ رہِ دین و متاب	خاکساری یاد گیر از بوترابؑ
ایں طریقِ عذرخواہی یاد گیر	توبہ ہائے بیگناہی یاد گیر	شوہرش شد قتل در راہِ خدا	کرد بیجا شکوۂ آں مقتدا
بیں جوانمردی کہ مولائے زمن	شد چناں خدمتگزارِ پیرزن	خاک روبِ مسکن و ماواش بود	مطبخی و خادم و سقّاش بود
دید یک نوبت زنِ ہمسایہ اش	بود واقف از علوِ پایہ اش	گفت اے وائے ایں امیرِ ما و تست	کے بود ایں حکم بر آقا درست
	زن چو شد آگاہ از مولائے خویش	شد خجل از حکم انیہائے خویش	

خدا جانے۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام کے متعلق کتنے ایسے واقعات ہیں جنکا علم اُنہی کو تھا۔ اور وہ اُنہی کے ساتھ گیا۔ فقرا و مساکین اور بہت سے کوفہ کے ایسے رہنے والے جو بھیک مانگنے سے مجبور تھے اُنکی پرورش اور تفقدِ احوال خاصکر امیر المؤمنین علیہ السّلام کے اشفاق اور عنایات سے وابستہ تھے۔ مگر اُنکے ساتھ ان رعایتوں کے لیے وہ پوشیدہ طریقے اختیار کیے جاتے تھے جو دوسروں کو کہاں تک گھر والوں پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ دیکھو اُس درویش کا قصّہ جو جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کو دفن کی بعد جنابِ حسنین علیہما السّلام پر ظاہر ہوا۔ اِس کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہی۔ ہم اسکو بھی جنابِ مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی مثنوی سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

بعد دفنِ بادشاہِ انس و جاں	شُل بخت خویش بر گشتند شاں	درمیاں شہزادگانِ خافقین	یک گلِ جنّت حسنؑ دیگر حسینؑ

چون گل فصل خزان رخسارشان
شد از آن آواز خاطرها ملول
بیکسی مسکین بخاک افتاده بود
نے نشان مرہمے بر ریش او
قال مسکین علیل بانش
گفت یک سال است دورم از وطن
می رسد ہر روز شخصی پیش من
او مرا بسیار دلداری کند
آن جوان پیوسته غمخوار من است
گفتم من پرسیده بودم او نگفت
من نخواہم شکر و ایثار ترا
گفت من کورم نه دیدم صورتش
گفت برلب ذکر را تکرار داشت
از سه روز اصلا نیامد پیش من
چون شنیدند این ہمه شهزادگان
یعنی اینها سر بسر کار علی است
پیر را گفتند اے واغافلی
دی شب از دنیائے فانی رفته است
پیر چون از اصل کار آگاه شد
جسم خود را زد ز حسرت بر زمین
ارحما سبطی شفیع الامّة
ہمچنان کردند آن ہر دو امیر
گفت یارب ای خداوند جہان
ایزد بیچون دعا مقبول کرد

ابر بہمن دیدۂ خونبارشان
در پیش رفتند سبطین رسول
خشت را در زیر سر افتاده بود
نے دوائے نے غذائے پیش او
لا طبیب لی ولا لی مونس
نے پدر نے مادرم اینجا نه زن
لطف او مرہم بده بر ریش من
چون پدر وارم پرستاری کند
او مسیحائے دل زار من است
اسم خود را آن ہمایون خو نگفت
می کنم بہر خدا کار ترا
چشم دل دیده است حسن سیرتش
دائما با سبحه خوانی کار داشت
شد چسان غافل ز درویش من
بر کشیدند از درون آه و فغان
این ہمه عادات و اطوار علی است
بود غمخوار و پرستار تو علی
در سرائے جاودانی رفته است
مطلع زین قصۂ جانکاه شد
کرد شور یا امیر المؤمنین
سیّدی شبّان اہل الجنّة
خویش را بر قبر زد مرد فقیر
خالق وحش و طیور و انس و جان
تحفۂ او را خدا مقبول کرد
داد جان بر روئے خاک بوتراب

ناگہان در گوش شان مابین راه
توی یک ویرانه مردے یافتند
مرد پیرے ناتوانے خستۂ
جوش زد در سینه شان عین لطف
سروران گفتند غمخوار تو کیست
این ہمه مدت جفاکش بوده ام
می نشیند بر سر بالین من
از برائے من دوا می آورد
خسروان گفتند آن آخر که بود
در جوابش گفته استفسار چیست
باز فرمودند وضعش را بگو
باز پرسیدند کردارش چه بود
گاه گاہی فرمود با صوت حزین
یا الہی غمگسار من کجاست
آن یکے دیدے بسوئے دیگرے
اینچنین اوراد و اذکار که بود
تیغ زد مردے پری شب بر سرش
رفت زین محنت سرا با درد و سوز
پر شرر آہے بر آورد از جگر
عرض کرد ای جسم و جان مصطفیٰ
بر سر آن مرقد پاکم برید
رو بسوئے شاه با اعجاز کرد
از برائے صاحب این قبر پاک
در ہماندم داعی یزدان رسید
ذره را پیوند شد با آفتاب

آمد آواز حزین آه آه
مبتلائے رنج و دردے یافتند
با تن بیمار و جانے خستۂ
حال پرسیدند از و از عین لطف
در مرض مصروف تیمار تو کیست
زار و بیمار و بلاکش بوده ام
می برد غم از دل غمگین من
ہم دوا و ہم غذا می آورد
نام او بر ما بکن ظاہر که بود
خود ترا با نام آخر کار چیست
شکل و رنگ و حلیه اش با ما بگو
چون نشستے پیش تو کارش چه بود
خود غریب و با غریبم ہمنشین
مرہم جان فگار من کجاست
دیدے از حسرت بروئے دیگرے
این قضا جوئی حق کار که بود
شد چو گل رنگین جبین و پیکرش
زین سبب پیشت نیامد این سه روز
دست زد گاہی بر و گاہے به سر
نیّرین آسمان مصطفیٰ
بر کنار آسمان خاکم برید
گریه و آه و بکا آغاز کرد
کز تنم برآز جان دردناک
پیر در بزم شه مردان رسید

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے :-

عن ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان خازنا لعلی علیہ السلام علی بیت المال قال دخل علی علیہ السلام یوما وقد زینت ابنتہ فرای علیہ لؤلؤۃ کان عرفہا لبیت المال فقال من این لہا ھذہ لاقطعن ایدیہا فلما رای ابورافع جدہ فی ذلک فقال انا واللہ یا امیر المؤمنین علیہ السلام زینتہا بہا فقال علی علیہ السلام لقد تزوجت بفاطمۃ علیہا السلام ومالی فراش الا جلد کبش ننام علیہ باللیل ونعلف علیہ بالنہار ناضحنا مالی خادم غیرہا۔

ابورافع غلام جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے خزانچی تھے۔ اور بیت المال کی خدمات اُن سے متعلق تھیں۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک دن گھر میں تشریف لے گئے۔ آپنے اپنی صاحبزادی کے کان میں وہ موتی دیکھے جو بیت المال میں رکھے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ اس نے کہاں سے پائے ہیں۔ ہم ضرور اس کے ہاتھ کاٹ ڈالینگے۔ جب ابورافع نے آپ کی اس بارے میں اتنی کد دیکھی تو عرض کی کہ یا امیر المؤمنین علیہ السلام واللہ میں نے یہ موتی نہیں پہنائے ہیں۔ آپ نے فرمایا ابورافع! جب ہمارا نکاح فاطمہ صلوات اللہ علیہا سے ہوا تھا تو ہمارا بستر ایک دنبے کی کھال کے سوا کچھ نہ تھا۔ رات کو ہم اُس پر سوتے تھے۔ دن کو ہمارا اونٹ اُس پر دانہ کھاتا تھا۔ اور ہمارا کوئی خادم جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے سوا نہیں تھا۔

مہماں نوازی

آپ کے یہ اوصاف مخصوصہ اس قدر مشہور ہیں اور اس کے متعلق اتنے کثیر اور متعدد واقعات اسلامی اخبار و آثار میں پائے جاتے ہیں کہ ہماری کسی تشریح و تصریح کی کوئی حاجت باقی نہیں ہے۔ آپکے متعلق مہماں نوازی کا بہت بڑا قصہ تو قرآن مجید کے سورۂ دہر میں مندرج ہے آیۂ وانی ہدایہ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا سے اُسکی پوری کیفیت ظاہر اور آشکار ہے ہم صرف اپنے سلسلۂ بیان کے قائم رکھنے کے لحاظ سے دو واقعے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اسنی المطالب میں تحریر ہے:۔

بکا علی علیہ السلام یوما فسئل فقال لم یاتنی ضیف منذ سبعۃ ایام اخاف ان یکون اللہ اہاننی۔

ایک روز جناب امیر المؤمنین علیہ السلام رو رہے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپنے فرمایا کہ سات روز ہوئے کہ میرے پاس کوئی مہمان نہیں آیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ خدا نے مجھے کہیں حقیر تو نہیں سمجھا۔

ایک مرتبہ ایک باپ بیٹے آپ کے مہمان ہوئے۔ کھانے کا وقت آیا تو قنبرؓ نے طشت و آفتابہ سامنے رکھا۔ امیر المؤمنین علیہ السلام خود اُٹھے۔ مہمان کے ہاتھ دھلانے لگے۔ مہمان نے آفتابہ تھام لیا اور عرض کی کہ یہ نہ ہوگا۔ آپنے فرمایا۔ نہیں۔ میں تمہارے ہاتھ آپ دھلاؤنگا۔ تم مجھے اس خدمت کا ثواب سے

محروم نہ رکھو۔ القصہ آپ ہی نے اُس کے ہاتھ دُھلائے۔ جب بیٹے کے ہاتھ دُھلانے کی باری آئی تو آفتابہ حضرت محمد حنفیہؒ کو دیدیا۔ اُنہوں نے اُسکے ہاتھ دُھلائے۔

نصیریوں کا مختصر حال

تاریخ مسعودی میں مرقوم ہے۔

عن عبد الله ابن شریك العامری عن ابیه قال اتی علی ابن ابیطالب علیه السّلام فقیل انّ ههنا قوما علی باب المسجد یزعمون انك ربهم فدعاهم فقال لهم ویلكم ما تقولون قالوا انت ربّنا وخالقنا ورازقنا فقال ویلكم انّما انا عبد مثلكم اكل الطعام كما تاكلون واشرب كما تشربون ان اطعته اثابنی انشاء الله تعالیٰ وان عصیته خشیت ان یعذبنی فاتقوا الله وارجعوا فابوا فطردهم فلما كان الغد غدوا علیه فجاء قنبر فقال والله رجعوا یقولون ذالك الكلام فقال ادخلهم علی فقالوا مثل ما قالوا وقال لهم مثل ما قال الا انه قال انكم ضالّون مفتونون فابوا فلمّا كان الیوم الثالث اتوه فقالوله مثل ذلك القول فقال لهم والله لئن قلتم لاقتلنكم باخبث قتلة فابوا الاان قیموا علی قولهم فخد لهم اخدودًا بین باب المسجد والقصر واوقد فیه نارا وقال انی طارحكم فیها اوترجعون فابوا فقذف بهم۔

عبداللہ ابن عامری اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک بار جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ سے لوگوں نے بیان کیا کہ یہاں مسجد کے دروازہ پر ایک گروہ ہی جو آپ کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ اُن کے خدا ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے اُن کو اپنے سامنے بلوایا اور کہا کہ تم سب ہلاک ہو۔ تم کیا بک رہے ہو؟ وہ کہنے لگے۔ آپ ہمارے رب ہیں۔ ہمارے خالق ہیں اور ہمارے رازق (معاذ اللہ) آپ نے فرمایا۔ تم ہلاک ہو جاؤ۔ میں تو تمہاری ہی طرح ایک خدا کا بندہ ہوں۔ میں بھی کھاتا ہوں جیسے تم کھاتے ہو۔ میں بھی پیتا ہوں جس طرح تم پیتے ہو۔ اگر میں خدا تعالے کی اطاعت کرونگا تو انشاء اللہ وہ مجھے ثواب دیگا۔ اور اگر میں گناہ کرونگا تو ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ پر عذاب نہ کرے۔ تم اللہ سے ڈرو اور اُس سے انکار نہ کرو۔ وہ نہ مانے اور اُنہوں نے انکار کیا۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُن لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ دوسرے دن وہ پھر آئے۔ قنبرؓ نے عرض کی کہ وہی لوگ آج پھر آئے ہیں اور وہی باتیں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اُن کو میرے پاس لے آؤ۔ وہ آئے اور اُنہوں نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی۔ آپ نے پھر وہی کہا۔ مگر اِس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ تم لوگ گمراہ اور فتنہ انگیز ہو۔ اُنہوں نے پھر بھی انکار کیا۔ تیسرے روز پھر وہ لوگ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے سامنے لائے گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے

آج بھی وہی بات کہی تو پھر تمہیں بہت بری حالت سے قتل کرونگا۔ اُنھوں نے پھر بھی ویسا ہی انکار کیا۔ اور اپنی بات پر ثابت قدم رہے۔ آپ نے اُن کے لیے مسجد کے دروازہ اور قصر کے درمیان غار کھدوا کر آگ جلوائی اور فرمایا۔ اب بھی تم باز آؤ۔ ورنہ میں تم کو اس گڑھے میں ڈالدونگا۔ وہ لوگ اپنی اُسی ہٹ پر رہے۔ آپ نے اُن سب کو اُسی آگ میں ڈلوا دیا ؎

مرا تب آپ کے کب کوئی اے مشکل کشا سمجھا سمجھنے کا جو حق تھا وہ نبی سمجھے خدا سمجھا (مؤلف)

جناب امیر المومنین علیہ السلام کا جسمانی حلیہ

حلیۂ مبارک کے متعلق ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور امام عبد البر نے کتاب الاستیعاب میں نہایت وضاحت سے تشریح کی ہے جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :-

عن محمد الباقر علیہ السلام قال کان علی علیہ السلام مقبل العینین عظیمہا ذا بطن اصلع ربعة لا یخضب۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام بڑی اور سیاہ آنکھوں والے اور بڑے شکم والے تھے۔ آپ کی چاندی پر بہت کم بال تھے۔ اُن کا قد میانہ تھا اور ڈاڑھی کو خضاب کرتے تھے۔

اسد الغابہ میں پھر یوں بیان کیا ہے :-

عن رزام بن سعد الضبی قال سمعت ابی ینعت علیاً قال کان رجل فوق الربعة ضخم المنکبین طویل اللحیة وان شئت قلت اذا نظرت الیہ قلت ادم وان تبینته من قریب قلت ان یکون اسمر ادنی من ان یکون ادم۔

رزام بن سعد الضبی اپنے باپ کی اسناد سے ناقل ہیں کہ جناب علی علیہ السلام کا مقدس حلیہ وہ یوں بیان کرتے تھے کہ جناب موصوف الیہ میانہ قد سے کچھ اونچے تھے۔ آپ کے شانے اور بازو بھرے بھرے تھے اور ڈاڑھی گھنی تھی۔ اگر تم دور سے اُن کو دیکھتے تو کہتے کہ آپ سبزہ رنگ ہیں اور اگر تم گہری نظر کر کے اُنکو دیکھتے تو کھلتی ہوئی گندمی رنگت تھی قریب سبزہ رنگ کے۔

استیعاب میں مرقوم ہے :-

واحسن ما رایته فی صفته علیه السلام کان ربعة من الرجال الی القصر ما هو ادعج العینین حسن الوجه کانه القمر لیلة البدر حسنا ضخم البطن عریض المنکبین شثن الکفین اعین کان عنقه ابریق فضة اصلع لیس فی راسه شعر الا من خلفه کثیر اللحیة منکبیه مشاش کمشاش الضاری لا یبین عضده من ساعده ادمجت ادماجا اذا مشی تکفا وان امسك فراع رجل امسك بنفسه فلم یستطع ان یتنفس وهو الی السمرة ما هو شدید

الساعد والید فاذا مشی الی الحروب هرول ثبت الجنان قویا ما صارع احد قط الا صرعه شجاعا منصورا علی من لاقاہ۔

علامہ ابنِ عبدالبر استیعاب میں بصدر ترجمۂ جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السّلام لکھتے ہیں کہ میں نے کیا خوب آپ کے اوصاف لکھے ہوئے دیکھے ہیں کہ آپ کا قدِ مبارک میانہ مگر کسی قدر مختصر تھا۔ آپکی آنکھیں بڑی بڑی۔ کندھوں کی ہڈیاں چوڑی۔ ہتھیلیاں سخت تھیں۔ اور آپ موٹی موٹی آنکھوں والے تھے۔ گردن مثل ایک چاندی کی صراحی کے تھی۔ آپ کی چاند پر بال کم تھے۔ مگر گدّی اور سر کے پیچھے کی طرف سے سر بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ کی ڈاڑھی اس قدر گھنی تھی کہ کندھوں کے دونوں طرف تک جھکی ہوئی تھی۔ دونوں کندھوں کی ہڈیاں مثل شیر کے کندھوں کی ہڈیوں کے تھیں۔ آپ کی کلائی اور بازوؤں میں فرق نہیں تھا یعنی دونوں ایک سے تھے اور ٹھوس اور مضبوط تھے۔ چلنے میں آگے کو جُھک کر چلتے تھے جب کسی کی کلائی پکڑ لیتے تو اُس شخص کا گلا گھٹ جاتا۔ کہ وہ سانس نہیں لے سکتا تھا۔ رنگ میں گندم رنگ تھے۔ آپ کی کلائی اور ہاتھ سخت تھے۔ جب جنگ کو جاتے تھے تو دوڑ کر نہایت مطمئن اور ٹھنڈے دل سے جاتے تھے۔ وہ ایسے بہادر تھے کہ جس سے لڑتے تھے اُسپر ضرور فتحیاب ہوتے تھے۔

خاتمۃ الکتاب

جنابِ امیرالمؤمنین نفس ختم المرسلین ابوالائمۃ المعصومین امام المشارق والمغارب مولانا ومقتدانا علی ابنِ ابیطالب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سوانح عمری اور اُسکے متعلق تمام ضروری حالات اور واقعات۔ تاریخ کی اُسی ضرورت اور اُسی تحقیق کے درجہ تک تمام وکمال لکھدیے گئے جو اُس کے اصلی مقصود ہوتے ہیں۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے مقدس حالات پڑھکر اور اُن کے محاسنِ ذاتی۔ فضائل اور خصائل وشمائل پر غور کی نگاہ ڈالکر بغیر کسی تحریک کے اِس امر کا خود اقرار کیا جا سکتا ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد اگر اس امتِ مرحومہ میں اُسی عظمت۔ اُسی وجاہت اور اُسی وقعت سے کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ جناب امیرالمؤمنین علیہ السّلام ہیں۔ ع دل وجانم فدائے نامش باد۔ امیرالمؤمنین علیہ السّلام کے ذاتی محاسن اور کمال کی نسبت قبل اسکے اِس کتاب کی دونوں جلدوں میں مختلف مقامات پر نہایت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مگر تاہم اُن کی کثرت اِس افراط سے ہے کہ ہم اُنکے جمع کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس وقت تمام مقدس۔ معزز اور نامور سلاطین۔ حکماء۔ فضلاء۔ علماء۔ قضاۃ۔ زہاد۔ اور عباد اور اُن تمام پیشوایان و بزرگانِ دین کی سوانحعمریاں زمانہ اور اہلِ زمانہ کے پیشِ نظر ہیں جو اپنے تقدس اور روحانی فضائل کے اعتبار سے ولایت کے درجوں پر

پہنچے ہوئے بتلائے جاتے ہیں اور جن کی مثال اس زمانہ میں پیدا کرنا قطعی محال ہے۔ مگر ان تمام لوگوں کے احوال پر امیر المؤمنین علیہ السلام کے کمال کے ساتھ ہی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا امیر المؤمنین کے مقابلہ میں اِن بزرگواروں کو مبدۂ فیض سے بہت کم حصّہ عنایت فرمایا گیا تھا۔

ہم نے اِس کتاب میں جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے حالات میں سب سے چھوٹی کتاب خیال کیجائیگی۔ آپ کے تمام روحانی۔ جسمانی اور اخلاقی اوصاف کا جُدا جُدا مرقع کھینچا ہے۔ اگر غور سے مظہر العجائب و مصدر الغرائب جناب علی ابن ابیطالب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حالات پڑھے جائینگے تو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کی ذات مجمع الصّفات دنیا کے تمام محاسن کمالات اور اوصاف کا ایک خوشنما گلدستہ ہے جس میں باغبانِ قدرت نے اپنے اظہارِ صنعت کے ساتھ ہی اپنی تمام قدرتوں کا خاتمہ بھی کر دیا ہے۔ آپ سب سے پہلے **اسلام** کے پیشوا بھی ہیں اور ہادی بھی امام بھی ہیں اور مقتدا بھی **سلطنت** اور مملکتِ اسلامی کے آفتابِ درخشاں بھی ہیں اور سیاست و مدن کے ماہتابِ تابان بھی۔

سلاطین کے خاص مجمع میں تاجِ خسروی آپ کے فرقِ مبارک پر رکھکر آپکی شان ایک ایسے عظیم الشان سلطان کی پائی جاتی ہے جس کے آگے قیصری۔ ساسانی امراء اور سفراء زانوئے ادب تہ کیے مُہر بلب خاموش کھڑے رہتے ہیں۔

مسندِ فقر پر آپ کے توکّل اور استغناء کی یہ صورت ہے کہ بجز بوریے کے جسمِ مبارک کو دنیا کی زمین سے کوئی واسطہ نہیں۔

محرابِ عبادت میں آپکے رجوع۔ خشوع۔ خضوع۔ استغراق فی اللہ کی یہ کیفیت ہے کہ دنیا اور اُسکی کسی شئے کے ذکر و فکر سے کوئی سروکار باقی نہیں رہتا۔ اور وہ عالم طاری ہوتا ہے جس کا اندازہ سوائے آپ کے دوسرے کے لیئے قطعی ناممکن ہے۔

معرکۂ کارزار میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے جاہ و جلال کو دیکھا جائے تو مرحب۔ عنتر۔ یاسر۔ عمرو عبدود۔ عمر ابن معدی کرب اور عروہ ابنِ انیس کے ایسے ایسے پہلوان ضرب یداللہی کی ایک وار میں زمین پر پڑے ہیں اور اپنے خون میں آپ لوٹتے دکھائی دے رہے ہیں اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی شجاعت اور ہمت ہی کہ اتنے شجاعانِ عرب کا ڈھیر لگا کر بھی بس نہیں کرتے۔

منبر پر آپ کے جمالِ مبارک کو دیکھا جائے تو ظاہر ہو جائیگا کہ فقرہ فقرہ پر عرب کے لٹریچر کا خاتمہ اور لفظ لفظ پر فصاحت و بلاغت کا دریا اُبل رہا ہے۔ ہزاروں تحقیق کے پیاسے اپنی اپنی جگہوں سے اُٹھتے ہیں اور اُس چشمۂ فیض سے سیراب ہو ہو کر پھر اپنے اپنے مقام پر نہایت ادب سے

بیٹھ جاتے ہیں۔

تعلیم کے مدرسہ میں آپ ایسے طلیق اللسان پروفیسر ہیں کہ تمام اخلاقی اور موجودہ حقائق کے تمام و کمال احوال دنیا کو بتلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے امورِ شریعت کو یونانی فلسفہ کے ساتھ بنوا ہمثیل کی زبان میں بیان فرماتے ہیں۔

حضرت عمر کی نسبت اکثر اسلامی مورخین کا یہ قول ہے کہ ایشیا کے سکندرِ اعظم ہونیکا خطاب اگر کسی مشرقی فرمانروا پر زیب دیتا ہے تو انہی پر۔ انکا یہ دعوے کہاں تک صحیح ہے۔ ہمکو اس سے کسی خاص بحث کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا ہم ضرور کہینگے کہ جب ہم خلافتِ ثانیہ کے فتوحاتی اضافات اور ملکی اور جنگی انتظامات پر غور کرتے ہیں جن کی نموداریوں نے انکو سکندرِ اعظم کا ہم پہلو بنایا ہے تو ہم ان امور کو جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ہدایت اور مشورہ کا زیادہ تر نتیجہ پاتے ہیں۔

سلطنت اور سیاست و مدن کے طبقہ میں تمام فرمانرواؤں کے واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی تمام کارروائیاں چند تجربہ کار اور کارگزار مدبرین کی تجویز و شوری کی ہمیشہ محتاج رہی ہیں۔ خلفائے راشدین سے لیکر اور سلاطین تک کے حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے کاروبار عموماً حضرت عمر کی صلاح و مشورے پر موقوف تھی حضرت عمر کے نظامِ ملکی۔ مجلس شورے اور اُن اعمال کی لیاقت۔ ذہانت اور فطانت پر موقوف تھے۔ جو اُنکی حکومت کے کل پرزے کہے جاتے تھے۔ (الفاروق جلد دوم ص ۳۸)

حضرت عثمان کی دوازدہ سالہ حکومت کا دارومدار مروان کی خوش انتظامی کی سپرد تھا۔ امیر معاویہ کی خواہ مخواہ خلافت کا بار عمرو عاص۔ مغیرہ ابنِ شعبہ اور ولید ابن عقبہ وغیرہم کی گردن پر تھا یہ سب سے سب حضرات امیرالمومنین اور اسلامی خلفاء کہے جاتے ہیں۔ غور کیا جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ یہ تمام خلافتیں دوسرے لوگوں کی ذہانت اور حسنِ تدبیر کے زیرِ احسان تھیں۔ ان میں صرف حضرت امیرالمومنین علی ابنِ ابیطالب علیہما السلام کے نظامِ ملکی ایسے دکھلائی دیتے ہیں جو کسی غیر کی خوش انتظامی اور صلاح و شورے کے کبھی زیر بارِ احسان نہیں کہے جاسکتے۔ دنیا کے تمام فرمانروا ہوئے اور اُنہوں نے بہت بڑی بڑی حکومتیں کیں مگر امیرالمومنین علیہ السلام کی حکومت کا زمانہ ابتدا سے انتہا تک ایسی دگرگوں حالت میں رہا۔ اور آپ کو ایسی ایسی ملکی بغاوتوں اور اندرونی فسادوں سے سامنا ہوتا رہا کہ اُن کے نظامِ ملکی کیا۔ خود اُنکی سلطنت کا قائم رہنا دشوار ہو گیا تھا۔

نظامِ ملکی میں امیرالمومنین علیہ السلام کا ذاتی استقلال دنیا میں اپنی آپ مثال ہے۔ جو دنیا کے اور کسی فرمانروا میں نہیں پایا جاتا۔ عرب کی سرزمین میں وہ کونسا فساد تھا اور کونسا فتنہ جو اُنکے زمانہ میں نہ اُٹھا۔ اور ان میں سے وہ کونسی شورش تھی اور فساد جسے اُنہوں نے دفع نہ کر دیا۔ الغرض

جمل ۔ صفین ۔ نہروان اور معاویہ کی بزدلانہ بغاوتیں ہمارے مدعا کی شاہد ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے گھر میں سیاست اور مدن کی تعلیم پائی تھی۔ اسپر تائید ربانی نے نورًا علےٰ نور کا اضافہ فرمایا تھا۔ یہ اُس گھر کے چشم و چراغ تھے جس کا رئیس خاندان بیضۃ البلد۔ سید البطحا اور رئیس قریش کے گرانمایہ القاب سے مشہور و معروف تھا۔

دنیا کے سلاطین میں کوئی ایسا نہیں پایا جاسکتا جسکی صولت، ہیبت اور شجاعت نے عرب کے دلیر سے دلیر۔ قوی سے قوی اور سرکش سے سرکش قوموں کی ناک زمین پر رگڑ دی ہو اور جس کی عظمت۔ شوکت اور قوت کا شہرہ سُنکر دنیا کے باقیماندہ دلیر اور قوی ہیکل کان پر ہاتھ دھرتے ہوں وہ باوجود اس شہرت اور اس سلطنت کے ہمیشہ کنڈے کی ٹوٹی ہوئی چٹان پر بیٹھے۔ جو کا آٹا۔ وہ بھی بے چھنا ہوا۔ پھانکے۔ اپنے ہاتھ سے دھو دھو کر کپڑے پہنے۔ نئے کپڑوں کے بنانے پر مدت تک استطاعت نہ رکھی روئی کے کپڑے خرمے کے ریشوں سے سیے۔ اپنے جوتے میں آپ پیوند لگائے۔ غلاموں کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھائے۔ اپنے سے اچھی اور بیش قیمت پوشاک اپنے غلاموں اور خادموں کو پہنائے۔ بازار سے اپنے کاندھے پر سودا لائے۔ اور خادموں کو گھر میں آرام کرنیکے لیے چھوڑ جائے۔

علمی حیثیت پر نظر ڈالی جائے اور حکمت کی تعلیم کو امیر المؤمنین علیہ السلام کی خطبات وارشادات میں دیکھا جائے۔ جو قادر مطلق کے اظہارِ قدرت اور صنعت کے اثبات میں ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اُن کلمات پر غور کیا جائے جو اُس خدائے وحدہ لاشریک کے واجب الوجود ہونے اور اُس کی سچی وحدانیت کی تحقیق و تصدیق میں زبانِ مبارک سے ادا ہوئے ہیں تو معلوم ہو جائیگا کہ حکمائے سلف نے جس قدر دنیا کو خدا کی نسبت بتلایا۔ اُس سے کہیں زیادہ جنابِ امیر المؤمنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السلام نے اہلِ اسلام کو تعلیم کر دیا ہے۔ ارسطو کے احکام ۔ افلاطون کے اصول اور سقراط کی دلائل آپ کے ارشادات و اقوال کے آگے تقویمِ پارینہ سی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

حکمتِ الٰہیہ کو چھوڑ کر **فلسفہ ہیئت ۔ نجوم** اور دوسرے علومِ عقلی کی طرف نگاہ کیجائے تو ثابت ہو جائیگا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے سب سے پہلے اہلِ عرب کو ان تمام مسائل کی تعلیم دینی چاہی تھی۔ اِس سے پہلے وہ ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ **علم النحو ۔ علم الکلام ۔ علم الفصاحت والبلاغت** کی طرف نظر دوڑائی جائے تو عرب میں کوئی دوسرا ایسا نہ ملیگا جو ان علوم میں آپ کا مقابل ٹھیرایا جاسکے۔

علم العروض میں آپ نے جو ترقیاں کیں اور عرب کے بگڑے ہوئے شاعرانہ مذاق کو جسطرح آپ نے بدل کر لطیف اور پاکیزہ بنایا اور اُس کو قبولیت اور عام پسندیدگی کا ازسرِ نو خلعت پہنایا

وہ دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔

حسن تقریر اور لطفِ گویائی کو خطبات کے پڑھنے اور احکام و ارشادات کے سنانے میں جس طرح آپ نے ظاہر فرمایا۔ ویسا نہ آپ سے پہلے کسی نے دکھلایا تھا اور نہ آپ کے بعد پھر کسی میں پایا گیا عرب میں اتنے خطیب گزرے اور سب نے اپنے اپنے مختلف مضامین میں اپنے اپنے کمال کا اظہار کیا مگر جب اُن پر دقیقہ رس نگاہوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ سب آپ کے خطبوں کے اُڑائے ہوئے خاکے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

علوم شریعت کی جامعیت پر خیال کیا جائے تو اُن کے سوا اور کوئی دوسرا اہلِ اسلام میں ایسا نہ ملیگا جو اُس مسند پر جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو بپہلو بیٹھنے کی پوری لیاقت رکھتا ہو۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رض زید ابن ثابت۔ عبداللہ ابنِ عمر اور عبداللہ ابن مسعود تمام شرعی ضرورتوں میں آپ کے محتاج۔ اور مسائلِ دینیہ میں آپ کے دست نگر۔

مجتہدین کی طرف خیال کیا جائے اور امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام حنبل۔ امام مالک۔ بخاری۔ غزالی۔ رازی۔ شعبی وغیرہ وغیرہ کی صورتوں کو دیکھا جائے تو ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ملیگا جس نے سوائے جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے اور کسی دوسرے سے اپنی جامعیت اور تکمیل کا سلسلہ ملایا ہو۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے طائفہ میں آؤ تو حسن بصری سے لیکر جنید بغدادی۔ شبلی۔ شقیق بلخی۔ معروف کرخی۔ محی الدین جیلانی۔ شمس تبریز۔ شمس الدین رومی۔ جلال الدین رومی۔ ذوالنون مصری۔ معین الدین چشتی وغیرہم۔ اِن حضرات میں جس کو دیکھا جائے اُس کا سلسلہ کو کیسا ہی ہو۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام تک پہنچایا جائیگا۔ اور ان میں سے جو دیکھا جائیگا وہ آپ ہی سے فیض پایا ہوا پایا جائیگا۔

اگر اِن حضرات کے ارشادات و اعتقادات میں آپ کے فضائل و مناقب و مدارج و مراتب ملاحظہ کیے جائیں تو ظاہر ہوگا کہ ماسوا اللہ کے خصائص میں بھی (بقول اُن کے) امیرالمؤمنین علیہ السلام کو بہت بڑا حصہ دیا گیا ہے۔

مکارمِ اخلاق پر غور کیا جائے تو سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور دوسرے نفوس جنابِ امیرالمؤمنین علیہ السلام کے مقابل و مماثل نہیں ٹھیرائے جاسکتے ہیں۔ قناعت۔ صبر و رضا۔ تواضع۔ انکساری۔ راستی۔ حق بینی۔ شکر و توکل۔ ان ہی سے جس اوصاف میں امیرالمؤمنین علیہ السلام کو دیکھا جائے۔ آپ کی ذات بے مثل اور بے عدیل ثابت ہوتی ہے۔ دنیاوی طبقہ میں آپ کی مثال اور نظیر پیدا کرنے کی طرف غایت درجہ کی تلاش صرف کیجائے تو سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور دوسرے

حضرات نہیں ملینگے - ہم پر موقوف نہیں ہم سے چودہ سو برس پہلے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انبیا علیہم السّلام کو آپ کا پورا مماثل ٹھیرایا ہے - امام احمد حنبل - قزوینی اور بیہقی - فضائل الصحابہ میں لکھتے ہیں :-

عن ابی الحمراءؑ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم من اراد ان ینظر الی آدمؑ فی علمہ والی نوحؑ فی فہمہ والیٰ ابراھیمؑ فی حلمہ والیٰ یحییٰؑ ابن زکریّاؑ فی زھدہ والیٰ موسیٰؑ ابن عمران فی بطشہ فینظر الیٰ علی ابن ابیطالب علیہما السّلام -

ابی حمرہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضرت آدم علیہ السّلام کو علم میں اور حضرت نوح علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کو فہم میں اور حضرت ابراہیم علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کو حلم میں اور حضرت یحییٰ ابن زکریا علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کو زہد میں اور حضرت موسےٰ ابن عمران علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کو اُن کی ہیبت میں دیکھنا چاہے تو وہ صرف جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دیکھ لے -

تمام شد

الحمد للہ والمنّۃ کہ بتاریخ بست و پنجم ۲۵ ماہ ذیقعدہ روز چہار شنبہ ۱۳۲۷ سنہ ہجریہ مقدّسہ نبویہ علیٰ صاحبہا سلام اللہ بار ثالث بعد از ترمیم و تردید بعضے از مضامین در عرصۂ چہار ماہ نقل برداشتہ از خود عقیبی نگاشتم - واللہ الموفق بالمؤمنین و اخر دعوٰنا الحمد للہ رب العالمین و صلے اللہ علےٰ محمد وآلہ الطّیّبین الطّاہرین -

المؤلّف

احقر

سیّد اولاد حیدر فوق بلگرامی

عفاہ اللہ الحامی

٦٥٦٤